

بسم اللہ

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

شمارہ ۱

جنوری ۱۹۲۸ء

جلد ۱۳

کلام مومن پر ایک طائرانہ نگاہ

اگر میرے سامنے اردو کے تمام شعراء، متقدمین و متاخرین کا کلام رکھ کر (بہ استثنائے تیر) مجھ کو صرف ایک دیوان حاصل کرنے کی اجازت دیجائے، تو میں بلا تامل کہہ دوں گا کہ ”مجھے کلیات مومن دید و اور باقی سب اٹھا لیجاؤ“ ایک سننے والے کے دل میں قدرتا اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ میں ایسا کیوں کہوں گا اور اس ترجیح کا سبب کیا ہو سکتا ہے؟ اس مقالہ میں اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے جس سے زیادہ تر مقصود مومن کی شاعرانہ قیمت کا اندازہ کرنا ہے۔

اگر یہ صحیح ہے کہ دنیا میں حقیقتیں نہیں بدلتیں، تو پھر ذوق انسانی کے اختلافات سوائے تعبیرات کے کسی اور چیز سے متعلق ہو ہی نہیں سکتے۔ شاعری حقیقت نہیں ہے، بلکہ حقیقتوں کا اظہار ہے، صداقت نہیں ہے بلکہ صداقتوں کی تعبیر ہے، خود کوئی کیفیت نہیں ہے بلکہ کیفیت کا ایک بیان ہے، اور تعبیر بیان کا اختلاف فطرت انسانی ہے۔

انسان کی تو بے شمار حیثیت ایک فطری قوت ہونے کے تمام افراد میں مشترک ہے لیکن یہ لحاظ کیفیات احساس و نقوش تاثر وہ ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتی ہے۔ انسان کا دماغ اپنی ساخت کے لحاظ سے مختلف زوایا رکھتا ہے اور انہیں زوایا کے لحاظ سے اس کے خطوط

نظر میں انحراف پیدا ہوتا ہے اور یہی وہ نظامِ فطرت ہے جس نے امیال و عواطف، کیفیات و جذبات، خواہشات و داعیات میں تمایز پیدا کر کے ایک ہی جنس کے مختلف افراد میں خطوط تفریق و امتیاز کھینچ دیے اور کسی کو مومن بنادیا، کسی کو غالب، کسی کو میر کر دیا اور کسی کو سودا سوریج دہی ایک چیز ہے اور اس کا طلوع و غروب وہی ایک منظر، لیکن یکاں میں وہ مسرت و نشاط ہے اور دوسرے دل میں ہمت و جہد، وہ اُس کو دیکھ کر گنگنا نے لگتا ہے اور یہ معبود سمجھ کر سجدے میں گر پڑتا ہے، پھر نہ ہر شاعر گبر ہے اور نہ ہر گبر شاعر، حالانکہ اس کی شاعری اور اُس کی پرستش دونوں کا سرچشمہ وہی ایک آفتاب ہے۔ موسمِ برشکال کا وہی ایک مہما ہے جو کسی دل شاد کام کے لئے شیریں پیام سرخوشی ہے اور کسی جسگ طعن جدائی پر کوئی بردگن یہ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ ”ڈارونگی کچھ مڑوڑ“ اسی خیال کو اور زیادہ وسیع کیجئے اور داد دیجئے اس کی جس نے اس تمام طوفانِ رسمیت کو صرف اس ایک فقرہ میں بھر دیا کہ

”حسنک واحد و عبارتنا شتی“

پھر جن اصول کے ماتحت جذبات و کیفیات میں اختلاف پیدا ہوتا ہے، انہیں اصول کے زیر اثر ان کے سمجھنے میں بھی اختلاف ہونا ضروری ہے اور اسی بنا پر نہ میں اپنی پسندیدگی پر آپ کو مجبور کر سکتا ہوں اور نہ آپ مجھ سے اپنی عدم پسندیدگی کو بکھر سلیم کر سکتے ہیں اور سب سے پہلے یہی دشواری ایک نقاد کے سامنے آتی ہے جو بسا اوقات اسے سید ہے راستہ سے ہٹا دیتی ہے لیکن جن لوگوں نے ان دشواریوں کو محسوس کر کے اصول تنقید منضبط کئے ہیں وہ بہت محفوظ ہیں اگر ان پر عمل کیا جائے اور حقیقت یہ ہے کہ ان پر عمل کئے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ کسی خیال پر تنقید کرنے کے لئے سب سے پہلے اصولِ فطرت پر نظر ڈالنا چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ خیال کس حد تک درمیانی منازل طے کرتا ہوا فطرت کے ساتھ ساتھ چلا ہے اور اگر کوئی شخص اس طرح فیصلہ کرنے پر قادر ہو تو پھر دوسرا اصول یہ ہے کہ اس کو صرف اپنی ہی رائے پر اعتماد کرنا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہی صحیح ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ہیچ ہے چنانچہ اسی اصول کے مطابق میں مومن کے کلام پر ایک سرسری نظر ڈالوں گا، (سرسری اس لئے کہ غائر تنقید کا ایک بسیط مضمون آپ کو اسی اشاعت میں کسی اور جگہ نظر آئے گا)

تہذیب میں اس قدر صحت و ناصوری اسی لئے خیال کیا کہ بد کو یہ سوال نہ پیدا ہو کہ مومن کے متعلق اظہار خیال کن اصول پر کیا گیا ہے ہر چند یہ بالکل صحیح ہے کہ شاعر پیدا ہوتا ہے اور یہ بھی غلط نہیں کہ اس کی ہر ہی قوت کا نشو و نما ماحول سے بھی بڑی حد تک متاثر ہوتا ہے، اگر ابن المعتز شاہی خاندان سے نہ ہوتا تو بقول ابن رومی یہ شعر بھی نہ کہہ سکتا۔

فاظر الیہ کو ورق من فضتہ قد اقلعتہ حمولۃ من عنبر

ہلال کو دیکھ کر عنبر کے بارے میں دبی ہوئی چاندی کی کشتی کی طرف خیال منتقل ہونا اسی وقت ممکن ہے جب کسی نے ان چیزوں کو دیکھا ہو جاہلیتِ عرب کے شعراء کا فطرت پرست ہونا اسی بنا پر تھا کہ سوائے مناظر قدرت کے کوئی اور چیز ان کے سامنے نہ تھی۔ لیکن کبھی کبھی

یہی ہوتا ہے کہ ایک شاعر اپنے ذوق فطری کے خلاف کسی ماحول میں پہنچ جاتا ہے اور ایسی صورت میں اسپر گرد و پیش کی چیزوں کا بہت کم یا بالکل کوئی اثر نہیں ہوتا۔

مومن کا ماحول بھی وہی تھا جو غالب و ذوق کا تھا سلطنت مغلیہ کا آخری چراغ، ستارہ سحری کی طرح جھلملا رہا تھا اور شعراء عصر اُسی کو غنیمت جان کر حریصانہ انداز کے ساتھ اس سے مستفید ہونے کے لئے ہات پاؤں مار رہے تھے اس میں شک نہیں کہ انخطاط و زوال کے عام سوگوارانہ مناظر کا اقتضا یہی تھا کہ اس وقت کی شاعری بالکل متشائم (Pessimistic) ہوتی لیکن ہمیں اس تلخ حقیقت کا اظہار کرنا پڑیگا کہ سوائے بہادر شاہ ظفر کے جو براہ راست انقلاب کا شکار تھا اور جو پوری طرح زوال حکومت کا درد اپنے دل میں لئے ہوئے تھا، کوئی ایک شاعر بھی اس وقت ایسا نہ تھا جو تاریخ اسلام ہند کے اس حد درجہ دردناک منظر سے متاثر ہوا ہو۔ ذوق کو ظفر کے استاد ہونے کا فخر حاصل تھا، اور وہ بالکل خلاف ضمیر ظفر کو ”شہنشاہ عالم و عالمیاں“ کہہ کر اس مفلس و بیدست و پادشاہ کو لوٹنا چاہتا تھا، غالب یہی حسرت اپنے ساتھ لیگئے کہ وہ کیوں نہ ذوق کی جگہ ہوئے اور ہر چند انھوں نے اپنی خلش کو چھپانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ غالب کا یہ کہنا کہ:-

استادشہ سے ہو مجھے پر خاش کا خیال یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

ایک ایسی تعریف اپنے اندر پنہاں رکھتا ہے کہ اس سے زیادہ اظہار رشک کی شدید مثال مشکل سے کوئی اور مل سکتی ہے۔ میرے ایک فاضل دوست کا خیال تھا کہ غالب کی یہ غزل جس کا ایک بہت مشہور شعر یہ ہے:-

وہ بادہ شبینہ کی سرمستیاں کہاں اُٹھے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی

زوال سلطنت مغلیہ کا مرتبہ ہے، لیکن یہ تاویل بالکل ایسی ہی ہے جیسے حافظ کی شراب کو آب کوثر قرار دینا۔ الغرض اس وقت کے شعراء سب کے سب اس احساس سے بالکل بیگانہ تھے، ورنہ ”حماسیات“ کا ایسا بے نظیر دفتر مرتب ہو جاتا کہ یا تو آج اقبال کے پیدا ہونے کی ضرورت نہ ہوتی یا ہوتی تو موجودہ سطح سے بہت زیادہ بلند و ارفع۔ مومن بھی ان جیسی سے بالکل مستثنیٰ نہیں سمجھے جاسکتے، لیکن اسی کے ساتھ ان پر اس قدر بیغیرتی کا بھی الزام عائد نہیں ہو سکتا، کیونکہ انھوں نے نہ کبھی بادشاہ کی تعریف میں قصیدہ لکھا اور نہ کسی امیر کو سراہا جس کی ایک جہ تو ان کی غیور و خوددار فطرت تھی اور دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ سمجھتے تھے ایسے وقت میں بادشاہ کی تعریف کرنا حقیقتاً رنم پر شک جھڑکنا ہے۔ بلکہ زیادہ گہری نظر سے ان کے کلام کو دیکھا جائیگا تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس وقت کی سیاسیات سے نا بلند نہ تھے اور قومی خودداری کا جذبہ ان میں اس قدر موجود تھا کہ جہاد پر انھوں نے ایک مثنوی ہی سپرد قلم کر دی اور دیوان میں بھی بعض اشعار ایسے پائے جاتے ہیں جن کا ردے سخن فرنگیوں کی طرف ہے۔ بہر حال پہلی چیز جو مومن کو اپنے عہد کے دوسرے شعراء سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ ان کے کلام کسی جگہ خوں گدایانہ کا اظہار نہیں ہوتا۔

غالب کا رشک کھٹے یا خود داری اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ وہ ”اپنے کانفرنس کو بھی نہ سونپ سکے“ لیکن صاحب کے کف دست پر چکنی ڈلی دیکھ کر خوشامد و تعلق پر مجبور ہو ہی گئے اور اسی کے ساتھ جب تنخواہ ملنے میں دیر ہوئی تو اپنے فاقوں تک کا بھی ذکر کرنے سے احتراز نہ کیا، ذوق کا تو خیر ذکر ہی کیا کہ وہ اس باب میں غالب سے بھی فروتر تھے۔

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ خلاف فطرت ماحول کا اثر بہت کم یا بالکل نہیں ہوتا، وہ مومن پر منطبق ہوتا ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے شاہانہ دربار تک رسائی اور سیاح مدح سرائی کو اچھا نہیں سمجھا، لیکن ماحول کا جس قدر حصہ ان کے احساس صحیح کو متاثر کر سکتا ہے اس سے متاثر ہوئے اور ان کا اظہار بھی انھوں نے کیا، لیکن اُسی کے ساتھ یہ امر ضرور تعجب انگیز ہے کہ ایک شخص ثنوی جہاد و لکھ سکتا ہو لیکن کوئی شہر آشوب نہ لکھے، حالانکہ معاملات حسن و عشق میں وہ بڑے بڑے ماتم خیز اشعار لکھنے کا اہل ہو۔

دوسری خصوصیت جو مومن کو اپنے دیگر معاصر شعرا سے ممتاز کرتی ہے، یہ ہے کہ رنگ تغزل میں ان کا کلام اس غیر تغزلانہ چیز سے بالکل پاک ہے جس کو تصوف یا عشق حقیقی سے موسوم کیا جاتا ہے، وہ خود بھی کہتے ہیں کہ :-

مومن بہشت و عشق حقیقی تمھیں نصیب
ہم کو تو رنج ہو جو غم جادواں نہ ہو

بظاہر یہ امر کچھ ہلکا کر دینے والا معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص کا کلام تصوف کی چاشنی سے خالی نظر آئے، لیکن اگر ایک نقاد غزل کو غزل ہی کے نقطہ نظر سے دیکھے گا تو وہ یوں بھی تصوف کے کلام کو خارج کر دیگا، کیونکہ غزل کے اندر ایسی باتوں کا اظہار جو تغزل سے علیحدہ ہوں میرے نزدیک کوئی محمود بات نہیں ہے۔

تصوف کے حدود وہاں سے شروع ہوتے ہیں جہاں عقل کی پردہ از ختم ہوتی ہے اور وہ فضا جو مادہ اور اسر حد عقل و شعور ہے اس کے وسعت کی کوئی انتہا نہیں یہاں تک کہ مجاہدین و مجاہدین کی بے معنی باتیں بھی وہاں کوئی نہ کوئی مفہوم اختیار کر لیتی ہیں، اس لئے میرے نزدیک تصوف (اور تصوف کو شامل کر لینا، ایک غزل گو شاعر کا) نہیں بلکہ اس کا عجب ہے۔ مومن نے اسی دنیا کا عشق کیا، اور اس میں جتنے تجربات تلخ و شیرین ہو سکتے ہیں وہ سب انھوں نے حاصل کئے، وہی ہجر و وصال کی مادی کمیات سے شک و شکاکات و ہی رقیب کا کھٹکا، وہی التجائیں، وہی تدبیریں، الغرض تمام وہ جذبات جو عناصر محبت سے تعلق رکھتے ہیں مومن کے ہاں پائے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اگر ہم مومن کے معشوق کا کیر کڑاؤں کے کلام سے متعین کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ بازاری جنس سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، لیکن بایں ہمہ مومن کا کمال شاعری دیکھئے کہ اگر ایک طرف وہ سستی سے اس قدر قریب ہے کہ فی اسی لغزش بھی اسے گرا کر حیرات و انشاء کی صفت میں ملا سکتی ہے، تو دوسری طرف مبنی کا یہ عالم ہے کہ غالب کی انتہائی پردہ بھی اس کی فضائیں نہیں پہنچتی (لیکن یہ سب انھیں حدود کے اندر جن کو حدود و تغزل کہا جاتا ہے)

دنیا میں کسی کتاب کے متعلق یہ گفتگو کرنا کہ وہ اخلاق پر اچھا اثر ڈالتی ہے یا بُرا، لایعنی بات ہے۔ اگر کوئی تنقید ہو سکتی ہے تو

صرف یہ کہ وہ اچھی لکھی گئی ہے یا بری اس لئے جبراً انشاء کے متعلق یہ گفتگو کرنا کہ ان کی شاعری اخلاق کو خراب کرنے والی ہے، میرے نزدیک درست نہیں لیکن حقیقتاً فن کے لحاظ سے بھی ان کا کلام محل نظر ہے اور سخاوت سے بھی استرازیں کیا گیا، برخلاف مومن کے کہ انھوں نے نہایت عریاں طور پر معاملات جن و عشق کا اظہار کیا، لیکن اسی کے ساتھ نہ کسی جگہ فن مجروح ہوا اور نہ دنارت پیدا ہوئی ان کے ہاں ذلیل سے ذلیل جذبہ بھی نہایت بلند طریق پر ظاہر کیا گیا ہے۔ مومن کا محبوب بھی جبراً انشاء کی طرح بازاری ہی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ جبراً انشاء کا عشق بھی بازاری ہے، اور مومن بہت بلندی سے دیکھتے ہیں اور اسی بلند فضا تک محبوب کو بھی پہنچانا چاہتے ہیں۔ جبراً انشاء اگر اپنی تمنائیں کامیاب نہیں ہوتے تو وہ ترک محبت کے لئے بھی آمادہ ہو جاتے ہیں، لیکن مومن کی پاکیزگی ذوق کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنی امید کو بھی اس عالم آب و گل سے جدا قرار دیکر ایک غیر فانی چیز بنا دیتا ہے یہاں تک کہ اس کی محبت کی فضا محبوب و محبوبہ سے بھی بے نیاز ہو جاتی ہے، چنانچہ کہتا ہے:-

قطع امید سے سرکلٹے کو کیا نسبت

مجھ میں وہ دم ہر ابھی جو ترے خنجر میں نہیں

میں نہیں سمجھتا کہ تمنا کو اس سے زیادہ رفیع و جلیل بنایا جاسکتا ہے۔

مومن کا عشق باوجود مادی ہونے کے اس درجہ بلند فتادگی رکھتا ہے کہ وہ اپنی ہر ناکامی کا شکار خود ہی بننا پسند کرتے ہیں اور محبوب سے کوئی مطالبہ ایسا نہیں کرتے جو شان عاشقی و محبوبی کے خلاف ہو۔ زمان ہجراں میں عاشقوں یا شاعروں کا دادیلا خاص چیز ہے، لیکن مومن کا ذوق اس باب میں یہ ہے:-

تا پڑے خلل کہیں آپ کے خواب ناز میں ہم نہیں چاہتے کی اپنی شب دراز میں

پھر وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ بعض اوقات وہ اس سے بھی زیادہ قیامت ہو جاتے ہیں اور اپنی تمام تکالیف کو اس قدر بصر و جھک کے ساتھ برداشت کرنا چاہتے ہیں کہ اس کا بیان بھی تیر و پیکاں سے کم نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو یہ شعر:-

بنانے وہ چارہ گر شب ہجراں میں مت بلا وہ کیوں شریک ہو مرے حال تباہ میں

میرے خیال میں مومن ہی ایک ادب شاعر ہے جو نفسیاتی رموز کو سمجھ کر شاعری کرتا ہے اور ایسی معنوی نزاکتیں پیدا کرتا ہے کہ غور سے تجرہ کرنے کے بعد ان کا پتہ چلتا ہے۔ اس کا ایک شعر ہے:-

دن رات فکرِ جو یوں رنج اٹھانا کبتک میں بھی زرا آرام لوں تم بھی زرا آرام لو

بظاہر کس قدر سادہ شعر ہے ”مجھ سے کہہ رہا ہے کہ مجھ کو ستانے کی فکر میں رات دن الجھے رہنا بیکار پریشان ہونا ہے، کچھ دیر کے لئے اس خیال کو ترک کر کے سُن حاصل کرو“ اس حد تک تو ہر شاعر کہہ سکتا تھا، لیکن یہ ٹکڑا کہ ”میں بھی زرا آرام لوں“ صرف

مومن ہی کے دماغ میں آسکتا تھا۔ اس فقرہ سے مومن نے اپنی نفسیات دانی کو بدرجہ کمال ظاہر کیا ہے قابل غور امر ہے کہ مومن نے یہ کیوں کہا میں بھی زرا آرام لوں " ایک کھلی ہوئی پرچہ تو یہ ہے کہ اس طرح وہ محبوب پر ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ "اب بھی مجھے کافی ایذا پہنچ چکی ہے اور اس لئے مزید فکر جو رہیگا ہے" لیکن اس سے زیادہ گہری بات ایک اور ہے۔ فطرت انسانی ہے کہ جب کسی کے فائدہ کی بات بتائی جاتی ہے تو وہ غور کرتا ہے کہ کیوں ایسا مشورہ دیا گیا اور اس کو کیا غرض تھی کہ وہ میرے فائدہ کی بات بتاتا۔ اس لئے گمان بد کی بنا پر بعض مرتبہ وہ مشورہ قبول نہیں کیا جاتا، لیکن اگر ساتھ ہی ساتھ مشورہ دینے والا یہ بھی لکھ دے کہ اس میں بھڑاسا فائدہ میرا بھی ہے تو پھر غور و تامل کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور اس کو بالکل موافق فطرت سمجھ کر مان لیا جاتا ہے۔ مومن کا یہ کہنا کہ "میں بھی زرا آرام لوں" بالکل اسی قبیل سے ہے۔ مومن نے رقیب کا ذکر کثرت سے کیا ہے اور موجودہ زمانہ میں اس کو معیوب سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس سے محبوب کی سیرت پر اچھی روشنی نہیں پڑتی، لیکن اول تو مومن کے عہد میں اس قسم کے مضامین معیوب نہیں سمجھے جاتے تھے اور اگر ہوتے بھی تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اگر اس قسم کے مضامین کوئی شخص مومن کی طرح لکھ سکے تو کیونکر ان سے قطع نظر ہو سکتی ہے۔ جرأت و انشاء کے ہاں رقیب و دشمن کے متعلق جس قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، وہ یقیناً دائرہ تہذیب سے خارج ہے، لیکن مومن تو ان کا بھی ذکر صرف اپنا ہی دل خون کرنے کی حد تک کرتا ہے اور کسی جگہ حدود عاشقی سے متجاوز نہیں ہوتا۔ مثلاً

ذکر اشک غیر میں رنگینان بولے خون آئی تری گفتار سے

ہے نگاہ لطف دشمن پر تو بندہ جا ہے یہ ستم اے بے مروت کس سے دیکھا جا ہے

عرفی کا نہایت معرکہ الارا شعر ہے :-

ہم رہ غیر می دمی گوئی بیاعرفی تو ہم لطف فرمود می برد کا میں پای رافقار نیست

اس میں شک نہیں کہ اسلوب بیان اور ندرت ادا کے لحاظ سے نہایت عجیب و غریب شعر ہے اور مشکل سے اس مضمون میں کتنی قی کی گنجائش نکل سکتی ہے، خاص کر یہ ٹکڑا، "کایں پائے رافقار نیست" عجیب لطف دے رہا ہے، لیکن جب مومن اسی مضمون کو پیش کرتے ہیں تو عرفی کے شعر کا یہی ٹکڑا بالکل بے معنی نظر آنے لگتا ہے۔ مومن کا ارتقار ملاحظہ ہو۔

غیر کے ہمراہ وہ آتا ہے، میں حیران ہوں کس کے استقبال کو، تن آدمیرا جا ہے

وہاں محبوب کو غیر کے ہمراہ دیکھ عرفی کے قدم نہیں اٹھتے اور جھنجھلا کر کہہ دیتا ہے کہ تشریف بجائے میں ساتھ نہیں دے سکتا، یہاں مومن کی جان ہی اس منظر کو دیکھ کر نکلی جا رہی ہے جس کو وہ استقبال سے تعبیر کرتا ہے، لیکن استقبال کس کا؟ یہ خود اس کی سمجھ میں نہیں آتا، مومن، عدد کی کامیابی سے آگاہ ہو چکے ہیں، لیکن باوجود اس کے احترام محبت ملاحظہ کیجئے،

ہاں نہ کھا وصل عدو سچ ہی پر کیا کروں جب گلہ کرتا ہوں ہدم وہم کھا جائے ہو
ان کے دیوان میں کثرت سے ایسے شعر ملیں گے جن میں عدو کی کامیابی اور اپنی حرماں نصیبی کا ذکر کیا گیا ہے لیکن ہر جگہ ایک نئی کیفیت
کے ساتھ اور عشق کی پوری نیاز آگینیوں کو لئے ہوئے یہاں تک کہ ایک جگہ وہ یہ بھی کہہ گزرتا ہے۔
شب وصل غیر بھی کافی تو مجھے آزمائے گا کب تک

میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے زیادہ پردہ و طریقہ فردا فی جذبات کے اظہار کا اور کیا ہو سکتا ہے۔ محبوب کی ستم رانیوں سے بیزار ہو کر ترک
الفت کا خیال کبھی ان کے دل میں آتا ہی نہیں اور اگر آتا بھی ہے تو اس طرح کہ اظہار میں صد ہزار توثیق الفت نہاں رہتی ہو لکھتے ہیں:-
ہم بھی کچھ خوش نہیں دنیا کر کے تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی ہو
دنیا ئے شاعری مشکل سے ایسے ایجاز سدید بیان جزیل اور عبارت انیق کی مثال پیش کر سکتی ہے۔

مومن اسلوب ادا اور قدرت بیان کا بادشاہ ہے وہ معمولی سی معمولی بات کا اظہار کرتا ہے تو بھی اس لطف کے ساتھ کہ اس میں جد
پیدا ہو جاتی ہے اور ذہن سامع بے اختیار انہ طور پر اس سے لطف اٹھاتا ہے، پھر وہ اسی سلسلہ میں جب ان ہونی کو ہونی اور ہونی کو انہونی
ثابت کر جاتا ہے تو عجیب سمان پیدا ہو جاتا ہے۔

شب فراق کی انتہائی تکلیف سے مر جانا یا مرنے کی آرزو کرنا بالکل قدرتی خواہش ہو اور اگر کوئی شاعر اس کے خلاف جائیگا تو یقیناً
نظری ادعا کے خلاف کرے گا، لیکن ملاحظہ ہو مومن کس جن کے ساتھ اس کی توجیہ کرتا ہے۔

شب فراق میں بھی زندگی پہ مرتا ہوں کہ گو خوشی نہیں مٹنے کی پر ملاں تو ہے
مومن کی ایک اور خصوصیت جو بہت کم کسی اور کے ہاں پائی جاتی ہے، یہ ہے کہ کہیں کہیں وہ ایسے مخفی لیکن نہایت پُر کیف مفہوم کے
نشانات چھوڑ جاتا ہے کہ ہر شخص کی نگاہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتی پھر کہیں یہ خصوصیت وہ ترکیب الفاظ سے پیدا کرتا ہے مثلاً
کثرت سجدہ سو نقش قدم کہیں پا مال سر نہ ہو جائے

دعا بلا تہی شب غم سکون جاں کس لئے سخن بہانہ ہوا مرگ ناگہاں کے لئے
پا مال اک نظر میں قرار و ثبات ہے اس کا نہ دیکھنا نگہ التفات ہے
تھا محور رخ یار میں کیا آئینہ دیکھوں معلوم ہے یار د مجھے جو رنگ مرا ہے

حکیم مومن خاں اور ان کی شاعری

کافر باشم اگر بزرگ مومن
چوں کہ پیسہ پوش نباشم تا عمر (غالب)

سوانح حیات

ابھی ہندوستان کی نگاہوں نے شہسہ کا محشر زاہنگامہ نہیں دیکھا تھا۔ مرحوم ظفر بھارت درش کا شہنشاہ اور اعلیٰ سخن کا تاجدار جلوہ آراے سریر سلطنت تھا۔ مومن ذوق - غالب - مومن - آزرده - رنشاں - شفیقہ - صہبانی - علوی کی آتش بیابیاں گرمی محفل کا باعث تھیں اور یہی وہ لوگ تھے جن کی ذات ”باو در محفل شاں مشک فشاں از دم شاں“ سے عبارت تھی شمع بجھنے سے پہلے بھڑکتی ہے، دلی کی یہ بہار بھی شمع سحر کا آخری شعلہ تھا۔ اس بزم سخن میں مومن کی شمع حیات سب سے پہلے گل ہوئی جس کا ہم ایک سو گوار نے مندرجہ عنوان شعر میں کیا ہے۔

حکیم مومن خاں مومن شاہؒ مطابق سنہ ۱۲۸۷ھ میں دہلی کے محلہ کوچہ چیلان میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حکیم غلام نبی خاں اور دادا کا حکیم نامدار خاں تھا۔ حکیم نامدار خاں اور حکیم کامدار خاں دو بھائی شاہ عالم کے عہد حکومت میں کشمیر سے آگرہ دلی میں سکونت پذیر ہوئے اور شاہی طبیبوں میں داخل ہوئے۔ شاہی خدمات کے صلہ میں موضع بلاہہ وغیرہ پر گنہ نارتول میں بصورت جاگیر عطا ہوئے۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے جمہور کی ریاست نواب فیض طلب خاں کو عطا کی تو پر گنہ نارتول اس میں شامل تھا۔ نواب نے اس جاگیر کے عوض میں حکیم نامدار خاں کے دربار کو ہزار روپیہ سالانہ پنشن مقرر کر دی جس میں حکیم مومن خاں بھی شامل تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے بھی مومن کے خاندان کے چاٹھیوں کو سو روپیہ ماہوار پنشن ملتی تھی جس میں سے ایک چوتھائی ان کے والد کو ملتا تھا اور ان کے بعد مومن خاں کو کچھ ملتا رہا۔

مومن خاں کے والد حکیم غلام نبی خاں کو حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ العزیز سے بہت ارادت تھی۔ مومن خاں جب پیدا ہوئے تو حکیم غلام نبی خاں نے شاہ صاحب کو تکلیف دی اور اسی قدسی صفت نے نو مولود کے کانوں میں اذان دی شاہ صاحب ہی نے اس مولود مسعود کا نام مومن خاں تجویز فرمایا۔ ”گھر والوں نے اس نام کو ناپسند کیا اور حبیب اللہ نام رکھنا چاہا لیکن شاہ صاحب ہی کے نام سے مشہور ہوئے بعض تذکرہ نگاروں نے

اس مضمون کی تیاری میں - آبیات از محمد حسین آزاد - گل رعنا از سید عبدالحی - مشراہند ہرید و جلد عبدالسلام ندوی - ہمارے ستان سخن سید احمد امام اثر - سخن شعرا از عبد الغفور

نساخ - بزم سخن علی خاں - طراز عشق و طور کلیم نور الحسن - قصائد مومن مرتبہ ضیاء احمد ایم - اے گلشن بنیا بشیفتہ ، History of A.L. by R.B. Saxena

العلم - زمانہ اور شکار کی پرانی جلدوں سے امداد لی گئی ہے - ۵۲ مینے اور تباریخ کا پتہ نہ چل سکا -

تجاہل کے باوجود اس نام سے اُن کی شہرت دنیا سے اُردو میں قائم ہوئی۔

مومن کی ابتدائی تعلیم و تربیت گھر پر ہوئی۔ جب ذرا ہوش سنبھالا تو شفیق باپ نے شاہ عبدالقادر کی خدمت میں پہنچایا۔ حلقہ اس بلا کا پایا تھا کہ شاہ صاحب کی زبان مبارک سے نکلا ہوا کوئی لفظ شکل بھولتا تھا۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ اس ذہین لڑکے نے حضرت شاہ عبدالعزیز کا وعظ ایک بار سن کر لفظ بلفظ دہرا دیا۔ غرض مومن نے درسیات کی تکمیل ایسے گھرانے میں کی جو ایک مدت تک دلی میں اپنے علم و فضل کی بنا پر مشہور رہا۔ مومن نے اس گھرانے کے احسان کو کبھی فراموش نہیں کیا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ العزیز کے وصال پر وہ بے بدل تاسخ لکھی ہے کہ حق تو یہ ہے کہ حق شاگردی ادا کر دیا۔ شعر یہ ہے۔

دست بید ادا اہل سے بے سرو پا ہو گئے
فقرو دین فضل دہر لطف و کرم علم و عمل

درسیات کو ختم کرنے کے بعد اپنے والد حکیم غلام نبی خاں اور اپنے دونوں چچا حکیم غلام حیدر خاں اور حکیم غلام حسن خاں سے طب کی کتابیں پڑھیں اور اپنے آبائی مطب میں نسخہ نویسی کرتے رہے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ ”اہر کہ در کان نمک رفت نمک شد“ حکیم مومن خاں کی شخصیت بھی مومن شاعر کی شخصیت میں جذب ہو کر رہ گئی۔ مومن نے طب پڑھی طبابت کی مگر وہیں تک جہاں تک اُن کے عاشقانہ انداز طبیعت کا تقاضا تھا۔ مومن کے یہاں طب نے دراصل شاعری کا جامہ پہن لیا ہے مثنوی قول غنیم میں حکیم مومن شاعر کے لباس میں یوں جلو گر ہوئے ہیں

میں نے اس نبض پہ جو ہاتھ دھرا
ہاتھ سے میرے مراد دل ہی چلا

اس کو جوں ہاتھ لگایا میں نے
دل سے بس ہاتھ اٹھایا میں نے

آفت تازہ جو جان پر آئی
یہ غزل اپنی زبان پر آئی

غزل

کیا لگا دست دل آرام سے ہاتھ
دل گیا ہاتھ سے اور کام سے ہاتھ
کسکے ہاتھوں سے لگا تھا کہ جدا
نہیں ہوتا دل ناکام سے ہاتھ
ہاتھ دیتے تو ہوا ب ہاتھ میں پر
کان پر رکھے گا پھر نام سے ہاتھ
کیا کھوں آہ بقول مومن
دل گیا ہاتھ سے اور کام سے ہاتھ

ادب اُردو اس غزل کیلئے مومن کی طبابت کی زیر بار احسان ہے۔ اس غزل کی سرگزشت شیفہ کی زبان سے سنئے۔ گلشن بجا میں صاحبِ حروف صاحبِ جی کے تذکرے میں فرماتے ہیں کہ ”نام امۃ الفاطمہ بیگم معدت بصاحب جی بتقریب مداوا یا مومن خاں کا رش اقتاد ما ہے چند کار ہا

درد و دوا بود مثنوی قول غنیمت نام کہ از خان معرفت الیہ است شرح نسخہ حسن و جمال ہماں موزوں قد است

مومن کی نیچین طبیعت کب تک طب کی گردیدہ رہتی وہ بخوم کی طرف مائل ہوئی اسے بھی ماہرین فن سے حاصل کیا رمل میں بھی دستکادہ بہم پہنچائی
آب حیات میں بعض واقعات بھی درج کئے ہیں جن سے مومن کے احکام بخوم کی صحت پر روشنی پڑتی ہے۔

مومن کی اختر شناسی بھی ان کی عاشقانہ طبیعت کیلئے ایک تازیانہ ثابت ہوئی۔ دنیا میں کم لوگ ہونگے جو آئندہ کی باتیں جاننے کے خواہاں
ہوں خصوصاً صنف لطیف۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مومن خاں ابتداء شباب میں زندہ دل یار باش آزاد مشرب رنگیں طبع وارفہ مزاج
آدمی تھے۔ طبابت اور اختر شناسی نے ان کے لئے اور بھی سہولتیں پیدا کر دی تھیں۔ چنانچہ بخوم سے مومن وہی کام لیتے ہیں جو ایک عاشق کو لینا چاہئے۔
ایکبار یہ اختر شناس آتش فراق سے جل رہا تھا۔ کچھ دل میں آیا زانچہ اٹھایا دیکھا تو ستارے مہربان تھے اسیدِ وصل سے دل کو تسکین دی اور جوش
میں اپنے مطلوب کو جا کر یوں مطلع کیا۔

کہاں ہے ہر سیما دہ ترحم
نہیں کیا تم نے احکام آزمائے
کہ ہوں میں رازدانِ سیرِ بزم
انھیں باتوں نے تو یہ دن کھلے

یہ سب کچھ سچ پرانا بھی کھینکے
سلیمان ہمد بلیقیس ہوگا
کہ جیتے ہیں تو اکدن دل پہنکے
قرآن زہرہ دہر جیس ہوگا

ابھی سے گر جفا کم ہو تو اچھا
نہیں تو ہوگی اسکی شہساری
زیادہ ربط باہم ہو تو اچھا
کسے منظور ہے فحلتِ تمھاری

لیکن یہ آسمان ہمیشہ مہربان نہیں رہتا چنانچہ مومن بھی رازدانِ انجم ہونے کی حیثیت سے خود اپنی روشنی طبع کا ردنا کرتا ہے وہی اختر شناس
جو فراق میں وصل یار کا فردہ سنا سکتی ہے کبھی بد نصیبِ بزمِ عاشق کو اسکی سوختہ آخری کی تلخ حقیقت سے مطلع کر کے ہمیشہ کے لئے قبل از وقت بر باد
کر سکتی ہے اور ایسی صورت میں ہی آرزو کیجاتی ہے کہ اگر ازل سے سوختہ آخری ہی ہماری قسمت میں تھی تو کاش ہمیں اختر شناس نہ بنایا ہوتا۔
مومن اپنی اس تیرہ آخری کو ظاہر کرنے کیلئے کتنا لطیف اور پاکیزہ اسلوب بیان اختیار کرتا ہے

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس
آسمان بھی ہے ستم ایجا دکیا

اختر شناس عالم کے تغیرات کو ستاروں سے منسوب کرتا ہے مگر ایک شاعر جو بزم بھی ہو ان تاروں کے دام میں عرصے تک گرفتار رہ نہیں
سکتا۔ مومن پر ایک دورہ بھی گزرا جب بخوم غالب تھا جب وہ حوادثِ عالم کو سیرِ انجم کا نتیجہ سمجھتے تھے مگر چونکہ فطرت کی طرف سے ایک شاعرانہ

دل و دماغ لیکر آتے تھے اس لئے بہت جلد اپنے منکشف ہو گیا کہ پس پردہ کوئی اور قوت ہے جو ستاروں پر حکمرانی کرتی ہے۔ کوئی پردہ نشین اور ہے جو کواکب کے اثرات کو بدل سکتا ہے۔

مومن خاں جب تک بخوم کے زیر اثر رہے تو اپنی طبیعت کے زور سے زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکے کہ

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس
آسمان بھی ہے ستم ایجاد کیا

شعر میں علوتخیل اور تاثیر کی کمی نہیں لیکن اس دور کا شعر بھی دیکھئے جب منجم شاعر کی شاعرانہ قوتیں بخومی طاقتوں پر غالب آجاتی ہیں اُس وقت یہی شاعر آسمان کی طرف نظر اٹھاتا ہے اور حیران ہو کر پکار اٹھتا ہے کہ

دن بھی دراز رات بھی کیوں ہے فراق یار میں
کاہل سے فرق آگیا گردشِ رذر گار میں

اب دونوں شعروں کا خود موازنہ کیجئے اور دیکھئے کہ ایک بلند خیال ناظم منجم اور ایک شاعر منجم کا زادِ بوم نگاہ کہاں جا کر بدلتا ہے۔ بخوم اور مل حکیم مومن کی بیکرا طبیعت کو زیادہ دنوں تک سکون نہ دے سکے۔ مومن نے شطرنج سے دل بہلانا چاہا اور اس میں بھی وہ کمال پیدا کیا کہ دلی ایسے شہر میں اُن کا شمار مشہور شاعروں میں ہونے لگا۔ کرامت علی خاں سے قرابتِ قریبہ تھی جو وہاں کے مشہور ترین شاعر تھے۔ لیکن مومن کی پختل طبیعت شطرنج، بخوم، مل طبابت سے بدل نہیں سکتی تھی صرف ایک شاعری تھی جو البتہ اسے سکون دے سکتی اور اس منزل پر پہنچ کر ان کی بیکرا طبیعت کو قرار دیتا تھا شاعری سے خاں موصوف کو طبعی مناسبت تھی۔ ابتدا میں شاہ نصیر مرحوم کو اپنا کلام دکھایا۔ مگر چنہ رز کے بعد ان سے اصلاح لینا چھوڑ دی اور پھر کسی کو استاد نہیں بنایا۔ لیکن پھر بھی مومن کا کلام شاہ نصیر کے رنگ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ لکھنؤ اور دہلی کے کسی دو شاعر کا رنگ اگر کچل سکتا ہے تو وہ شیخ ناسخ اور شاہ نصیر ہیں۔ مومن - ذوق - غالب تینوں نے ملکر ناسخ کا متبع کرنا چاہا اور آخر میں ہر ایک نے اپنی شاعری کا رنگ بدل کر اعتراف عجز کیا۔ ناسخ کا متبع اور شاہ نصیر کی چند روزہ شاگردی بیکار نہیں گئی اور بعض غزلوں کو بے تاثیر اور بے مزہ کر کے رہی۔ سچ تو یہ ہے کہ غالب اور مومن کی بعض غزلوں کی بے تاثیر اور پھیکا پن اسی متبع ناسخ کا نتیجہ ہے۔ تنقید کلام مومن کے ضمن میں ناسخ اور نصیر کے کلام نے مومن پر جو اثر کیا ہے اس پر مفصل بحث انشا اللہ کی جائیگی۔

مومن کے مشہور تلامذہ میں شیفہ - تسکین - نسیم - قلق - برق اور وحشت ہیں ہر ایک کا نمونہ کلام تلامذہ مومن کے زیر عنوان نظر آئے گا

وضع و لباس | ان کی وضع و صورت کا نقشہ تذکرہ نویسوں نے یوں لکھا ہے ”رنگیں طبع رنگین مزاج - خوش وضع - خوش لباس کیشہ قامت - سبزہ رنگ - سر پر لمبے لمبے گھونگر دالے بال جن میں ہر وقت انگلیوں سے کنگھی کیا کرتے تھے۔ ملل کا انگر کھا ڈھیلے ڈھیلے پائنجے اس میں لال نیفہ بھی ہوتا تھا“

”صاحب آبجیات کا بیان ہے کہ میں نے انھیں نواب علی خاں اور مرزا خدابخش قیصر کے مشاعروں میں غزل چڑھتے ہوئے سنا تھا۔ اسی دردناک آواز سے دلپذیر ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے کہ مشاعرہ وجد کرتا تھا۔ اللہ اللہ اب تک وہ عالم آنکھوں کے سامنے ہے۔ باتیں کہانیاں ہو گئیں“

مومن رنگیں طبع رنگیں مزاج تھے اور ضرور تھے ابتدا میں ان کی عاشقانہ طبیعت نے ان کی شاعری کو چمکایا بھی مگر شاعر کی نظر بہت جلد اس زندگی کے اسرار تک پہنچ جاتی ہے مومن کی شاعرانہ افتاد طبیعت پر یہ طرز زندگی بھی بارگزا اور انھوں نے شاہ سید احمد سے جوانی ہی میں بیت کر لی اور آخر وقت تک اپنے عہد کو نبھایا۔ مومن کی شاعری پر شاہ سید احمد کی تعلیمات کا اثر بھی نمایاں ہے ایک غزل کے مقطع میں فرماتے ہیں۔

شوق بزم احمد ذوق شہادت ہے مجھے جلد مومن لے پونچ اس مہدی دوراں تلک

طبیعت خود دار اور غیور واقع ہوئی تھی کسی دوست کا ادنیٰ احسان بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ دلی انھیں عزیز نہ تھی۔ اور وہیں قانع زندگی بسر کرتے رہے۔ ”راجہ کپور تھلہ نے انھیں ساڑھے تین سو روپیہ مشاہرہ مقرر کر کے بلایا اور ہزار روپیہ خرچ سفر بھیجا۔ یہ آمادہ بھی ہوئے مگر جب معلوم ہوا کہ وہاں ایک گویے کی بھی یہی تنخواہ ہے تو کہا کہ جہاں میری اور ایک گویے کی تنخواہ ایک ہو میں وہاں نہیں جاتا۔ اسی طرح شہداء میں دہلی کالج کی پروفیسری کے لیے بلانے گئے لیکن وہ بھی منظور نہ کی۔

نواب وزیر الدولہ بہادر فرما کر اسے ٹونک نے جو مومن کے پیر بھائی بھی تھے انھیں بلانا چاہا لیکن مومن نے نہ آنے کی محذرت میں ایک قصیدہ لکھ کر بھیج دیا جس کا مطلع ہے :-

باد ایام عشرت فانی نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی
پر کردل کیا کہ بن نہیں آتی در نہ میں اور تیری مہمانی

ہے ابھی ارزے صل صتم ہے ابھی حسرت ہوس رانی

چار پانچ بار دلی چھوڑ کر سہارنپور۔ بدایوں۔ رامپور۔ سہسوان۔ جہانگیر آباد گئے لیکن دلی کی کشش ہمیشہ وہیں کھینچ لاتی۔ رامپور میں رہتے تھے مگر دلی کی یاد دل سے جاتی نہ تھی۔

دلی سے رامپور میں لایا جنون عشق دیرانہ چھوڑ آئے ہیں دیرانہ تر میں ہم
دوسری بار سہسوان گئے وہاں فرماتے ہیں۔

چھوڑ دلی کو سہسوان آیا ہرزہ گردی میں مبتلا ہوں میں
بدایوں میں بھی دلی کا خیال نہیں جاتا۔

بدایوں میں مجھے جوش جنوں لایا ہے دلی سے یہ کیونکر چارہ پند خرد منداں ہوش آیا

خود داری اور غیرت کا یہ عالم تھا کہ طب رمل نجوم اور شاعری کو کبھی معاش کا ذریعہ نہیں بنایا اور نہ کبھی صلے کی امید میں کسی رئیس کی شان میں قصیدہ لکھا۔ نو قصیدوں میں دو مدحیہ قصیدے ہیں ایک تو اعذار میں لکھا گیا۔ دوسرے کی شانِ نزول یہ ہے کہ ”(ایک دن)

راجہ اجیت سنگھ بڑا دراجہ کرم سنگھ رئیس پٹیالہ جو دہلی میں رہتے تھے اور ان کی سخاوتیں شہر میں مشہور تھیں۔ وہ ایک دن مصاحبوں کے ساتھ سر راہ اپنے اکوٹھے پر بیٹھے تھے۔ خاں صاحب کا اُدھرت گزر ہوا۔ لوگوں نے کہا مومن خاں شاعر بھی ہیں۔ راجہ صاحب نے آدمی بھیج کر بلوایا۔ عزت و تعظیم سے بٹھایا کچھ بنجوم کچھ شعر دشمن کی باتیں کیں۔ اور حکم دیا کہ ہتھنی کس کر لاؤ، ہتھنی حاضر ہوئی وہ خاں صاحب کو عنایت کی، شکریہ میں وہ مشہور قصیدہ مومن نے لکھا جس کا مطلع ہے

صبح ہوئی تو کیا ہوا ہے دہی تیرہ آخری کثرت دود سے سیاہ شعلہ، شمع خادری

آب حیات کی عبارت ہے کہ ”سوا اس قصیدہ کے اور کوئی مدح کسی دنیا دار کے صلہ و انعام کی توقع پر نہیں لکھی، اب تک معلوم ہو سکا کہ اس قصیدہ کے پیش کرنے سے مومن کی کیا توقعات و اہستہ فقیں۔ ظاہر ہے کہ یہ قصیدہ اعتراف احسان اور شکریہ میں لکھا گیا نہ کہ کسی انعام اور صلے کی توقع پر۔ مسٹر رام بابو سکسینہ کا صحیح خیال ہو کہ راجہ کا ہاتھی پیش کرنا ایسا معلوم ہوتا ہو گا کہ راجہ صاحب مومن کی خدمت میں ہاتھی پیش کرنے کا شرف حاصل کرنا چاہتے تھے

ان کی تیزی ذہن اور ذکاوت طبع کی تعریف نہیں ہو سکتی وہ خود بھی ذہانت میں دو شخصوں کے سوا کسی معصوم کو تسلیم نہ کرتے تھے ایک مولوی اسماعیل صاحب اور دوسرے خواجہ محمد نصیر صاحب کہ ان کے پیارے خواجہ میر درد کے نواسے تھے۔“
مولوی اسماعیل شہید، مومن خاں کے پیر بھائی تھے خواجہ محمد نصیر ان کے خسر تھے اور رنج تخلص فرماتے تھے۔ صاحب آب حیات کہ معلوم تھا کہ مومن شاہ سید احمد بریلوی کے مرید تھے معلوم نہیں کیا سمجھ کر خواجہ محمد نصیر کا مرید لکھ دیا۔ رنج کے تذکرے میں صاحب طویلیم نے لکھا ہے ”میر محمد نصیر محمدی خلف میر کلونمیرہ و سجادہ نشین میر درد علیہ الرحمۃ۔ مومن خاں بادے نسبت خورشیدی و دامادی داشت۔“
رنج کا ایک شعر ہے :-

دل یہ جسکے لئے پہلو میں تپاں رہتا ہے یوں سنا ہے کہ اسے بھی خفقاں رہتا ہے رنج

مومن خاں نے نہ تمام عمر کسی دنیا دار کی مدح کی نہ کسی کی بھومیں اپنی زبان الودہ کی خود فرماتے ہیں۔

ہجو گوئی نہیں ہمارا کام ایسی باتوں سے خامشی بہتر

آزاد نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ مومن اپنے معاصرین میں کسی کو کم خیال میں لاتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ مومن کی خود ستائی کی بھی عادت نہیں تھی جو عموماً شعراء کا شعار ہے ملاحظہ ہو مومن کو اپنی تعریف کرتے ہوئے روحی تکلیف ہوتی ہو

لاف زنی پس مدح زمانہ کیا کردں اس غم تازہ سے نہیں جھٹکا امید جاں بری

حکیم مومن خاں کی شادی جیسا آگے بیان ہو چکا ہے خواجہ محمد نصیر صاحب رنج کی صاحبزادی سے ہوئی تھی ایک لڑکی ۵۹ء میں پیدا ہوئی جسکی تاریخ ولادت ہے۔

کئی تاریخ دستبر مومن

مال کٹنے کے ساتھ ہاتھ نے

لیکن صرف چار برس کی عمر پائی - تاریخ وفات ملاحظہ ہو -

من دشاندم خزانہ بر سر خاک

خاک بر فرق دولت دنیا

آب حیات میں آزاد نے مومن خاں کے ایک صاحبزادے کا ذکر کیا ہے - جبکا نام احمد نصیر خاں ہے

ہندوستان کے شعراء اس بارے میں بہت خوش قسمت تھے کہ ان میں سے اکثر دراز عمر ہوتے - کبھی اور طریقہ کی طرح کوئی مشہور شاعر نوجوان نہیں مایا مارا گیا مومن نے صرف ۱۵ برس کی زندگی پائی کوٹھے سے گزنا موت کا باعث ہوا جسکی تاریخ شاعر نے خود کئی دست و بازو بشکست اور حکم لگایا کہ پانچ دن پانچ مہینے یا پانچ برس میں مر جاؤں گا، وہی ہوا کہ پانچ مہینے کے بعد ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں اس دنیا کو خیر باد کہا اور جنت کو آبا د کیا - ایک شاگرد نے تاریخ وفات ماتم مومن خاں سے نکالی - دلی دروازے کے باہر میدھیوں کے جانب غرب حضرت شاعر عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کے مقبرے کے پاس سپرد خاک کئے گئے۔

مومن خاں کی تصنیفات میں اردو کلیات کے علاوہ ایک انشائے فارسی اور دیوان فارسی ہے جنہیں حکیم حسن اللہ خاں مرحوم نے مرتب کیا یہ کتابیں ۱۳۸۵ء سے قبل طبع سلطانی میں چھاپی گئی تھیں - مومن کے فارسی کلام کے متعلق سید عبدالحی مولف تذکرہ گل عنایاں کے ہے کہ ”کلام فارسی بھی اپنے رنگ میں لا جواب ہے اور جو دلفریبیاں مومن خاں کے اردو کلام کے ساتھ مخصوص ہیں وہ اس میں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں“ اردو کلیات نواب صلی خاں شیفہ نے جمع کیا تھا پھر میر عبدالرحمن آہی خلف میر حسین تسکین (خاں صاحب کے فرزند نسبتی) نے از سر نو مرتب کیا جو کئی بار چھپ چکا ہے -

یونان کے فیلسوف زینو نے دو مے عالموں کے لئے پیش کئے تھے - فرض کرو کہ ایک کچھوا ایک خرگوش سے کچھ پہلے چل چکا ہو پھر بعد کو خرگوش چلتا ہے جب تک خرگوش اس جگہ پہنچے گا جہاں اسکے چلتے وقت کچھوا پہنچ چکا تھا کچھوا کچھ آگے بڑھ جائیگا اسی طرح جب خرگوش دوسری منزل طے کرے گا کچھوا کچھ آگے بڑھ جائیگا - اسی طرح ایک لامتناہی سلسلہ قائم ہو جائیگا - پھر خرگوش کچھوے کو پیچھے کیسے چھوڑ سکتا ہے -

دوسرا محمہ یہ تھا کہ ہر اک متحرک چیز جس لکیر پر چلیگی وہ ہر وقت اس لکیر کے کسی نقطے پر موجود ہوگی پھر وہ چلتی کب ہے - ہر سلسلے کے غور کرنے میں یہ وقت درپیش ہوتی ہے - اگر وقت کبھی ٹھہرتا نہیں تو (مثلاً) بارہ کب بجتے ہیں - اگر کوئی تعمیر سو برس میں رفتہ گر جاتی ہے تو وہ ہر لمحہ میں کچھ نہ کچھ مسمار ہوتی رہتی ہے پھر وہ کھڑی اور قائم کب رہتی ہے - ۱۵

۱۵ صاحب آب حیات نواب صلی خاں شیفہ کے ایک بچے خواب کا تذکرہ کیا ہے جس میں مومن خاں مخفوری طرف سے ایک تحریر کا ذکر ہے جس میں مومن جنتی لکھا ہوا تھا ۱۲

۱۶ اس عبارت کیلئے میں اپنے دوست پروفیسر رگوپت سہاس کے مضمون نغمہ حقیقت کا رہن منت ہوں جو رسالہ سہیل علی گڑھ میں شائع ہوا ہے - اس مضمون میں مومن کے ایک سوف سے بھی لکھا گیا ہے ۱۲

لیکن ان معقول اور صحیح منطقی اعتراضات کے باوجود خرگوش اس مسابقت میں کچھ سے آگے نکل جاتا ہے۔ متحرک چیز ایک گیر کے کسی نقطے پر موجود ہوتے ہوئے بھی چلتی رہتی ہے۔ بارہ بجتے ہیں اور ضرور بجتے ہیں۔ گرنیوالی عمارت قائم بھی رہتی ہے۔

پھر بھی ان معمول نے اس حقیقت کو مہرہن کر دیا کہ اعداد واقعات کو صحیح طور سے بیان کرنے میں قاصر ہیں۔ حالانکہ فی زمانہ جس مسئلے کو دیکھا اور اعداد کی امداد سے ثابت کر دیا جائے اسکی صداقت سے انکار کرنا علمی کفر سے کم نہ ہوگا اور معقولات کی تشریح حقائق نقص سے خالی نہیں۔ زمین نے یہ معنی پیش کر کے ثابت کر دیا کہ معقولات اور حقائق میں ضد ہے اور دونوں ایک دوسرے سے منطبق نہیں ہو سکتے کیونکہ عقل حیب حرکت کو سمجھنے کی کوشش کرے گی تو اسے ساکن کر کے پس جب وہ حرکت پر کوئی حکم لگائے گی تو وہ حکم دراصل حرکت سے متعلق نہ ہوگا بلکہ سکون پر نتیجہ یہ ہوگا کہ ریاضی نے مومن عالم کو حل کر کے محل اعداد بنا دیا ہے۔ عقل سے معرفت اشیا ناممکن ہے۔ حقائق اشیا عقل بنطق کی پرواز سے ماورا ہیں۔

یہ مہرہ صرف اس غرض سے اٹھائی گئی تھی کہ پرستارانِ خرد جو مشرقی شاعری کو اکثر غیر فطری اور مبالغہ آمیز کہہ کر عموماً نظر انداز کر دیتے ہیں انہیں معلوم ہو جائے کہ بیان اشیا کبھی فطری ہو ہی نہیں سکتا کسی پیش نظر شے کا جو خاکہ ہم پیش کرتے ہیں وہ حقیقت سے شاید اتنا ہی بعید ہوتا ہے جتنا مشرقین ہیں کیونکہ کسی شے کا بیان ہم ہمیشہ اپنے نقطہ نظر سے کریں گے جس کا کسی دوسرے شخص سے متحد ہونا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے جس پتی کو ہم سبز کہتے ہیں دوسرا بھی اسے سبز ہی کہتا ہے لیکن صرف اسوجہ سے کہ دنیا کی زبانیں ناقص ہیں اور اس منظر کے اظہار کے لئے کوئی دوسرا لفظ اس کے پاس نہیں ہے ورنہ ظاہر ہے کہ شخص غیر کا زاویہ نگاہ اور ہمارا زاویہ نگاہ اسوقت تک ایک نہیں ہو سکتا جب تک وہ ہمارے ہی جسم میں حائل نہ کر جائے۔ یہ محقق ہے کہ رنگ اپنے وجود کے لئے انعکاس نور کا محتاج ہے جس کے ہر مختلف زاویہ پر رنگ بدلتا جائیگا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صدق، دروغ، غلو، مبالغہ کیا چیز ہے۔ حالت تو یہ ہے کہ ہم دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ہیں ایک صاحب نے شکایت کی کہ گوشت میں نمک تیز ہے دوسرے نے کہدیا مجھے کم معلوم ہوتا ہے۔ تیسرا کہتا ہے نہیں ٹھیک تو ہے۔ ظاہر ہے کہ اس موقع پر ایک شخص دوسرے کی تمکذیب نہیں کرتا حالانکہ ایک کا بیان دوسرے کی ضد ہے۔ ہر شخص اپنی جگہ پر سچ کہتا ہے اس مثال سے یہ معلوم ہوا کہ صحت بیان اس وقت ہوگی جب ایک شخص محسوس کرے کہ اسکا کوئی دوسرا معیار مقرر نہیں ہو سکتا۔ اسی سلسلے میں اس حقیقت پر بھی نظر رکھنا چاہئے کہ صحت بیانی اور صدق بیانی میں فرق ہے۔ مثال بالائیں ہر شخص نے جو محسوس کیا اگر اسے صحیح لفظوں میں بیان کیا ہے تو وہ بیان صحیح ہے اور ہر شخص کا بیان اپنی جگہ پر صحیح ہے مگر سب کا بیان بیک وقت سچ نہیں ہو سکتا۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ اردو شاعری کو مبالغہ آمیز کہہ کر جو مال دیا جاتا ہے وہ حقیقت کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اگر ایک شاعر کی حس بڑھی ہوئی ہے اور اسکا بیان ہمارے محسوسات کی رو سے مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ مبالغہ آمیز ہی ہو مثلاً مومن کہتا ہے۔ تیرے دل تفتہ کی تربت پہ عدو مجھوٹا ہے۔ گل نہ ہوں گے شرر آتش سوزاں ہوں گے۔

پہلی نظر میں یہ شعر صاف مبالغہ معلوم ہوتا ہے اور ہے مگر اسکا کیا علاج کہ مومن کسی طور پر یہ محسوس ہی نہیں کر سکتا کہ تیرے دل تفتہ کی تربت پر گل ہوں گے اگر ہوں گے تو شرر آتش سوزاں ہی ہوں گے۔ اس بڑھی ہوئی حس کے سامنے مبالغہ آمیز کہنے والوں اور عدد کے بیان کی کیا وقعت باقی رہ سکتی ہے

انداز بیان ہے اس غیر فطری بیان میں بھی تاثیر پیدا کر دی ہے۔ اور اگر اس میں کامیابی ہو گئی تو شاعر کا مقصود حاصل۔ پھر بیان کا فطری یا غیر فطری ہونا دونوں برابر

حقائق استیوار کی معرفت میں معقولات کی بے بسی آپ دکھ چکے اب دیکھنا یہ ہے کہ اس میدان میں شاعری کہاں تک کامیاب ہوتی ہے سطور ذیل میں یہی بحث ہو گی اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائیگی کہ مومن بحیثیت شاعر دنیا سے شاعری میں کہاں تک کامیاب یا ناکامیاب رہے۔

ہندوؤں نے تو شاعر کا مرتبہ فلسفی سے اونچا مانا ہے یعنی انھوں نے محسوسات کو معقولات پر ترجیح دی ہے۔ شاعری لے ہمنٹ (Hendry Hurd) کی تعریف کے بموجب 'صداقت' حسن و قوت کے جذبہ کا اظہار ہے جسے شاعر اپنی تخیل کی امداد سے دائرہ جس میں لے آتا ہے۔ اور کثرت فی الوحدت کے اصول سے زبان کو اپنا ہم آہنگ کرتا ہے۔

شاعری صرف ایک جذبہ ہو کیونکہ وہ عمیق ترین تاثرات کی جستجو کرتی ہے اور یہی جذبہ کا کام ہے تاثرات کا غلام ہونا دراصل جذبہ ہے۔ شاعری جذبہ صداقت ہے کیونکہ صداقت کے بغیر تاثرات یا تو چر فریب ہیں یا ناقص شاعری جذبہ حسن ہے کیونکہ اس کا فعل یہ ہے کہ سرشت سے اس میں چار چاند لگائے اور حسن ہی مسرت کا بہترین مظہر ہے۔ شاعری جذبہ قوت ہے کیونکہ قوت دراصل تاثرات کی کامیابی کا نام ہے خواہ وہ خود شاعر پر اس کے حسب خواہش طاری ہو یا شعر سننے اور پڑھنے والوں پر۔

شاعر کی دنیا دہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں اہل فن اور اہل علم کی پرداز اپنی سرعت رفتار کے کرشمے دکھا کر رک جاتی ہے گلشن میں ایک پھول کا نام باغبان گلاب رکھ لیتا ہے ماہر نباتیات اسے نباتات کے کسی خاندان کی شاخ بتائیگا لیکن جب اسی پھول کو ایک شاعر دیکھتا ہے تو بے اختیار ہو کر کہہ اٹھتا ہے۔

اے گل تو خورشندم تو بول کے سے داری

وہ ہمیں یکایک ایک دوسرے عالم میں پہنچا دیتا ہے۔ ماہر نباتات کا نظریہ ممکن ہے آئندہ چکر غلط ثابت ہو جائے اور گلاب کا پھول نباتات کے کسی دوسرے خاندان کی شاخ ہے اس پر اجماع ہو جائے۔ گلاب کے بجائے روزیا در دکھنا شروع کر دیا جائے۔ لیکن اس میں کوئی تغیر نہ پیدا ہوگا۔ پھول کا نام بدلا جاسکتا ہے۔ لیکن شاعر کا قول ہمیشہ اپنی جگہ پر قائم رہیگا وہ صدق و دروغ کی رسائی سے پرے ہے۔ گلاب کا پھول نباتات کی کسی شاخ سے ہو۔ شاعر کا قول ہمیشہ اوسپر صادق آئیگا۔

شاعری ایک تخیلی جذبہ ہے۔ محسوسات کی دنیا شاعر کی جولانگاہ ہے شعر شعور کا تابع ہے دراصل حیات اور شعور ہی پر شعر کی عمارت قائم ہے یہ وہ عالم ہے جہاں معقولات کے پر جلتے ہیں اور صدق و دروغ کی تفریق جہاں بیکار ہو جاتی ہے یہاں دیکھنا ہے کہ مومن

حسیات و شعور سے اپنے اشعار میں کیا کام لیا ہے۔

ایسی لذت غلش دل میں کہاں ہوتی ہے،
رہ گیا سینے میں اسکا کوئی پیکاں ہوگا

شاعر دل میں قیامت کی غلش محسوس کرتا ہے شعور کہتا ہے کہ تیرا ریکے سوا کسی اور کا یہ کام نہیں۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ اعتراض نہ کر دیا جائے کہ دل پر تیر تو مارا نہیں جاتا دل میں پیکاں کیونکر بجائیگا لہذا بیان غیر فطری ہے مگر اب شاید اردو شاعری کے ایسے معترضین رہ نہیں گئے ہیں جو اردو شاعری کے رمزی (Symbolic) اور کنائی (Allegorical) پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

کچھ قفس میں اندنوں لگتا ہوجی
آشیاں اپنا ہوا برباد کیا

قفس میں دل کا اہل جانا آشیاں کے برباد ہونے کی علامت ہے ممکن ہے نفسیاتی حقیقت بھی ہو جسکے معلوم ہونے کا واحد ذریعہ گزشتہ تجربات ہوتے ہیں۔ لیکن نفسیاتی حقیقت کی اصلیت اتنی ہے کہ اسکی صحت کا سارا دار و مدار تجربات کی صحت پر مبنی ہے اگر تجربہ غلط ہے اور اسکی غلطی معلوم نہ ہوئی تو جو نتیجہ اس سے نکالا جائے گا وہ غلط ہوگا۔ دنیا اسی شکل میں آجکل گرفتار ہے روزانہ نفسیاتی نظریے بدلتے رہتے ہیں۔ اس دنیا میں شعور اور صرف شعور ایک ایسی چیز ہے جسپر اعتبار کیا جاسکتا ہے

ہونہ بیتاب ادا تمھاری آج
کچھ تو کہتی ہے بیقراری کج

کائنات میں ایک حقیر سے حقیر شے کی جنبش سے ہلچل پڑ جاتی ہے۔ آپ نہیں خیال کر سکتے کہ ہماری ایک سانس سے فضاے عالم میں کتنا متوج پیدا ہو جاتا ہے ہم کائنات کے ہر ذرے سے متاثر ہوتے ہیں اور ہر لمحہ انھیں متاثر کرتے رہتے ہیں۔ یہ فعل و انفعال کسروا نکسار اثر و تاثر ہر شے پر ہر لمحہ اپنا کام کیا کرتے ہیں۔ شاعر کی توجیہ فلسفیانہ کیجئے عالمانہ کیجئے شاعر کو اس سے غرض نہیں اس کے شعور نے جو اسے بتایا وہ کہہ گیا۔ توجیہ کو فلسفیانہ ہو مگر غلط ہو سکتی ہے۔ شعر اگر تابع شعور ہے تو اس میں یہ احتمال پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہاں صرف میری بیقراری اسکی ضامن ہے کہ تمھاری ادبیتاب ہی یہ بیان حق تو یہ ہے کہ نظریہ فعل و انفعال اثر و تاثر کی حد سے باہر ہے۔ بیقرار دل محسوس کر رہا ہے کہ تمھاری ادبیتاب ہے کوئی لاکھ کہے کہ فلاں نظریہ علمی اس کے خیالات ہے۔ حسیات اور نظریہ علمی کی تائید و تردید سے بے نیاز ہے۔

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پے
صیاد کی نگاہ سوے آشیاں نہیں

اس شعر میں شاعر کا یہ کلیہ کہ میرا ہمیشہ ایک نہ ایک بلا میں گرفتار رہنا ضروری ہے اور جس کا ذکر وہ نہایت حسن کے ساتھ چھوڑ گیا ہے۔ گزشتہ تجربات پر مبنی نہیں ہے شاعر کا نظریہ منطق استقرائی کا گراں بار احسان نہیں۔ تجربات کی بنا پر منطق استقرائی سے کام لیکر جو نتیجہ نکالا جائیگا اس میں ہمیشہ احتمال کا پہلو باقی رہیگا یہ صرف شعور INSTINCT ہے جو شک کے حدود سے باہر ہے جو تائید و تردید سے مستغنی ہے۔

راغ دل بکلیں گے تربت سے مری جوں لالہ
یہ وہ انگر نہیں جو خاک میں پنہاں ہوں گے

ٹھہری ہوئی حس کا لازمی نتیجہ ہے کہ بیاں (Promphetic Verbu) لہذا انداز اختیار کر لے۔ لے ہیٹ نے شاعری کی جو تعریف کی ہے (کہ شاعری صداقت و حسن و قوت کے جذبہ کا اظہار ہے جو تخیل اور تصور کی امداد سے اپنے معقدات شعری کو محسوس کر دکھاتی ہے) اسکی رد سے مومن اردو زبان میں غالباً سب سے زیادہ کامیاب شاعر ہیں۔ اسی کے ساتھ ملٹن کی رائے بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ ”شعر کی خوبی یہ ہے۔ سادہ ہو جوش سے بھرا ہو اور اصلیت پر مبنی ہو“ بہتر ہوتا اگر جوش سے بھرا ہونے کے بجائے پرتا شیر کھدایا جاتا۔ پرتا شیر زیادہ جامع لفظ ہے۔ صاحبِ راء الشعر کا خیال ہے کہ اس سے زیادہ کیا کہا جاسکتا ہے کہ ”اچھا شعر حسن خیال حسن الفاظ حسن ادا کا مجموعہ ہے“ مومن کے بیاں ہزاروں جواہر پارے ایسے پائے جاتے ہیں جن میں یہ خوبیاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں

دیدہ حیراں نے تماشا کیا دیر تلک وہ مجھے دکھایا کیا

اس شعر کو لے ہیٹ کے معیار سے دیکھئے کہ صداقت و حسن و قوت کے جذبے کا اظہار کس حسن کے ساتھ کیا گیا ہے۔ عمیق ترین تاثرات قوت کا دوسرا نام ہے۔ صداقت تاثرات اور احساس کی قوت کا نتیجہ ہے۔ اور خود صداقت حسن کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں یہ تینوں جذبے جو بظاہر مختلف مگر حقیقتاً ایک ہیں اس شعر میں بھی اسی طرح بیک وقت متحد اور مختلف پائے جاتے ہیں۔ یہ صرف شعر کی دنیا ہے جہاں اجتماع بلکہ اتصال ضدین ممکن ہے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں مومن شعراے عالم کی صف میں ممتاز نظر آتا ہے۔ یہ بحث آپ کو انشاء اللہ آئندہ صفحات میں ملیگی فی الحال مومن کے کلام سے لطف اندوز ہو جائے یہاں نظریہ اثر و تاثر دیکھئے۔ تجلی یار نے دیدہ مشتاق کو کثرت انوار سے دیدہ حیراں بنایا اور دست کو دیدہ حیراں کے انداز حیراتی نے محو حیرت کیا یہی وہ جگہ ہے جہاں حبیب و محبوب طالب و مطلوب میں امتیاز باقی نہیں رہتا یہیں وحدت فی الکثرت کے جلوے نظر آتے ہیں۔ اس شعر میں اگر ایک طرف صداقت و حسن و قوت کا جذبہ موجود ہے تو دوسری طرف حسن ادا اور اسلوب بیان کی بھی بہترین مثال ہو سکتا ہے۔

آپ کی کون سی بڑی عزت میں اگر بزم میں ذلیل ہوا

میرا ذلیل ہونا آپ کی عزت کو بڑھا نہیں سکا یہ عالمگیر صداقت ہے جس کے تسلیم کرنے میں کم لوگوں کو تامل ہوگا کہ کسے نہیں معلوم کہ میری ذات کا اثر اس ذات پر بھی پڑیگا جس سے مجھے دور کا بھی تعلق ہے۔ ذرہ کو اگر آفتاب سے نسبت ہے تو ذرہ کا ہر حسن و قبح بجا اسکے کہ وہ ذرے کی ذات کیلئے باعث فخر و ذلت ہو آفتاب سے بھی متعلق ہوگا۔ اس عالمگیر صداقت کو ایک فلسفی بھی خشک طریقے سے بیان کر دیگا۔ ایک ادیب ممکن ہے اپنے زور بیان سے اس میں دلچسپی پیدا کر سکے مگر یہ صرف شاعر کا قلم ہے جو صرف ایک عالمگیر صداقت بیان کرتا ہے مگر اسی کے ساتھ اپنا دل بھی نکال کر رکھ دیتا ہے۔ کو کرج کا قول ہے کہ جو بات نہایت صفائی سے ادا ہو جائے سمجھ لو کہ وہ سطحی نہیں ہے مومن کا یہ سادہ مگر عمیق شعر ایک معنوی مجسمہ ہے جو حسن ادا حسن خیال حسن الفاظ سے یکسر تیار کیا گیا ہے۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ڈبلو بی۔ ایس (W.B. Yeats) شاعری کی تعریف کرتا ہے کہ ”وہ مجاز و حقیقت کی تزیین ہے“ اس شعر کی دست کا یہ عالم

ہے کہ کوئین کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے ایک طرف اگر عارف سمجھتا ہے کہ ترک ماسوا کے بعد جلوہ حسن ازل نصیب ہوتا ہے تو دوسری طرف

میں دیکھتا ہوں کہ مومن بھی منصور کے ساتھ انا الحق کہنے میں ہم آواز ہے۔ جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا اسوقت تم کو یا میرے پاس ہوتے ہو لیکن

مشکل یہ ہے کہ جب دوسرا نہ ہوگا تو سوائے ’میں‘ کے کوئی دوسری ذات میرے پاس موجود نہ ہوگی۔ کوئی دوسری ذات دوسری نہ ہوتے ہوئے

اسی وقت میرے پاس ہو سکتی ہے جب وہ بھی ’میں‘ ہو جائے۔ یہاں لفظ کو یا نے ’تم‘ کو ’میں‘ میں جذب کر رکھا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مجاز

میں تمہارے خیال کا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ بہر حال یہ شعر شاعری کے ہر معیار پر پورا اترتا ہے اور دنیا کے بڑے سے بڑے شاعر کے لئے

مایہ ناز ہو سکتا ہے۔

تم ہمارے کسی طرح نہ ہو
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

سادگی کی تصریح کرتے ہوئے مولانا حالی نے مقدمہ شعر و شاعری میں لکھا ہے کہ ”سادگی سے صرف لفظوں ہی کی سادگی مراد نہیں ہے۔

بلکہ خیالات بھی ایسے نازک اور دقیق نہ ہونے چاہئیں جنکے سمجھنے کی عام دہنوں میں گنجائش نہ ہو۔ محسوسات کے شائع عام پر چلنا۔ بے تکلفی کے

سیدھے رستے سے ادھر ادھر نہ ہونا اور فکر کو جولانیوں سے باز رکھنا اسی کا نام سادگی ہے“ لیکن یہ واضح رہے کہ سادگی ایک اچھے شعر کے لئے

زیادہ سے زیادہ زیور کا کام دے سکتی ہے۔ وہ شعر کا حسن بڑھا سکتی ہے۔ مگر اپنی جگہ پر چنداں قابل اعتنا نہیں۔ معنی سے بے نیاز شعر کے لئے

سادگی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ محض سادگی اردو کے دوسرے نمبر کے شعراء میں بافراط نظر آتی ہے لیکن جو سادگی حسن ہے وہ یہاں صرف درد

میر۔ مومن اور کبھی کبھی غالب کے یہاں نظر آتی ہے۔ مومن اپنے علو تخیل اور نزاکت تخیل کے سبب سے طبقہ عوام میں مقبول نہیں جس کا

اصل سبب بقول صاحب تذکرہ گل رعنا یہ ہے کہ ”مومن کو حالی جیسا نقاد نہیں ملا“ اسی شعر کو لئے لیجئے شاعری کی وہ کون سی خوبی ہے جو اپنے

پورے آب و تاب کے ساتھ اس میں جلوہ گر نہیں۔ انھیں چند سادہ الفاظ میں معافی کا ایک دریا ہے کہ مومن لے رہا ہے۔

ہو گئی دور و زکی الفت میں کیا حالت ابھی
مومن وحشی کو دیکھا اس طرف سے جائے تھا

اچھے شعر کی خوبیاں اچھے اشعار کو دیکھ کر متعین کی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ شاعری منطق نہیں جس میں استقرار سے کام لیا جائے۔ صرف ذوق

سلیم شعر کا لطف لے سکتا ہے۔ اسی شعر کو لیجئے تخیل کی نزاکت ہے نہ خیال کی ندرت ہے نہ اسلوب بیان میں کوئی جدت ہے مگر انھیں الفاظ

میں ایسی تاثیر ہے جو ایسا ذوق کو تڑپا سکتی ہے

جراح کیا سوچا بتا کیا رنگ دیکھا کیا ہوا؟
کیوں کھول لی پٹی مرے زخم جگر سے باندھ کر

زخم جگر کے ناقابل شفا ہونے کی موثر حالت کیلئے اس سے بہتر شاید ہی کوئی اسلوب بیان ہاتھ آسکے شاعر نے آپ کے سامنے سارے

واقعات ایک ایک کر کے پیش کر دیے ہیں۔ کسی نتیجہ پر پہنچنا آپ کا کام ہے ایک صاحب فن کا جو فرض تھا اس نے اس کو انجام تک

پہنچا دیا، اب ذرا ماہر فن کا کمال دیکھیے۔ جراح نے زخم پر پٹی باندھی اور باندھ کر کھول لی۔ صرٹ اتنا مواد موجود ہے شاعر کو اتنے سے مواد میں اثبات یہ کرنا ہے کہ جراح خاموش ہے۔ مجرد جراح بیکار ہے اور جراح متقابل شفا ہے تینوں حالتوں کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن الفاظ خود یہ

معنی پیدا کرتے ہیں۔ جراح نے پٹی زخم جگر سے باندھی اور کھول لی ظاہر ہے کہ پٹی باندھ کر کھولنا کسی سبب پر مبنی ہوگا۔ مجرد جراح کے اس فعل کو دیکھ کر سوال کراٹھتا ہے ”جراح کیا سوچا بتا“ مگر کوئی جواب نہیں ملتا۔ دوسرے سوال کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے ”کیا رنگ دیکھا“ مگر جراح کی طرف سے خاموشی کے سوا دوسرا جواب نہیں زخمی پھر پوچھتا ہے ”کیا ہوا“ یہاں آکر مصرع ختم ہوتا ہے۔

اب جراح کا طرز دیکھیے۔ مجروح کا پے درپے سوال کرنا (جو بیکاری کی علامت ہے) اور اسپر جراح کی خاموشی یہ مومن ہی اتنے بڑے شاعر کا کام تھا جو اتنی کامیابی کے ساتھ اپنے فرض سے عہدہ برآ ہوا ہے۔

آتی ہے بوسے داغ شب تار ہجر میں سینہ بھی چاک ہو نہ گیا ہو قبا کے ساتھ

اردو کا خیال ہے کہ لطیف تاثرات کا لطیف انداز میں بیان کرنا حقیقی شاعری ہے یہاں انداز بیان کی لطافت کا یہ عالم ہے کہ میر درد کے سوا اردو زبان میں کسی کو نصیب نہ ہوا ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ خیال مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہے مگر تاثر ہے کہ شعر سے ٹپکی پڑتی ہے اور مومن کا کمال یہی ہے کہ اسے مبالغہ کی حدود سے نکال دیا سینے کے چاک ہونے کا اپنی زبان سے صرٹ احتمال ظاہر کرتا ہے۔ لیکن سامع یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہے کہ سینہ بھی قبا کے ساتھ ضرور بالضرور چاک ہو گیا۔ میر کا بھی ایک ایسا ہی شعر ہے۔

میرے مرنے کی حقیقت حسین تھی ایک مدت تک وہ کاغذ نم رہا

اس شعر میں بھی مبالغے کے ساتھ تاثر موجود ہے اور یہی مقصود بالذات ہے۔ بحیثیت ناقد دونوں شاعروں کے کمال فن کو دیکھیے۔ مومن نے سینے کے چاک ہونے کا صرٹ احتمال ظاہر کیا ہے۔ میر نے کاغذ کے نم رہنے کا حکم لگا دیا، لیکن استاد تھے اور انداز بیان کی اس کمزوری کو محسوس کرتے تھے لہذا ”ایک مدت تک کا ٹکڑا جوڑ کر بات بنالی اور تاثر کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ اس ٹکڑے نے کاغذ کے نم کو محسوس کر دیا۔ اہل نظر ان دونوں شعروں میں دونوں استادان فن کے کمال فن کا موازنہ کریں تو وہ اس نتیجے پر پہنچنے کو مجبور ہیں کہ اس مقام پر مومن زیادہ کامیاب رہے ہیں۔ مومن کے انداز بیان کی لطافت بڑھ ہی ہوئی ہے۔

عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جاؤ کہ شبِ غم کوئی کس طور سحر کرتا ہے

ایک طرف مومن نے اگر فارسی ترکیبوں سے اپنے کلام کی بندش کو چست سے چست کر دیا تو دوسری جانب اپنے کلام کی تاثیر کو بڑھا دیا، غالب نے جب سادگی اختیار کی تو بقول خود میر کا طرز آگیا۔ اردو زبان میں سادگی کی آمیزش تاثیر کے ساتھ کر دیجئے پھر میر کے تتبع

کے سوا چارہ کار نہیں اس مقام پر پہنچ کر غالب نے بھی اپنی انفرادیت کھودی جس کا انھوں نے خود اقرار کیا ہے۔ اب مومن کا کمال دیکھیے۔ اور مثال میں یہی شعر لیجئے۔ کمال سادگی کے ساتھ انتہائی تاثیر موجود ہے۔ لیکن میر کا رنگ نہیں، مومن کی انفرادیت صاف نمایاں ہے

اگر دشترا میں مومن نے یہ ایسی کامیابی حاصل کی ہے جس کی نظیر نہیں ملتی

بخت بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانپا تھا ہوں تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے

اگر شاعر کا قلم اتنی بھی تاثیر نہیں پیدا کر سکتا تو اسکا ٹوٹ ہی جانا بہتر ہے۔ مومن کی حالت یہ ہے کہ وہ سرود پر ایک زخم لگا کر اپنے نفوس کو ختم کر دیتا ہے، اسکی آواز فضا میں پھیلی ہوئی اور محرم کے کان بقدر استعداد اس سے آشنا ہو سکتے ہیں شاعر نے بخت بد کی ایذا رسانیوں کے لئے صرف ”یہ ڈرایا ہے“ سے ایک لطیف اشارہ کر دیا ہے۔ اس ”یہ“ سے بقدر نظر مستفید ہو جائے اور شاعر کے کمال فن کی داد دیجئے۔

اب یہ حالت ہے کہ اسے پردہ نشین تجھ سے احباب چھپاتے ہیں مجھے

جس بلندی پر مومن دو کا امتیاز اٹھ جاتا ہے مومن نے اپنے شاعرانہ کمال سے اسکی ایک جھلک اپنے اس شعر میں دکھا دی ہے تاثر و اصلیت کے جوڑ کرنے والے اس شعر میں اس تجلی کا نظارہ کر سکتے ہیں جس کے لئے صرف حقیقی شاعر کی آنکھیں بنی ہیں۔ مومن کا کمال دیکھ کر پر نشین کی صفت جو محبوب کیلئے مختص تھی اب اپنے لئے ضروری قرار دیدی۔ اب تک وہ خود مرعض سے پردہ کرتے تھے لیکن اب مرعض ان سے پردہ کر رہا ہے کیا اس سے زیادہ عجیب و غریب انداز بیان اپنی حزمین حالت کے اظہار کے لئے اور اس سے بہتر عشق چکاں اسلوب اداؤں نیاے شاعری میں پیش کیا جاسکتا ہے؟

ایک ناقد کا خیال ہے کہ ”مشتوق و محبوب کے بجائے مومن نے پردہ نشین کا لفظ پسند فرمایا ہے۔ اور تمام دیوان میں تقریباً بیس پچیس دفعہ استعمال کیا ہے۔ ادل تو یہ لفظ ماہ پارہ، غیرت ناہید، رشک آفتاب، آفتاب حسن وغیرہ الفاظ کے مقابلے میں جو مشتوق کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ چست اور فصیح نہیں لیکن پھر بھی اگر اس لفظ کو باندھ کر مومن کوئی خاص مضمون ادا فرماتے۔ جب بھی کوئی بات تھی مگر معلوم انھوں نے کیوں ایک غیر فصیح لفظ کو ایک فصیح لفظ پر ترجیح دیکر اس کی گردان کی؟ اس میں شک نہیں کہ تنقید نگار نے اپنی رائے نہایت ایماندارانہ طریقہ سے سپرد قلم کی ہے اور میں ان کی رائے کا احترام کرتے ہوئے اختلاف پر مجبور ہوں مگر خیال ہے کہ جناب ناقد نے لفظ ”پردہ نشین“ کو غیر فصیح کہنے میں احتیاط سے کام نہیں لیا۔ ماہ پارہ کو فصیح سمجھنا اور پردہ نشین کو غیر فصیح کہنا کچھ زیادہ دیرت نہیں معلوم ہوتا۔ نہ تو پردہ نشین کسی اصول فصاحت سے غیر فصیح ہے اور نہ ماہ پارہ کسی ایسے اصول سے فصیح ہے جس سے پردہ نشین فصیح نہ ثابت ہو۔ اگر ذوق کو معیار فصاحت تسلیم کیجئے تو اختلاف یہیں نمایاں ہے جس لفظ کو جناب ناقد غیر فصیح کہتے ہیں میں غیر فصیح ماننے کو تیار نہیں بہت ممکن ہے کہ مومن اس لفظ کو بہت سے الفاظ سے فصیح تر سمجھتے ہوں۔ اب اس لفظ کی معنویت پر جائیے۔ تو میرا خیال ہے کہ یہ لفظ۔

ماہ پارہ۔ غیرت ناہید۔ رشک آفتاب۔ آفتاب حسن سے زیادہ معنوت رکھتا ہے ”پردہ نشین“ اور غیرت ناہید۔ رشک آفتاب۔ آفتاب حسن

و ماہ پارہ میں وہی فرق ہے۔ جو حسن پس پردہ اور حسن بے پردہ میں ہے۔ بہت ممکن ہے اس دور میں حسن پس پردہ پر حسن بے پردہ کو ترجیح دی جائے لیکن مومن کے عہد میں حسن پس پردہ ہی کو ترجیح حاصل تھی۔ پردہ نشین کا اور شعر سنئے۔

میں نے دعویٰ کیا تھا کہ
زندگی پر وہ درہو جاے

جلوہ دکھلاے تا وہ پردہ نشیں
ہجر پردہ نشیں میں مرتے ہیں

میں بھی کچھ خوش نہیں فنا کے
تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

حیوانوں میں انسان کی امتیازی خصوصیت نطق ہے۔ یوں تو اظہارِ مدعا کے لئے گائے بیل سے بھی ایسے حرکات ظاہر ہوتے ہیں جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس وقت وہ بھوکے ہیں اس وقت وہ پیاسے ہیں اس وقت وہ کسی خطرے سے دوچار ہیں اگر انسان نے بھی اپنی زبان سے اتنا ہی کام لیا تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے غیر ناطق حیوانوں کی صف میں جگہ نہ دیجائے۔ میرا خیال ہے کہ نطق عقل و بیان کے مجموعے کا نام ہے۔ کسی شے کے بیان کرنے میں حدود سے متجاوز نہ ہونا چاہئے منطقی اصطلاح میں اسی کو جامع و مانع بیان کہیں گے شعرا منطق کی بندشوں سے یقیناً آزاد ہیں لیکن وہ شاعری کی بندشوں سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ اگر شعریں (Sakamamoh Sakamamoh) نہیں ہے تو میرے خیال میں وہ انسان کا شعر نہیں اُس کے ہونے سے اُس کا نہ ہونا بہتر ہے۔ صحت مقال کی خصوصیت ہے کہ کوئی ایسا پہلو نکل ہی نہ سکے جو اُسے غلط ثابت کر سکے۔ وہ جگہ ہے جہاں مومن دنیاے شاعری میں یکتائی کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ پہلے میرے خیال کو دوسروں کے اشعار روشنی میں سمجھ لیجئے اُس کے بعد میں مومن کی اس امتیازی خصوصیت پر بحث کر دوں گا۔

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ ہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں (میر)

مفتی صدر الدین آزاد نے اس شعر کو قتل ہو اللہ کی صورت سے تشبیہ دی تھی۔ یعنی اس کا جواب محال ہے۔ اگر آپ غور کیجئے تو یہ صرف صحت مقال نتیجہ ہے۔ شاید اور اسپر کچھ کے الفاظ نے مضمون کو مطلق العنان ہونے نہیں دیا۔ شعر کی تاثیر بڑھ گئی شاعر کے قول پر کسی پہلو سے کوئی اعتراض وارد ہو نہیں سکتا یہاں نہ پرداز تخیل ہے نہ اسلوب بیان میں کوئی ندرت ہے نہ جدت ادا ہے مگر شعر ہے کہ ایک مفتی مجبور ہو کر اسے قتل ہو اللہ سے مثال دیدیتا ہے اسی سلسلہ میں درد کا بھی ایک شعر سن لیجئے۔

میرے تغیرِ حال پر مت جا
یوں بھی اے مہربان ہوتا ہے (درد)

اس شعر کے معنی بیان کرتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ شعر کا سارا لطف غارت نہ ہو جائے غور کیجئے وہ کون سی چیز ہے جو شعر کو نشتر بنائے ہوئے ہے وہی صحت مقال ہے جس کو شاعر نے ذہنی زبان سے ”یوں بھی اے مہربان ہوتا ہے“ کہا ہے۔ دنیا میں کس کی جرأت ہے جو شاعر کے اس قول کی تکذیب کر سکتا ہے۔ ظلم ہوگا اگر صحت مقال کی مثالیں پیش کرتے ہوئے شیعہ، شاگرد مومن کا نہایت مشہور شعر مثلاً نہ پیش کر دوں۔

شاید اسی کا نام محبتِ شفیقہ
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

اگر صحت مقامی کا خیال نہ رکھئے تو نہایت آسانی کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ سینے کے اندر جو آگ لگی ہوئی ہے اسی کا نام محبت ہے۔ لیکن کیا محبت

کوئی لطف باقی رہ گیا۔ یہ صحت مقالی کا کوچه ایسا ہے جہاں پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ شاید 'اک'، 'سی' یہ وہ الفاظ ہیں جو سینے کے اندر لگی ہوئی آگ کو ہوا دے رہے ہیں۔ شاید یہ بات اب واضح ہو گئی ہوگی کہ اردو زبان کے تین موثر ترین شعر کی امتیازی خصوصیت صحت مقالی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ صحت مقالی کا جو مفہوم میرے ذہن میں موجود ہے وہ کسی حد تک ان مثالوں سے واضح ہو گیا ہو۔ اب ایک بار مومن کا شعر پھر سن لیجئے

میں بھی کچھ خوش نہیں دنا کر کے تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

یہ شعر بھی انہیں شعروں میں ہے جن کی نزاکت جنبش قلم کو برداشت نہیں کر سکتی۔ حق تو یہ ہے کہ یہ شعر کسی تنقید و تبصرہ کا تحمل بھی نہیں ہو سکتا مومن نے جن چنچے تلے الفاظ ہیں اپنے خیال کو ظاہر کیا ہے جتنی احتیاط برتی ہے اسکا اندازہ ہونا مشکل ہے۔ ایسے اشعار جن میں صحت مقالی کا خیال رکھا جاتا ہے اور جنہیں جتنے لفظی قیود زیادہ ہوتے ہیں معانی میں وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ یہاں اک ذرا اس حقیقت کا تصور کیجئے کہ جو شخص مطلوب کے نباہ نہ کرنے پر شکایت کے بجائے شکر ادا کرے اسکی یاس کی دنیا کتنی وسیع ہوگی۔ تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی، یہ الفاظ جس دل سے نکل سکتے ہیں اور جس قلم سے صفحہ قرطاس پر آسکتے ہیں وہ کس دنیا میں ہوگا۔ شاعر جس خیال کو موزوں کرنا چاہتا تھا آپ خود دیکھئے کہ اسنے کتنی کامیابی حاصل کی ہے۔ جس مایوس کیلئے برائی بھلائی ہو سکتی ہے جسکے لئے یونانی و فارسی کم نہیں ثابت ہوتی اس کی حالت بعینہ اس شخص کی سی ہے جو انتہائے یاس میں رو نہیں سکتا اور منسنے پر مجبور ہے۔ اس کے بعد شاعر دنیا اور اہل دنیا سے قریب تر ہو رہا ہے اور خدا جانے کیا سمجھ کر کہہ اٹھتا ہے۔

میں بھی کچھ خوش نہیں دنا کر کے

کر دیا خواہش بیدار نے احوال تباہ تو تو ظالم نہیں زہنار یہ میں ہوں مظلوم

میں نہیں خیال کر سکتا کہ ایک شاعر اس سے زیادہ متعین (Definited) ہو سکتا ہے۔ یہ حسن بیان کا معجزہ ہر کہ کسی کو کچھ کہنے کا نتیجہ سے حق ہی نہیں میں اگر کچھ کہہ سکتا ہوں تو صرف اپنی ہی بابت۔ کیونکہ کہوں کہ تو ظالم ہے خدا جانے تو ظالم ہے یا رحمدل بہر حال میں تو مظلوم ہوں۔ حقیقت ہے اور ناقابل انکار حقیقت۔ ہاں ہاں سچ ہے میں ہی اپنی بربادی کا باعث ہوا ہوں۔ بیشک تو ظالم نہیں۔ تجھ پر الزام نہیں۔ مگر اسکا کیا علاج کہ مجھے ظلم ہوا ہے۔ شاعر کا یہ بیان جس سے انتہائی احتیاط برس رہی ہے اتنے ہی زور کے ساتھ کسی کے ظالم ہونے کی حقیقت کو سامع کے دل پر نقش کر دیتا ہے جس قدر وہ اپنی مظلومی پر زور دیتا ہے اور کسی کا ظلم بغیر کہے بلکہ انکار کے باوجود بھی آشکارا ہو جاتا ہے۔

اس کوچے کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا

’سا‘ کا لفظ، کوچے کی ہوا اور ’میری آہ‘ کو پنکھا بنا دیتے ہوئے پنکھا بنا رہا ہے

سب تابہ فتنہ چونک پڑے تیرے عہد میں اک میرا بخت تھا کہ وہ بیدار کم ہوا

’کم ہوا‘ کہہ کر شاعر نے یہ محسوس کر دیا کہ میرا بخت کبھی بیدار نہ ہوا۔

اچھا تو درِ عشق کا بیسار کم ہوا

کچھ قیس اور میں ہی نہیں سب کے سب

دیکھئے شاعر اس کم سے کیا کیا کام لے رہا ہے جتنے نرم لہجہ میں کہہ رہا ہے اتنا ہی زبردست اثر پیدا کر رہا ہے (ART)

اس کا نام ہے -

اگر نہ ہو مٹکا نقشہ تمھارے گھر کا سا

نہ جاؤ لگا کبھی جنت میں میں نہ جاؤ لگا

جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا

یہ انداز بیان کم شاعروں کو نصیب ہوا ہے -

یہاں تک تو میں نے اپنے ان تاثرات کی بنا پر جو کلام مومن کے مطالعہ کے بعد مجھ پر طاری ہوئے عمومی طور پر صرف ان کیفیات کا اظہار کیا ہے جو ذوق سلیم میں ایک ہنگامہ کی سی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں اور جس میں ایک شخص اصول تنقید وغیرہ سے بھی گزر جانا چاہتا ہے لیکن چونکہ مقصود اپنے محض جذبات کا اظہار نہیں ہے بلکہ مومن کی شاعری کی صحیح قیمت متعین کرنا ہے اس لئے میں اب اصل موضوع پر توجہ کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ بتاؤں گا کہ ان خصوصیات شاعری کے لحاظ سے جن میں اور شعراء بھی مشترک ہو سکتے ہیں مومن کا کیا مرتبہ تھا اور پھر یہ ظاہر کر دوں گا کہ اس کی انفرادیت کن خصوصیات سے متعلق تھی اور یہ کہ وہ اپنی مخصوص شاعرانہ حیثیت اور اپنے ممتاز تقدم شعری کے لحاظ سے کیا مرتبہ رکھتا تھا -

موضوع تذکرۃ الصدور پر تفصیلی نظر ڈالنے سے پہلے حکیم مومن خاں کی بابتہ آزاد کی رائے سن لیجئے شاید یہ معلوم ہی ہو گا کہ جناب شمس العلماء نے خود مومن پر لکھنے کی کوئی زحمت گوارا نہیں فرمائی صرف کلام پر رائے ظاہر کی ہے جو خود انھیں کے قلم سے نکلی ہوئی ہے - ملاحظہ ہو -

”غزلوں میں ان کے خیالات نہایت نازک اور مضامین عالی ہیں اور استعارہ اور تشبیہ کے زور نے اور بھی اعلیٰ درجہ پر پہنچا ہے

ان میں معاملات عاشقانہ عجیب مزے سے ادا کئے ہیں اسی واسطے جو شعراء صاف ہوتا ہے اس کا انداز جرأت سے ملتا ہے اور اس پر وہ

خود بھی نازاں تھے اشعار (مذکورہ) میں فارسی کی عمدہ ترکیبیں دلکش تراشیں ہیں کہ اردو کی سلاست میں اشکال پیدا کرتی ہیں ان کی

زبان میں چند وصف خاص ہیں جن کا جملہ نالطف سے خالی نہیں وہ اکثر اشعار میں ”ایک شے کو کسی خاص صفت کے لحاظ سے ذات شے“

کی طرف نسبت کرتے ہیں اور اس میں پھر شعر میں عجب لطیف لطف بلکہ معانی پنہاں پیدا کرتے ہیں“ یعنی آزاد بھی مومن کی نزاکت تخیل، علی

مضامین اور تشبیہ و استعارہ کے مداح ہیں - وہ گو مومن کی فارسی ترکیبوں کو عمدہ اور تراشوں کو دلکش کہتے ہیں مگر دبی زبان سے یہ بھی کہتے

جاتے ہیں کہ یہ باتیں اردو کی سلاست میں اشکال پیدا کرتی ہیں - آزاد کی زیر خط عبارت میں کچھ سمجھ نہ سکا غالباً اس سے استعارہ بالکنایہ مراد

ہے - یہ یاد رہے کہ کنایہ اور استعارہ بالکنایہ میں فرق ہے اگر لفظ یا جملہ غیر حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے مگر اس طرح کہ حقیقی معنی بھی مراد لئے

جاسکتے ہیں تو یہ کنایہ کہلائیگا اور اگر حقیقی معنی مراد نہیں لئے جاسکتے تو وہ استعارہ بالکنایہ ہوتا ہے جو ایک فرع تشبیہ کی ہے، بعض نقادوں

نے خصوصیات مومن کے ضمن میں مذرت اسلوب بیان اور شوخی ادا پر بھی زور دیا ہے -

ذیل میں کچھ مثالیں درج ہیں جن میں نزاکت نمایاں ہے۔

نزاکتِ تخیل

مومن قدرت کی طرف سے ایک نہایت زبردست بلند پرواز تخیل لاسے ہیں وہ اپنی خصوصی فضا میں اڑتے ہیں اور نہایت بلند اڑتے ہیں اور یہ اُن کا نہایت ہی اعلیٰ کمال ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اردو شاعری مومن کی نزاکتِ تخیل کی مثال نہیں پیش کر سکی۔ اب شاعری میں تخیل کا کیا درجہ ہے پہلے اسے متعین کر لیجئے پھر مومن کے کلام پر نظر ڈالئے۔ علامہ شبلی کی رائے ہے کہ ”اگرچہ محاکات اور تخیل شعر کے عنصر ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاعری دراصل تخیل کا نام ہے“ اب مومن کے کلام میں تخیل کی گلیاں دیکھئے۔

گروہاں بھی یہ خموشی اثر افغاں ہوگا
حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہوگا

اگر میرے نالوں کا یہی خاموش کن اثر رہا جس کے دور ہونے کی کوئی توقع نہیں تو حشر میں بھی کوئی میرا پرسان حال نہ نکلیگا۔ جس شخص کی ساری عمر نالہ و فریاد میں گئی ہو جس کا دنیا میں کوئی پر بھی پرسان حال نہ ہوا ہو وہ اگر یہ نہ سوچے کہ کل بھی حشر میں ہی ہونا ہے تو کیا کرے۔ زرا اس خموشی اثر افغاں کی وسیع المعنی ترکیب پر غور کیجئے ظاہری معنی کے سوا اس ٹکڑے سے یہ معنی بھی پیدا ہوتے ہیں کہ شعور فغاں نے سب آوازوں کو دبا دیا ہے۔ قاعدہ ہے کہ بلند آواز کے مقابل میں نیچی آواز خاموشی ہی کا حکم رکھتی ہے اور اگر یہ معنی نہ لئے جائیں تو سکوت و خاموشی کے الفاظ مہل ہو جائیں گے۔ مثلاً سکوت شب کو لے لیجئے دن کے شور و شغب کے مقابل میں رات ساکت ہی معلوم ہوتی ہے۔ میں بھی ان لوگوں میں ہوں جو شور و سکوت میں صرف کمیت کا فرق سمجھتے ہیں میں دونوں کی کیفیت میں فرق سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اب مومن کی تخیل کے کارنامے دیکھئے کہ اس نے شور فغاں سے شور و حشر کو دبا دیا ہے اور حشر کو دنیا کے پہلو پہلو لاکھڑا کیا ہے

ہنسے نہ غیر مجھے بزم سے اٹھانے پر
سبک ہے وہ جو تری طبع پر گراں نہ ہوا

مومن نے اس میں تضاد سے بہت فائدہ اٹھایا ہے جسکی مفصل بحث انشاء اللہ آئندہ صفحات میں آئیگی۔ شاعر کی خیال آرائی دیکھئے کہ اس نے اپنی رسوائی میں بھی منطق سے کام لیکر غیر کی سبکی کا پہلو نکال ہی لیا۔ مومن محفل سے نکالے گئے اس سے بڑی سبکی اور کیا ہو سکتی ہے غیر نے بھی یہی خیال کیا اور مومن کے رسوا کئے جانے پر خندہ کا زن ہوا لیکن زخم رسوائی پر اغیار کی نمک پاشی دیکھی نہ گئی اور بول اٹھے کہ میرے نکالے جانے پر غیر خندہ زن کیوں ہے۔ میں تو اسوہ بنے اٹھایا گیا کہ تیری طبع نازک پر بار ہوا وہ سبک ہونگے جی بھی تو تیری طبیعت پر بار نہیں گزرتا یہاں لفظ سبک سے فائدہ اٹھایا گیا جسکے ایک معنی تو ذلیل ہونے کے ہیں اور دوسرے گراں کی ضد۔ یہ مومن کا خاص انداز ہے کہ وہ کسی حالت میں اپنا فائدہ نہیں چھوڑتے۔ یہ تخیل کے کارنامے ہیں جو عزت کو ذلت اور ذلت کو عزت کر دکھاتے ہیں۔ اسی رنگ کا مومن کا دوسرا شعر ہے۔

یاد سہواً اسے اسے غیر ہے نسیاں عدا
یاد رکھ بھول گیا جسکو وہی یاد رہا

دیت میں روز جزا لے رہیں گے قاتل کو
ہمارا جان کے جانے میں بھی زیاں نہوا

سارا دیوان مومن کا نزاکت و رفعتِ تخیل سے بھرا ہوا ہے چند مثالیں اور ملاحظہ ہوں۔

یہ عذرا امتحاں جذب دل کیسا نکل آیا

میرا الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

عاشق فرط شوق سے مجبور ہو کر محبوب کی محفل میں جا پہنچا ہے اور محبت کے ثبوت میں میہ پیش کرتا ہے کہ اسکی الفت اسے وہاں کشاں کشاں لائی اگر محبوب کے دلیں بھی عاشق کی الفت ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اسکے ہاں نہ جانا اس سے عیاں ہے کہ انھیں اس سے کوئی تعلق نہیں یہ سن کر محبوب فوراً کہہ اٹھتا ہے کہ تمھاری دلیل بجا ہے اس کے کہ تمھارے لئے مفید ہو میری موید مقصد ہے تمھارا میرے ہاں یوں تیار ہو کر آنا میرے جذب دل کی قوت کا نتیجہ ہے اگر تم میں بھی یہ جذب کار فرما ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ میں تمھارے ہاں کھنچا کھنچا نہ چلا آتا اور کوئی وجہ بھی کہ اگر تمھارا جذبہ دل قوی تر نہ ہوتا تو مجھے اپنی طرف کھینچ نہ لیتا اگر یہ تمھارے جذب دل کی کمیت کا یہ امتحان تھا جس میں تم ناما کامیاب رہے اتنے بسوٹ مضمون کو مومن نے ایک شعر میں ادا کر کے کس خوبی سے دریا کو کوزے میں بند کیا ہے "یہ جناب غلام ربانی صاحب عزیز کا خیال ہے جن کا مضمون "کلام مومن پر اک نظر" کے عنوان سے سال گزشتہ نگار میں شائع ہو چکا ہے شعر کا مطلب مختصراً یہ ہے کہ عاشق محبوب سے اسکی بے نیازی کا شکوہ سنج ہوا۔ ادھر سے جواب ملا کہ میں اب تک تمھارے جذب دل کا امتحان کرتا تھا کہ اگر تمھارا جذبہ دل صادق ہے تو مجھے خود کھینچ بلائیگا۔

ہے وعدہ کافروں سے عذاب الیم کا

واعظ بتوں کو خلد میں لیجا ئینگے کمیں

بت پرست کافروں کے لئے سخت سے سخت عذاب یہ ہے کہ بت ان سے جدا کر دیے جائیں۔ مومن کی شوخی اور ساتھ ہی ساتھ تخفیل کی بلندی دیکھئے کہ رہا ہے کہ اسے واعظ شاید بتوں کو جنت ملے گی کیونکہ کافروں سے عذاب الیم کا وعدہ ہے ایک کافر کے لئے ہجرت کے سوا اور کوئی مصیبت نہیں۔ اگر کافر اور بت دونوں دوزخ ہی میں ڈالے گئے تو یہ عذاب الیم نہ ہو اس سے زیادہ کافر اور کس چیز کا خواہاں ہو سکتا ہے۔ کافروں کو عذاب دینے کی ایک اور صنف ایک مورت ہے اور وہ یہی کہ انھیں کافروں سے علیحدہ کر کے جنت میں جگہ دی جائے۔

کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے

صبر وحشت اثر نہ ہو جائے

عموماً شعراء نے جب بلند پروازی کی تو زیادہ سے زیادہ یہ کر سکے کہ گھر کو صحرا بنا دیا۔ لیکن مومن نے اس پامال روش کو چھوڑ کر اپنے لئے دوسری راہ نکالی وہ صحرا کو گھر بنا رہے ہیں۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ صحرا پر مین نے قناعت تو کر لی ہے مگر اس کا خوف ہر وقت باقی ہے کہ کہیں صحرا بھی میری جنوں جو لانیوں کے لئے تنگ نہ ثابت ہو۔

نامہ بر راہ بر نہ ہو جائے

ریشک پیغام ہے غناں کش دل

اس ریشک کا کیا ٹھکانا جس نے نامہ بر کو راہ بر بنا دیا ہے۔ نامہ بر یا ر کو خط دیگا زبانی پیغام لئے گا مومن سے تو یہ دیکھا نہیں جاتا اور وہ بھی نامہ بر کے پیچھے پیچھے جانے کے لئے آمادہ ہے۔

دیکھو مت دیکھو کہ آئینہ

عش تمہیں دیکھ کر نہ ہو جاے

اس شعر میں بھی رشک کا پہلو ملاحظہ ہو کہ آئینہ اس آئینہ رکو دیکھ رہا ہے مومن یہ نہیں دیکھ سکتا۔ لہذا وہ کہتا ہے اللہ آئینہ مت دیکھو ڈرتا ہوں کہ کہیں تم خود آئینے کو دیکھ کر غش نہ ہو جاؤ اس شعر کے متعدد پہلوؤں پر نظر رکھیے۔ جمال یار کی تعریف کے لئے کتنا لطیف انداز بیان اختیار کیا ہے کہ آئینہ مت دیکھو کہیں تم اپنا جمال آئینہ میں دیکھ کر خود غش نہ ہو جاؤ۔ رشک کی وجہ سے عاشق یہ نہیں چاہتا کہ مطلوب آئینہ دیکھے لیکن صاف صاف کیونکر کرے لہذا ایسا انداز اختیار کرتا ہے جس میں بظاہر مطلوب کا فائدہ ہو اور درپردہ اپنا۔

میرے تغیر رنگ کو مت دیکھو

تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جاے

عاشق لاکھ اپنی مصیبتوں میں گرفتار ہو لیکن اس کے دل سے کبھی محبوب کا خیال جا نہیں سکتا۔ وہ اپنی مصیبتوں کو بھول جائے گا مگر مطلوب کو پریشان حال نہیں دیکھ سکتا۔ اس شعر میں مومن نے وہی اپنا مخصوص انداز بیان قائم رکھا ہے۔ جہاں تک تخیل کی نزاکت کا تعلق ہے مومن کا شعر یقیناً میر کے اس شعر سے بڑا ہوا ہے۔

میرے تغیر حال پر مت جا

اتفاقات ہیں زمانے کے

لیکن شعر میں ایک چیز تخیل و محاکات سے بھی بڑی ہوتی ہے جسکو میں نے ایک جگہ صحتِ متعالی سے تعبیر کیا ہے اس نے میر کے شعر کو مومن کے شعر سے کہیں بلند کر دیا ہے لیکن درد نے میر سے بھی اپنے شعر کو بلند کر دیا ہے

میرے تغیر حال پر مت جا

یون بھی اے مہربان ہوتا ہوں

مرزا غالب کا شعر بھی سن لیجئے

نظر لگے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو

یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

میرے خیال میں مومن کی نازک خیالی کہیں بڑھ ہی ہوئی ہے۔ شبلی نے لکھا ہے کہ غالب نے خسرو کے اس شعر پر ترقی ہے۔

جراحتِ جگر خستگاں چرمی چرسسی

زغمزہ پرس کہ اس شوخی از کجا آموخت

ہے ایک خلق کا خون سہ پہ اشکِ خون کے مرے

سکھائی طرز اُسے دامن اٹھا کے آنے کی

نازک خیال مومن اپنے انداز بیان کو کبھی ترک نہیں کرتا۔ حسن کو وہ ہمیشہ عشق کا رہین منت ثابت کرتا ہے۔ یہاں بھی دیکھئے۔ اشکِ خونیں کے ڈر سے وہ آتے بھی ہیں تو دامن اٹھاے ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک عالم اُن کی اس ادا کا شہید ہو گیا اور غریبوں کا خون میرے اشکِ خونیں یعنی میرے سر رہا۔

داغِ خون سے میرے وہ حیراں ہوا

دامن ابجھا ہے گل بے خار سے

شبلی نے شاعری کو محاکات اور تخیل کا مجموعہ کہا ہے۔ اس شعر میں تخیل لطف تشبیہ کی صورت میں جلوہ گر ہوئی ہے وہ اپنے دامن پر خون کے دھبے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ظاہر ہے کہ شعر کا مطلب صراحتاً ہے مگر تشبیہ نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اب دامنِ یار کی نزاکت دیکھئے کہ وہ گل بے خار سے بھی الجھتا ہے۔

ابو مرجانا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو
ضعف کے باعث کہاں دنیا سے اٹھتا چلے ہے
اس شعر میں مومن نے ضعف کی حد کر دی ہے۔ یہاں تک کہ شعر بے تاثیر ہو کر رہ گیا۔ لیکن اب بھی ایک طبقہ اس شعر پر سر دھننے کے لئے تیار ہے۔
خاک میں ملجائے یار بیکسی کی آبرو
غیر میری نعش کے ہمراہ دوتا جائے ہے
یہ مثالیں ناز کنخیالی کو تو ضرور ظاہر کرتی ہیں۔ مگر تفسیر نے شعر کو شعر نہ رکھا۔ آئندہ صفحات میں میں ان اثرات سے بحث کر دوں گا جنہوں نے مومن سے یہ شعر کھلوائے۔

ہے اعتماد مرے بخت خفتہ پر کیا کیا
کیا حسن تعلیل ہے۔
وگر نہ خواب کہاں چشمِ پاسبان کے لئے

دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہونگے
فلس ماہی کے گل شمع شبستاں ہونگے
اس مطلع میں مبالغہ حد درجہ کیا گیا ہے۔ یعنی جب ہم سوختہ ساماں خاک میں دفن ہوں گے تو فلس ماہی ہمارے لئے گل شمع شبستاں ہو جائیگی یعنی ہماری سوختہ بختی کے اثر سے وہ پھلی جو قدیم خیال کے موافق طبق زمین کے نیچے بالائے آب ہے اور حامل زمین ہے اس طور پر کہ پھلی گائے کو لئے ہوئے ہے اور گائے کے سینک پر طبق زمین ہے ملجائے گی۔ اور اس کے فلس گل شمع شبستاں کا کام دیں گے اور پھلی کی چسبہ کی شمع بھی بجی ہو۔ مومن کے اکثر اشعار میں بناوٹ ہے مگر بناوٹ بھی لازمہ شاعری ہے۔ کیونکہ اس کا دوسرا نام معنی آفرینی ہے۔ جب شاعری کو محض سادگی اور بول چال سے بڑھایا جائے گا تو ضرور ہی بلند پروازی کیجاے گی اور بلند پروازی کا مقصدنا وقت پسندی ہے۔ یہ ایک لکھنوی کی رائے ہے جن کا مضمون زمانہ سلاہ میں شائع ہوا ہے۔ دیکھئے ایسے اشعار کی بھی داد دینے والے لوگ موجود ہیں۔ زمانے کے اثر کو دیکھئے غالب کو بھی بعض مرتبہ ایسے ہی شعر کہنے پڑے۔

عرض کیجئے جو ہر اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

مومن کیوں پیچھے رہتے انہوں نے مذکورہ بالا مطلع لکھ مبالغے کی حد کر دی۔ رفعت تخیل اور نزاکت خیال کے تحت میں سچ پوچھیے تو غلطی مضامین۔ جدت ادا۔ اسلوب بیان وغیرہ سب کچھ آجاتا ہے۔ کیونکہ جب تک شاعر کی تخیل بڑھ ہی ہوئی نہ ہوگی وہ اسے بیان میں کیا خاک جدت دکھائے گا۔ نزاکت تخیل کا عہد ان آنا جامع ہے کہ مومن کے اکثر اشعار اس کے تحت میں آسکتے ہیں۔ یہاں اب میں مثلاً وہ اشعار درج کر دوں گا جن میں مومن کی تخیل نے علوے مضامین۔ جدت ادا یا ندرت اسلوب بیان سے کام لیا ہے۔ لیکن اشعار میں اگر آپ علوے بیان

جدت ادا یا ندرت اسلوب بیان کے تجسس ہیں تو ضرورت اس امر کی ہے کہ چند عنوان مقرر کر لیجئے اور دیکھئے کہ مومن نے ایک ایک معنوں کو کس طرح سے باندھا ہے۔ وصل۔ فراق۔ غم۔ ملال۔ رنج۔ قند۔ عداوت۔ حسد۔ رشک۔ اضطراب۔ بیتابی۔ بخوابی کے مفامین۔ بقول

شمس العلماء نواب امداد امام اثر مومن خاں خوب باندھتے ہیں ”حقیقت یہ ہے کہ مومن خاں نے جس قدر اسالیب بیان میں نزاکت و لطافت پیدا کر دی ہے وہ ان کی ذہانت اور جوالا فی طبیعت کی تماشا گاہ ہے۔“

وصل و فراق

یہ جوش دیاس تو دیکھو کہ اسنے قل کو قوت

کیا ملتا ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل

دعاے وصل نہ کی وقت تھا اثر کا سا

تم سے بیرحم پر مرنے سے تو آساں ہوگا

جمع متضاد میں مومن کو بد طولی حاصل ہے یہ بھی ان کی خصوصیات شاعری میں ہے۔ کہتے ہیں، یہ سب صحیح کہ ہجر میں زندگی مصیبت ہو جائے گی۔ لیکن ہر حال مرنے سے تو جینا آسان ہی ہے۔ لفظ ”مرنے“ سے کیا فائدہ اٹھایا ہے

آخر امید ہی سے چارہ حرام ہوگا

مرگ کی آس پہ جینا شب ہجراں ہوگا

اس انداز بیان کی کیا تعریف ہو سکتی ہے۔ موت کے خیال سے دل کو سمجھا کر شب ہجر کا ٹنایا ہی کیا کم تھا۔ موت کے لئے بھی ”امید کا شرمندہ احسان ہونا پڑتا ہے۔“ مومن نے اپنی انفرادیت اس نادر اسلوب بیان کرنے کے باوجود بھی باقی رکھی ہے۔ مومن کے اکثر شعروں میں آپ ہی جمع اضداد کی بات پائیں گے۔

زندگی ہجر بھی اک موت تھی

مرگ نے کیا کار میجا کیا

زندگی ہجر کا نقشہ اس سے زیادہ موثر طور پر اور کیا کھینچا جاسکتا ہے۔ زندگی ہجر کو مرگ مسلسل کھینچتی رہتی ہے۔ جب ہو چکا یقین کہ نہیں طاقت وصال

دم میں ہمارے وہ ستم ایجا دا گیا

دیکھئے ستم ایجا د نے کیا ستم ایجا د کیا ہے۔ خدا جانے اس ستم کے ایجا د کرنے کا سہرا مومن کے سر ہے یا ستم ایجا د کے سر

وعدہ و صلت سے دل ہوا دیا

تم سے دشمن کی مبارکباد کیا

تم سے دشمن کے وعدہ و صل کی حقیقت کوئی میرے دل سے پوچھے۔ میں ہی جانتا ہوں کہ وہ کہاں تک باعث مسرت ہو سکتا ہے

بجو دتھے غش تھے محو تھے دنیا کا غم نہ تھا

جینا وصال میں بھی تو مرنے سے کم نہ تھا

وصال و ہجر میں مومن ایسا شاعر کوئی فرق محسوس نہیں کر سکتا، ژرف بین نگاہیں جانتی ہیں کہ کیفیت میں دونوں ایک ہیں۔ یہی اس شعر میں ثابت کیا ہے۔

ہجر بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاش زہر

غم پر حرام خوار تو کل نہ ہو سکا

ہجر اور وصل کے معنوں کے لئے مومن نے جو جو اسلوب بیان اختیار کئے ہیں کم شعرا کے ہاں اتنی مثالیں مل سکتی ہیں۔ انداز بیان میں

اتنا تنوع مومن کے نازک خیال و ماغ کا سچ پوچھے تو معجزہ ہے۔

مرنا ہی مقدر تھا وہ آتے تو کیا ہوتا

ہم جان فدا کرتے گرد و عدہ وفا ہوتا

مومن کے طرز ادا میں ایک بات اور بھی ہے جس کو مولانا شبلی نے شعر العجم میں خصوصیات غالب میں بیان کیا ہے یہ صحیح ہے کہ مرزا غالب بھی ان کے ساتھ شریک ہیں مگر مومن کے یہاں یہ بات بہت نمایاں ہے کہ اکثر موقعوں پر ضمیمین کے بعض اجزا چھوڑ جاتے ہیں جس سے ایک خاص لطف پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ وہ موقعے ہوتے ہیں جہاں سننے والے کا ذہن خود بخود اس جز کی طرف منتقل ہو سکتا ہے اس شعر میں مومن نے اپنی اسی انداز سے کام لیا ہے اور نہایت حسن کے ساتھ ثابت کر دکھایا ہے کہ جمل ہو یا ہجر نتیجہ دونوں کا ایک ہے۔ ملاحظہ ہو ہم جان فدا کرتے گرد و عدہ وفا ہوتا۔ یعنی وعدہ وفا نہیں ہوا اور شب وعدہ شب وصل ہونے کے بجائے شب ہجر ہو گئی۔ لیکن بغرض محال اگر وعدہ وفا بھی ہوتا تو ہم اسپر جان فدا کرتے۔ دوسرا مصرع ملاحظہ ہو ”مرنا ہی مقدر تھا وہ آتے تو کیا ہوتا“ مرنا بہر حال قسمت میں لکھا تھا وہ آتے تو ہم ان پر اپنی جان قربان کرتے وہ نہیں آئے تو ہم غم سے مر گئے۔ مرنا ہر دو حال میں تھا۔ پھر نتیجہ کے لحاظ سے ان کا آنا اور نہ آنا دونوں برابر ہے۔

باہم تھی کس مرے کی لڑائی تمام شب

واں طعنہ تیرا رہا یہاں شکوہ زخم ریز

شب وصل کا نقشہ کتنا کامیاب کھنچا ہے۔ فارسی ترکیبوں نے شعر کو کتنا چست کر دیا ہے ان فارسی ترکیبوں کی استعمال کی وجہ بھی سن لیجے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے کیس دیکھا تھا کہ مومن اور غالب کا یہ خیال تھا اور صحیح خیال کہ غزل میں دو ایک شعر کے سوا زیادہ اچھے اشعار نکلنا مشکل ہے اسی حالت میں بہترین صورت ہے کہ فارسی کی عمدہ ترکیبوں کو استعمال کر کے بقیہ اشعار کی بندش چست کر دی جائے۔

کیا تو نے بھی کی تھی شب ہجراں کی شکایت

کسو اسطے اے شمع زباں کاٹتے ہیں لوگ

’بھی‘ کا لفظ رکھ کر کس انداز سے اپنی مصیبت کا ذکر کیا ہے۔

ہم سے وفا کے زندگی بے وفا عبث

امید وعدہ بھی تو نہیں روز ہجر میں

روز ہجر میں زندگی کا بلا سے جان ہونا کس انداز سے ادا کیا ہے۔

بذنام ہو جان میں تیری بلا عبث

اے روز حشر کچھ شب ہجراں بھی کم نہیں

مضمون کی بلندی دیکھئے اور اسپر انداز بیان۔ شب ہجراں کو روز حشر سے صرف کم نہیں کہا ہے لیکن اثر یہ پیدا کیا ہے کہ شب ہجر کا نمبر کچھ سے کہیں بڑا ہوا ہے۔

اے دعاے سحری منت تا شیر نہ کھینچ

ہم تو بچتے نہیں تا شام وہ آئے تو کیا

انتظارِ اثرِ نالہ سب گیر نہ کھینچ

روز غم کون بھلا ان کے ہوتا ہے شریک

کہتے تو ہیں بھلے کی دلیکن بری طرح

مرچک کہیں کہ تو غم ہجراں سے چھوٹ چلے

کتنا کامیاب انداز بیان ہے

کبخت دل کو چین نہیں ہے کسی طرح

نے تاب ہجریں ہے نہ آرام وصل میں

شوق وصال دیکھ کہ آیا عدو کے گھر
سوجھا نہ کچھ مجھے شب مہتاب دیکھ کر
تلاش مضمون دیکھیے۔ شب مہتاب تھی میں سمجھ گیا کہ وہ عدو کے گھر گئے ہونگے۔ برا ہو شوق وصال کا مجھے کہاں لگیا۔
محو حیرت کو وصال و ہجر دونوں ایک ہیں
بلبل تصویر کو کب یاد آتی ہے بہار
عاشق حیراں وصال و ہجر سے بلند ہے۔ وہ اپنے خیال ہی میں محو ہے۔ دیکھیے عشق کا کتنا بلند نظریہ پیش کیا ہے
جوں نقاب اٹھی مری آنکھوں پر پردہ پڑ گیا
کچھ نہ سوچا عالم اس پر پردہ نشیں کا دیکھ کر
منشی امیر احمد دینانی کا بھی ایک شعر سن لیجئے۔

نقاب اٹھی تو پردہ پڑ گیا آنکھوں پر حیرت کا

ترے مشتاق کو حسرت رہی دیدار کی تیرے

شاید یہ شعر مومن ہی کے شعر سے ماخوذ ہو۔ مومن نے پردہ نشین کے لفظ کو یہاں بھی نہ چھوڑا۔ لیکن اتنا تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس لفظ نے شری معنویت کو ترقی دیدی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کا معشوق اپنے دور کے مذاق کے خلاف صنف لطیف ہی کا ایک فرد ہوتا تھا۔ اسی ضرورت کو مدنظر رکھ کر مومن نے بار بار پردہ نشیں کے لفظ پر اتنا زور دیا ہے۔ رشک آفتاب۔ آفتاب حسن کے الفاظ ایسے ہیں جو ہر د و صنف کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں۔ لیکن پردہ نشیں کے لفظ نے مومن کے محبوب کو مختص کر دیا ہے۔ اردو شاعری پر جو یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس کا محبوب جنس قوی سے بھی ہوتا ہے وہ مومن پر وارد نہیں ہو سکتا غالب کی طرح مومن کا دیوان ایسے اشعار سے پاک ہے

یہ زمرہ بھی حریف دم افنی نہ ہوا (غالب)

سبزہ خط سے نزا کا کل سرکش نہ دبا

چارہ گردرد لا دوا ہے عشق

وصل میں احتمال شادی مرگ

اس شعر میں مومن ایک پورا جز و چھوڑ گئے ہیں۔ صرف ایک مقدمہ جس میں احتمال کا اختلاف ہو سکتا ہے اسے بیان کر دیا ہے اور دوسرے مقدمہ کی پروا کئے بغیر نتیجہ نکال دیا کہ چارہ گردرد لا دوا ہے عشق، یہ مسلم ہے کہ ہجریں عاشق کی جانبی ناممکن ہے۔ وصل کی بابت شاعر شادی مرگ کے قوی احتمال کو ظاہر کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عشق کی زندگی دو حال سے خالی نہ ہوگی یا وصل ہوگا یا ہجر۔ ہجریں مرنا مسلم۔

وصل میں جان کا جانا اغلب - پھر اگر درد عشق لادوانہیں ہے تو کیا ہے - یہ مومن کا مخصوص انداز بیان ہے -

کس توقع پر امید وصل اب طاقتِ صبر و شکیبائی نہیں

دہی وصل و ہجر کا مضمون ہے لیکن مومن نے ہر جگہ ایک نئے انداز سے باندھا ہے اور کس خوبصورتی کے ساتھ -

کیا رحم کھا کے غیر نے دی تھی دے وصل ظالم کہاں دگر نہ اثر میری آہ میں

اسلوب بیان اور جدتِ ادا کی اس سے بہتر مثال ملنا مشکل ہے ملاحظہ ہو کس انداز سے مومن محبوب سے اپنے ایامِ فراق کی مصیبتوں کو بیان کر گیا - وہ مصیبتیں کتنی سخت ہونگی جن کو دیکھ کر غریب کو بھی رحم آگیا ہو -

تانا پڑے خلل کہیں آپ کے خواب ناز میں میں نہیں چاہتا کہ اپنی شبِ دراز میں

کم عاشق دنیا میں پیدا ہوے ہوں گے جو اپنی شبِ ہجر کی درازی کے خواہاں ہوں - دیکھئے مومن نے درازی شبِ ہجر سے کیا بات پیدا کی ہے -

منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں اتنا رہا ہوں دور کہ ہجر اں کا غم نہیں

جس ہجر کے لئے ہجر عادتِ ثانیہ بن گئی ہو جس ہجر کیلئے وصل ستم ہو جاے خیال کیجئے اسکی ہجر کی مصیبتیں کیسی ہونگی - اس شعر کو غالب کے اس مشہور شعر سے موازنہ کیجئے -

ریح کا خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہر ریح مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

دونوں اشعار میں جو یقیناً ہم معنی ہیں دیکھئے رنگِ تغزل کہاں ہے - اور کس مقام پر شاعری خشک فلسفے سے علیحدہ ہوتی ہے -

کاہے سے فرق آگیا گردشِ روزگار میں

دن بھی دراز رات بھی کیوں ہے فراق یار میں

یہ شعر شج و تفسیر کی حدود سے بہت بلند ہے -

وہ دعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں

اے اجل کاش الٹ جائیں شبِ ہجر اں میں

خیال کی جدت قابلِ داد ہے -

مر جاؤں گرا ایک دم جدا ہوں

رہا اس سے ہے مثلِ شعلہ و شمع

چھوٹی بچوں میں دراصل مومن کا کمال نمایاں ہوتا ہے - حالتِ جدائی میں جس میں مرنا یقینی ہے اس وقت نظر انداز کر دیجئے صرف حالتِ وصل کو لیجئے - تشبیہ نے اس میں بھی عاشق کی بیقراری اور تمپش کا نقشہ کھینچ دیا ہے -

سینہ بھی چاک ہو نہ گیا ہو قبا کے ساتھ

آتی ہے بوسے داغِ شبِ تار ہجر میں

اس شعر پر ”زمانہ“ میں اے ز - لکھنوی نے لکھا تھا کہ اگر حزیں بھی زندہ ہوتے تو رشک کرتے -

تو کہاں جائیگی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے
ہم تو کل خواب عدم میں شب بھراں ہوں گے

ایک ناقد کا خیال ہے کہ مومن کی زبان نہایت پاکیزہ و شستہ ہے گو بعض نقاد ان فن کے یہاں ذوق کی زبان اپنے تمام معاصرین سے
سلیس اور لطیف سمجھی جاتی ہے۔ مگر میرے نزدیک مومن کی زبان اپنے معاصر سے کہیں زیادہ صاف ہے۔ محاورہ کی
آئینہ بھی کچھ کم پر لطف نہیں ہے۔ یہ مومن کی مشہور عام غزل کے مقطع کو چھوڑ کر سب سے زیادہ مشہور شعر ہے۔ ایک لطیف خیال جس لطیف انداز
سے ظاہر کیا گیا ہے صرف ذوق اُس سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ مومن اپنے کو خاتم العشاق سمجھتا ہے۔ لہذا ساری بلائیں ساری مصیبتیں
اس پر ختم تھیں مصیبت تو سب کا ساتھ دیتی ہے لیکن مصیبت کا ساتھ دینے والا عاشق کے سوا کوئی نہیں ملتا۔ اس انداز بیان کو دیکھیے کہ مومن
کو اب اپنی فکر کے بجائے شب بھراں کی فکر لگی ہوئی ہے۔ غالب نے بھی اسی مضمون کو صرف موزوں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔
اے ہے بیکسی عشق پر رونا غالب
کس کے گھر جائیگا سیلاب فنا میرے بعد

غالب وہ سلاست نہ پیدا کر سکے جو مومن کے اشعار میں پائی جاتی ہے۔ علاوہ بریں انداز بیان کے فرق نے شعر میں زمیں و آسمان کا فرق
پیدا کر دیا۔

یہ مزا ہونہ نصیبوں میں کسی مجس کے

لذت مرگ سے ہجراں میں دعا ہو کہ خدا

مجس لذت مرگ سے کیا خاک لطف اندوز ہو سکتا ہے اسے مومن ہی کے لئے مخصوص ہونا چاہئے۔ فیش کو نوش بنانا شاعر کے بائیں ہاتھ کا کھیل
ہے۔ مومن کی تخیل کو دیکھیے کہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عدد کو نہ کبھی ہجر کی مصیبت اٹھانا پڑے گی نہ اُس کے صدموں سے کبھی مرنا ہوگا۔ یہ شرن تو صرف عاشق
صادق کی قسمت میں لکھا ہے جب ہی ہونا ہے تو کیوں نہ مرگ کو شربت بنا کر اس طرح پیو کہ ایک بار تو رقیب کو بھی رشک ہو جائے یہ مومن کی دد پر داز
تخیل ہے جسکے متعلق غلام زبانی صاحب عزیز کا خیال ہے کہ ان بلندیوں پر غالب ایسے سدرہ نشین کے پر جلنے لگتے ہیں۔
مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں
پیہم سجد پاے صنم پر دم دداع

فارسی بندشوں سے شعر کو چیت کرنا مومن غالب اور اُن کے متبعین کا طرہ امتیاز ہے۔ مومن کی خصوصیات میں عام طور پر سب سے مشہور
خصوصیت تخلص کا نباہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مومن کا تخلص جو اُن کا نام بھی ہے اُن کے لئے بہت کچھ مفید ثابت ہوا۔ لیکن لفظ مومن کی
معنوی خصوصیت کو نظر انداز کر دیجئے یا مومن کی جگہ کوئی دوسرا ہمزون تخلص رکھ دیجئے اور پھر بھی اس مقطع کو دیکھیے تو اس کی لطافت میں کوئی
کمی نہ واقع ہوگی۔

مومن کے اکثر مقطع آپ ایسے ہی پائیں گے۔ اگر لفظ مومن ہٹا بھی دیا جائے تو کوئی معنوی نقصان نہیں پیدا ہو سکتا۔ یہ خیال میرے

نزدیک صحیح نہیں کہ مومن کا اپنے مقطعوں میں کامیاب ہونا صرف اس کے تخلص کی وجہ سے ہے۔ یہ درست ہے کہ لفظ مومن اختراع مضامین
کے لئے ایک بہادر ضرور ہو جاتا ہے لیکن جو معانی مومن پیدا کرتے ہیں وہ اُن کے تخلص کے لفظی رعایت سے بہت ارفع و اعلیٰ ہوتے ہیں۔

کیا سوچتا ہے تازہ ستم انتقام کو

یاں وصل ہے تلافی ہجران میں ایفلک

آسمان وصل کا بدلہ لینے کی فکر میں ہے - مومن کہتے ہیں بدر کس چپینکا لیکا یہ وصل سے ہجر کا تو خود بدلہ تھا۔

نکلی ہی جان جاتی ہے ہر ہراد کے ساتھ

یارب وصال یار میں کیونکر ہو زندگی

دصال یار میں یار کی جانگداز اداؤں نے ہجر اور وصل میں کم از کم مومن کے لئے کوئی فرق باقی نہ رکھا۔ مومن اپنے لئے وصل و ہجر کو بجاظ

نتیجہ یکساں سمجھتے ہیں۔ اُن کا بھی یہی فلسفہ ہے۔

کتنی ہی طاقت آزمائی کی

نہ کٹی ہم سے شب جدائی کی

کنا یہ تھا کہ شب ہجر میں ہم بچ نہ سکے لیکن انداز بیان نے اس پامال اور فرسودہ مضمون میں جان ڈال دی

شب فراق میں کیا بیم رزگار مجھے

امید مرگ پہ ہرقتہ راحت جاں ہے

خوف مرگ کے بجائے امید مرگ پر زندگی بسر کرنے والوں کے لئے اگر ہرقتہ راحت جاں نہ ہوگا تو کیا ہوگا۔ غالب کا ایک شہر شعر ہے۔

ناامیدی اس کی دیکھا چاہئے

منحصر مرنے پہ جو جس کی امید

غالب نے اس شعر میں جتنے معنی پیدا کئے ہیں مومن نے اس سے زیادہ ہی صرف "امید مرگ" کے ٹکڑے سے پیدا کر دئے ہیں۔ غالب کے

ہاں دوسرا مصرع بالکل زائد ہے۔ چونکہ خیال میں وہ کوئی وسعت نہ پیدا کر سکے لہذا دوسرے مصرع میں پہلے مصرع سے جو خیال پیدا ہوتا ہے

صرف اس کی تفسیر کرنے پر اکتفا کی پہلا مصرع دیکھئے۔ منحصر مرنے پہ جو جسکی امید، جسکی امیدوں کا انحصار مرنے پر ہوتا ہے کہ اسکی ناامیدی

کیا ہوگی۔ لیکن دوسرا مصرع جو بدیہی ہے محض بیکار ہوا اور وہ پہلے مصرع کو مطلق ترقی نہ دیکھتا اس کے معنی پر کوئی اضافہ کر سکا۔ اب

مومن کے "امید مرگ" کے ٹکڑے کو لیجئے دنیا اور اہل دنیا کے لئے بیم مرگ ہے مگر عاشق کے لئے امید مرگ، مومن جسوقت شاہراہ عام سے

علحدہ ہوا ہے یعنی جسوقت بیم مرگ کے بجائے اس نے امید مرگ لکھا ہے وہیں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص کی کیا حالت ہوگی جسکے

لئے مرگ بیم کے بجائے امید ہو جائے۔ غالب نے دوسری ٹھوکریہ کھائی ہے کہ اُن کی نظر قشام PESSIMISTIC ہو کر رہ گئی اور

مومن نے وہی بات کہی ہے مگر انداز بیان متبادل OPTIMISTIC ہے غالب اتنا ناامیدی کا نقشہ کھینچتے ہیں اور مومن کمال امیداری

کا منظر دکھاتے ہیں۔ تنقید کے اس جزو کو میں مومن کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں جس میں مومن کا پورا رنگ موجود ہے۔

سخن بہانہ ہوا مرگ ناگماں کے لئے

دعا بلا تھی شب غم سکون جاں کیلئے

مومن کے علوئے تخیل کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض اشعار میں تعقید پیدا ہو گئی۔ لیکن پھر بھی ایسے اشعار کی اُن کے کلیات میں کمی نہیں ہے

جن کی زبان سے آج بھی ہم پوری طرح لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ شاید مومن کے ایسے ہی اشعار کو دیکھ کر ایک ناقد نے یہ فیصلہ کر لیا

کہ اُن کی زبان ذوق سے بہتر ہے۔ بعض اشعار میں فارسی ترکیبوں نے بندش کو اس قدر چست کر دیا ہے کہ شعر کڑی کمان کا تیر، معلوم ہوتا ہے۔ یہاں پر مومن کے

زبان

کچھ ایسے اشعار میں نقل کروں گا جنکی فصاحت اور سلاست مسلم ہے۔ بعض پوری پوری غزلیں زبان کی خوبیوں سے آراستہ ہیں۔
اس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا ذلیل
میں کو چہ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

سجدے کے تسلسل کے اظہار کے لئے 'سر کے بل' چلنے سے بہتر انداز بیان اختیار نہیں کیا جاسکتا۔

درد ہے جاں کے عوض ہر رگ دیے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا
درد کو جان ثابت کر دیا، لیکن شعر میں سلاست زبان کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ جب درد ہی جان ہے تو ظاہر درماں جان ہی لیکر جائے گا۔

آنکھ نہ لگنے سے سب احباب نے
آنکھ کے لگ جانے کا چرچا کیا

محاورہ ضرور باندھا ہے مگر استاذِ ذوق کی طرح شعر کو محض محاورے کی وجہ سے موزوں نہیں کیا ہے اس میں ایک معنویت ہے جو شعر سے جدا نہیں ہوتی جس کو جناب غلام زبانی صاحب عزیز نے یوں ظاہر کیا ہے۔

آنکھ نہ لگنا شب بیداری کے معنوں میں آتا ہے اور آنکھ کا لگ جانا محبت کرنے کے معنی دیتا ہے دونوں محاوروں کے بیساختہ استعمال نے
کتنا پر کیف مضمون پیدا کر دیا ہے۔

یوں بھی تو ہجر میں مجھے رنج و عذاب تھا

اتنا بھی غنیمت ہے مومن کا سنبھل جانا

دقتِ دداع بے سبب از ردہ کیوں ہو

دم لینے کی طاقت ہے بیمار محبت میں

سلاست زبان کے ساتھ تاثیر شعر سے دستِ دگریبان ہے۔

سینے پہ ہاتھ دھرتے ہی کچھ دم پہن گئی

اللہ رے ناتوانی جب شدتِ قلق میں

ہجر بتاں میں تھکے ہوئے مومن تلاشِ نہر

آپ کی کونسی بڑی عزت

رات دن بادہ و صہنم مومن

تم ہمارے کسی طرح نہوے

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا

ایک ایک ادا سو سودیتی ہے جوابِ اسکے

ہے یہ بندہ ہی بیوفہ صاحب

کیوں اُلجھتے ہو جنبشِ لب سے

لو جان کا عذاب ہوا دل کا تھا منا

بالیں سے سر اٹھایا دیوار تک نہ پہنچا

غم پر حرامِ خوار تو کل نہ ہو سکا

میں اگر بزم میں ذلیل ہوا

کچھ تو پرہیزگار ہونا تھا

در نہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

کیونکر لبِ قاصد سے پیغام ادا ہوتا

غیر اور تم بھلے بھلا صاحب

خیر ہے میں نے کیا کہا صاحب

مطلع کا طنز یہ انداز ملاحظہ ہو۔ دوسرے شعر میں زبان کو لئے ہوئے کتنا صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ اگر آپ نے کسی کو جنبش لب سے الجھتے دیکھا ہوگا تو یقیناً اس شعر سے محفوظ ہوں گے۔ میرے خیال میں اس حالت کے ظاہر کرنے کے لئے جنبش لب سے الجھنا بالکل نئی تعبیر ہے

کیوں لگے دینے خط آزادی
کچھ گنہ بھی غلام کا صاحب
ستم آزار غلام جو رجعت
جو کیا سو بھلا کیا صاحب
کس پہ بگڑے تھے کس پہ غصہ تھا
رات تم کس پہ تھے خفا صاحب
کس کو دیتے تھے گالیاں لاکھوں
کس کا شب ذکر خیر تھا صاحب
نام عشق بتاں نہ لو مومن
کیجے بس خدا خدا صاحب

دیکھیے غزل کی غزل لطف زبان میں ڈوبی ہوئی ہے اور ایک طرح کا طنز ہے جو ساری غزل میں ساری ہے لیکن مومن نے محض لطف زبان کے لئے معنویت کو کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

اے روزِ حشر کچھ شبِ ہجران بھی کم نہیں
بدنام ہو جان میں تیری بلا عیث
اس شعر میں مومن نے شاعرانہ کمال کی انتہا کر دی ہے۔ مصرعہ اولیٰ پھر ملاحظہ ہو۔ اے روزِ حشر کچھ شبِ ہجران بھی کم نہیں، شاعر نے یہ تو فردر کمد یا شبِ ہجران روزِ حشر سے کم نہیں لیکن یہ نہ بتایا کہ کس چیز میں۔ مصرع میں اسکا کہیں ذکر نہیں اور یہی شاعر کا کمال ہے کہ اس نے مقابلہ کسی ایک پہلو کو مخصوص کر کے محدود نہیں کر دیا ہے۔ بلکہ تعمیر سے یہ فائدہ اٹھایا ہے کہ بغیر اظہارِ مصرع سے یہ بات ثابت ہے کہ اے روزِ حشر شبِ ہجران تجھ سے کم نہیں۔ لہذا بدنام ہو جان میں تیری بلا عیث،

نے تابِ ہجر میں ہے نہ آرام و صل میں
کیمتِ دل کو چین نہیں ہے کسی طرح
کیا دیکھ دیکھے عشق میں کیا کیا نہ پائے داغ
زخموں پہ زخم جھیلے ہیں داغوں پہ کھائے داغ
جانے دے چارہ گر شبِ ہجران میں مت بلا
وہ کیوں شریک ہوں مرے حالِ تباہ میں
بے جرم پائمالِ عدو کو کیا کیا
مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

محبوب عاشق سے اپنی دفا جتانے کو کہتا ہے کہ میں نے تمہارے عدو کو بے جرم پائمال کیا مجھے تمہاری خاطر اتنا مد نظر تھی۔ اب عاشق کا جواب سنئے۔ بے جرم پائمالِ عدو کو کیا کیا۔ مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں۔ تم نے عدو کو بے جرم پائمال کیا، کیا ہوگا ضرور کیا ہوگا۔ لیکن تمہارے سر کی قسم مجھے اسکا مطلق خیال نہیں۔ اللہ اکبر اب کہ عاشق کی بن آئی ہے عدو کو وہ اتنا حقیر سمجھ رہا ہے کہ اسکی پائمالی کو وہ کوئی اہمیت نہیں دے رہا ہے۔ یہ صرف انداز بیان ہے جس نے اتنے بڑے معنوں کو دو مصرعوں میں نہایت صفائی کے ساتھ ادا کر دیا ہے

کیسے لگے رقیب کے کیا طعن اقسرا
تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

عاشق اپنے محبوب سے جو ایک عرصے کے بعد اس کے پاس آیا ہے شکوہ کرتا ہے کہ اب تم نے میرے یہاں آنا ہی بند کر دیا ہے۔
دو جواب دیتا ہے کیا کروں مجبور ہوں اقربا طے دیتے ہیں تمہارے رقیب آوازے کستے ہیں آؤں تو کیونکر آؤں۔ عاشق یہ شکر جواب دیتا ہے۔

کیسے گئے رقیب کے کیا طعن اقربا
تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں
محتسب و ہم ہے تو پہلے بھلا دیکھ مجھے
نہ لٹھ چا پی لے مے ناب زہر آب نہیں

مصرع آخری چار جملوں سے مرکب ہے میرا خیال ہے کہ اس بحر میں ایک مصرع میں چار سے زیادہ مربوط جملوں کا استعمال کرنا آسان کام نہیں۔ مومن کو زبان پر جو قدرت حاصل ہے اسکا یہ ایک اچھا نمونہ ہے۔

ہر ذرہ میری خاک کا برباد ہو چکا
بس اسے خرام ناز کہ تا ب تو ان نہیں
مومن تم اور عشق بتاں لے بندہ پرور خیر ہے
یہ ذکر اور منہ آپ کا صاحب خدا کا نام لو
عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن
آخری عمر میں کیا خاک مسماں ہوں گے
در بدر ناصیہ فرسائی سے کیا ہوتا ہے
دہی ہوتا ہے جو قسمت کا لکھا ہوتا ہے
ہمیں ہو چکے جب نہیں ہو چکی

مومن کی دلکش فارسی تراشوں اور نادر ترکیبوں کی تعریف آزاد کو بھی کرنا پڑی۔ مومن نے فارسی ترکیبوں سے کام لیکر کہیں شعر کی بندش کو چست کیا ہے کہیں ایک وسیع خیال فارسی کی نئی ترکیب سے ادا کیا ہے۔ چند مثالیں غالباً میسر اس خیال کو صحیح ثابت کرنے کیلئے کافی ہوں۔

گر وہاں بھی یہ خموشی اثر افغاں ہوگا
خموشی اثر افغاں - یعنی وہ فغاں جس کا اثر خموشی ہو۔
حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہوگا

شبم خراب مہر و کتاں سینہ چاک ماہ
دیکھئے فارسی ترکیبوں نے شعر کی بندش کو کتنا چست کر دیا ہے

لو اور بھی ستم زدہ روزگار ہیں

ہنگامہ بہار و ہجوم سحاب میں

عشرت عمر ابد قیمت غم دیتے ہیں

کعبے ہی میں ہوتی ہے بیودہ مہر اتنی

چرخ و زمیں میں تو بہ کاٹنا نہیں سزا

اہل بازار محبت کا بھی کیا سودا ہے

سجدہ نہ کہیں کرنا مومن قدم بت پر

بیودہ سری کی کیسی پیاری ترکیب مومن نے اختراع کی ہے۔

اچھا بھی کرے تو کچھ اچھا نہ کریں گے

بیمار اجل چارہ کو گر حضرت عیسیٰ

بیمار اجل چارہ کی ترکیب جسقدر وسیع مفہوم کو ظاہر کرتی ہے وہ ارباب ذوق سے پوشیدہ نہیں۔ مثنوی۔ قصائد۔ اور غزل میں مومن نے بہت سی نئی ترکیبیں ایجاد کی ہیں۔ مثلاً۔ خموشی اثر۔ اجل چارہ۔ آشوب گاہ حشر غم۔ جراحت زار۔ آمین سرا۔ زبان اجابت۔ بیودہ مرنال۔ دم خونابہ ریز۔ حادثہ ریز۔ زخم ریز۔ تیر بار۔ رند خمدہ کش۔ گرم پائی برق تپاں۔ زبان بیودہ سائل۔ گلرین لکھم۔ بے پردا خسرامی۔ حسرت فرماں روا۔ بخت بخواب آسودہ۔ عقوبت ربا۔ قدم فرسا۔ خواب تمنایاب۔ عشق حبلیت۔ زبوں اضطراب مصیبت بہرہ۔ قبول شوق دشواری پسند۔ رقیب آفرینیاں۔ میکدہ آشام۔ آہوے نیم خواب۔ جان نفقہ راز۔ نالہ خنہ ساند۔ اثرا ہتمام چشم ستارہ باز شوق ہرزہ کار وغیرہ۔ مثالیں طوالت کے اندیشہ سے نظر انداز کی جاتی ہیں۔

تشبیہات واستعارات | یہی وہ مقام ہے جہاں شاعر کے زور طبیعت کا پتہ چلتا ہے۔

کیا کیا شکن دیے ہیں دل زار کو مگر اس کے خیال میں ورق انتخاب تھا

بالکل اچھوتی تشبیہ ہے۔ لفظ شکن سے کیا کیا فائدے اٹھائے۔ اور دل زار کو شکن دینے کی کیا پیاری توجیہ کی ہے۔ ورق انتخاب کو عموماً موڑ دیا جاتا ہے۔ مومن کا دل اس بنا پر دکھایا جاتا ہے کہ وہ محبوب کی نظروں میں چڑھا ہوا ہے۔

کس کی زلفوں کا دھیان تھا کہ میں شب محو دود چراغ خانہ رہا

زلف کو دود چراغ کہنا کسی حیثیتوں سے پر لطف ہے۔ شبہ بہ اور شبہ میں ایک وجہ شبہ حرکت ہے۔ دوسری سیاہی۔ اور تیسری پریشانی پھر لطف یہ ہے دود چراغ کی ترکیب فوراً خیال کو چسراغ کی لڑکی طرف لیجاتی جس کے مقابل یہاں محبوب کا چہرہ ہے آتش آہ بے اثر سے میرے آسمان گلشن خلیل ہوا

تشبیہ کی جدت قابل داد ہے۔ آسمان کو کس خوبصورتی کے ساتھ گلشن خلیل ثابت کیا ہے

موسفیدی کے قریب اور ہے غفلت مومن نیند آتی ہے آرام دگر آخر شب

داں تو ہے زرد پوش بیاں میں ہوں زرد رنگ داں تیرے گھر بسنت ہیں یاں میرے گھر بسنت

لیکن تیری بسنت مستعار ہے اور میری بسنت اصلی ہے۔

داغ جدائی دردنداں وروے وزلف ہے اشک شمع شعلہ شمع دھاں شمع

کتنی مسلسل تشبیہ ہے۔

رابطہ اس سے ہو مثل شعلہ و شمع مرجاؤں گرا ایک دم جدا ہوں

اس تمثیل سے کس نے انداز سے یہ خیال ادا کیا ہے۔ کہ وصل میں جلنا قسمت میں لکھا ہے۔ اور ہجر میں مرنال۔

داغظ کے ذکر مہر قیامت کو کیا کہوں عالم شب وصال کی آنکھوں میں چھپا گئے

محبوب کے روئے انور کی تابش کو کس لطف سے بیان کیا ہے

محاکات کسی چیز یا حالت کی تعریف اس طرح بیان کرنا کہ اس شے کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جائے۔ محاکات کہلاتی ہے۔

رقیب کی رقابت۔ غم عشق وعدہ وصال۔ امید وفا وغیرہ سیکڑوں قسم کے واقعات ہیں۔ جو عاشق کو عشق میں پیش آتی ہیں۔ ان واردات کو شعر میں بیان کرنا کہ سننے والے کے دل میں وہی جذبات موجزن ہونے لگیں۔ شاعری کا بہت بڑا کارنامہ ہے، ورنہ رقابت شب ہجران کی مصیبت، عشق کی جانکاہی وعدہ وصال میں انتظار وغیرہ فی نفسہ کوئی ایسے واقعات نہیں جو کسی کو پیش نہ آتے ہوں۔ اس لئے ایک ہی چیز کا وقوع آنا عام ہو، اس میں کوئی جاذبیت نہیں پیدا ہو سکتی۔ مگر شاعر اپنے جوش بیان اور طرز ادا سے اسے ہر قدر لطیف اور پر کیف بنا دیتا ہے کہ اس کا لطف کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے سننے والے سننے اور سر دھنتے ہیں جس قدر شاعری کی تخیل زبردست ہوگی۔ اسی قدر اس کی شاعری کیف بار اور نشہ آذر ہوگی۔ محاکات کی مثالیں مومن کے کلام سے پیش کرنے سے پہلے ضرورت اس امر کی ہے کہ اگر محاکات اور تخیل میں کوئی فرق ہے تو اسے واضح کر دیا جائے۔ صاحب مرآۃ الشعر کی رائے ہے کہ شعر کی ایسی تقسیم نہیں کیجا سکتی کہ وہ حکائی ہو اور تخیلی نہ ہو یا تخیلی جو حکائی نہ ہو۔ غرض یہ ہے کہ محاکات کو ہم تخیل سے الگ نہیں کر سکتے شعر بہر حال تصویر معنوی ہے۔ میری رائے میں محاکات کی دو قسمیں کرنی چاہئیں ایک محاکات تصویر اور دوسرے محاکات تخیلی ہے۔ ظاہر ہے کہ محاکات تصویر میں صورتی پہلو غالب ہوگا اور محاکات تخیلی میں خیالی پہلو۔ اب مثالیں ملاحظہ ہوں۔

لگی ہچکی ہے سر زانوئے غم پر ہے کیا دایا
کسی کا ہاتھ ہر دم مارنا زانو پہ قہ قہ کر

کسی کو زانو پر ہاتھ مار کر مہنتے ہوئے کس نے نہ دیکھا ہوگا۔ یہاں بھی تشبیہ کا تسلسل دیکھئے ادھر وہ زانو پر ہاتھ مارتے ہیں یہاں زانوئے غم

پر سر ہے وہاں قہ قہ ہے یہاں ہچکی بند ہی ہوئی ہے

مخہ دیکھ دیکھ کے روتے ہیں کس بیکسی سے ہم

ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم

مومن نے بیکسی کی کتنی مکمل تصویر کھینچی ہے۔

تو اب یہ لوگوں کی باتیں سنا کرتے ہم

جو پہلے دن ہی سے دل کا کھانا کرتے ہم

تو دل پہ ہاتھ سدا دھریا کرتے ہم

اگر نہ ہاتھ میں اس دلربا کے دل دیتے

تو یوں خراب دپریشاں رہا کرتے ہم

اگر نہ دام میں زلفِ سیہ کے آ جاتے

تو بات بات میں مضطرب رہا کرتے ہم

اگر نہ لگتی چپ اس بدگماں کی شوخی سے

تو ددرے ددرے قلق سے پھر اٹھتے ہم

نہ جاتے اس بت ہر جا کی گلی میں اگر

تو اپنے مرنے کی ہر دم دعا کرتے ہم

اس آفتِ دل و جاں پر اگر نہ مر جاتے

نہ بھرتے دم جو کشتی سحرہ رد کی خواہش کا
 اگر نہ آنکھ تغافل شہار سے لگتی
 نہ ہوش کھوتے اگر اس پری کی باتوں پر
 اگر نہ ہنسنا ہنسنا کسی کا بھاجاتا
 اگر نہ دیکھتے وہ پیاری پیاری صورتِ آہ
 جو غم بتوں کا نہ ہوتا تری طرح مومن
 تو ٹھنڈی سانس ہمیشہ بھرا کرتے ہم
 تو بیٹھے بیٹھے یونی چونک بٹھا کرتے ہم
 تو آپ ہی آپ یہ باتیں کیا نکرتے ہم
 تو بات بات میں یوں رو دیا کرتے ہم
 تو ایک ایک کی صورت نکا کرتے ہم
 تو دیکھ چرخ کو ہم سے خدا نکرتے ہم

غزل کے دوسرے مصرعوں میں جو نقشہ کھینچا گیا وہ کس دلدادہ و شفقتہ حال پر صادق نہ آئے گا راہ عشق میں جن جن منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے انکا کماحقہ بیان اور کیا ہو سکتا ہے۔

کس کی خراب آنے کی کس لئے ہے یہ بتیانی
 کس لئے ہیں ہم ہر دم بھرتے آتے ہیں درجائیں
 شب وعدہ اپنی بیقراری کا کتنا موثر اور صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ کسی کے انتظار میں بتیانی کا اس طرح مظاہرہ بالکل فطری ہے۔
 دمبدم رونا ہمیں چاروں طرف تکنا ہمیں
 کیا کہیں عاشق ہوئے یا ہو گیا سودا ہمیں
 عاشق کی کتنی حسرت بھری تصویر کھینچی گئی ہے۔ ”دمبدم رونا ہمیں چاروں طرف تکنا ہمیں“

اپنی آواز قدم سے بھی وہ ڈر کر رات کو
 مرے کے پیچھے دیکھ لے تھا ہر قدم پر آپ کو
 شاعری بہر حال معنوی مصوری ہے، رات ہے۔ بہت ممکن ہے اندھیری ہو۔ وہ کہیں جانے کے لئے چھپ کر گھر سے نکلے ہیں
 قدم قدم پر خوف دامن گیر ہے کہیں کوئی دیکھتا نہ ہو، تنہائی ہے۔ اپنی آواز قدم سے بھی دوسروں کے پیروں کی آواز سنائی دیتی ہے اس تمام منظر کا
 ہو ہو نقشہ مومن نے اس میں کھینچ کر رکھ دیا ہے۔

وے اتفاق سے گرہم تو وفا جتانے کو دمبدم
 گلہ ملامت اقربا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 اس ایک شعر میں پوری حدیث شوق موجود ہے۔ آغاز محبت سے لیکر انجام محبت تک کی ساری سرگزشت اس ایک شعر میں رکھ دی گئی ہے۔ آغاز
 عشق کی سرگزشت سنئے۔ راز عشق افشا ہو چکا ہے۔ وہ چھپنے لگے ہیں بلکہ چھپائے جانے لگے ہیں اگر کبھی حسن اتفاق سے ملاقات ہو گئی تو پیشتر اس
 کہ عاشق اس کی شکایت کرے کہ اب تو آپ نے اپنی صورت دکھانا بھی چھوڑ دیا ہے وہ ملنے ہی بول اٹھتے ہیں ہم مجبور تھے تم سے نہ مل سکے کیا
 کریں اور ملامت کرتے ہیں۔ گھر گھر ہماری محبت کا چرچا رہتا ہے مطلب اس کہنے سے یہ ہوتا ہے کہ ہماری وفا اور محبت میں فرق نہیں آیا ہے عزیزوں
 کی ملامت سے جان مصیبت میں ہے ہمیں خود تم سے جلد جلد نہ ملنے کا افسوس ہے۔ اب انجام محبت کا بھی حال سن لیجئے۔ یا ایک وہ زمانہ تھا
 کہ اتفاقیہ ملاقات میں محض اظہار وفا کے لئے تم ملامت اقربا کا ہم سے گلہ کرتے تھے یا اب وہ دن آ گیا ہے کہ اب مجھے اس میں بھی شک ہے کہ

آیا تمہیں یہ باتیں یاد بھی ہیں یا نہیں۔ ساری غزل کی غزل حالیہ ہے سادگی اصلیت تاثیر اور تسلسل بیان ایک بار عہد الفت کے بھولے ہوئے افسانے کی یاد کم از کم ضرور تازہ کر سکتا ہے۔ اسی غزل کے چند شعر اور ملاحظہ ہوں۔

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہمت تھی بھی ابھی
سو نباہنے کا تو ذکر کیا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
جسے اب گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے با وفا
میں وہی ہوں مومن مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

یہ ہے سرگزشتِ بلاکشانِ محبت۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مصور کا قلم رک جاتا ہے اور شاعر کی دنیا شروع ہوتی ہے۔

گلہ ہرزہ گردی کا بجائے تھا کچھ
وہ کیوں مسکرائے بھلکتے کتے

میں نے ہرزہ گردی کا جب شکوہ کیا تو انھوں نے مسکرا کر فرمایا جی ہاں بجا ہے۔ یہ بجا کا طنز یہ استعمال ہے اور اس پر تبسم اور بھی قیامت ہو گیا یہاں مومن کی قوت مشاہدہ اور قوت بیان یہ کو دیکھئے۔ آپ نے بھی دیکھا کہ آپ نے جائز شکایت کی اور وہ بجا ہے کہ کرتال دی گئی۔ بجا ہے کے متعدد پہلو ہوتے ہیں۔ ایک تو اس طرزِ اقرار میں اقرار کی ندامت نہیں باقی رہتی دوسرے انکار کا بھی پہلو نکلتا ہے تیسرا قوی پہلو طنز ہے مومن نے قیامت یہ کی ہے کہ اسپر مسکرا ہٹ بھی زیادہ کر دی یہاں سے اس دنیا کی سرحد شروع ہوتی ہے جہاں سے مومن نے دنیا سے الگ ہو کر اپنی دنیا بسائی ہے اور اسی بساط پر مومن کو مس لمن الملکی بجاتے ہیں۔

خصوصیات مومن

مومن کے کلام میں ایک مخصوص وصف ہے جس میں کوئی استاد ان سے بہتر تو درکنار ان کے برابر بھی نہ ہو سکا وہ یہ کہ مومن اپنے مطلب کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ مخاطب اس میں اپنا فائدہ تصور کرتا ہے مثلاً یہ کہنا ہے

کہ دشمن کی طرف نہ دیکھو تو اس کے لئے یہ انداز اختیار کرتے ہیں :-

ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمھاری نگاہ میں

اب بخیال دوستی دشمن محبوب مجبور ہے کہ وہ غیر کی طرف نہ دیکھے۔ محبوب پر ثابت کیا ہے کہ تمھارے نہ دیکھنے سے دشمن کا فائدہ ہے اور فائدہ اپنا متصور ہے :-

سرگیں آنکھوں سے تم نامہ لگاتے کیوں
خاک میں نام کو دشمن کے ملائے کیوں

محبوب کو اور کس طرح رقیب کے خط کی تکریم کرنے سے روکا جاسکتا ہے۔

منظور ہو تو وصل سے بڑھ کر ستم نہیں
انسا رہا ہوا دور کہ ہجران کا غم نہیں

یوں کہنے سے کون سنتا ہے کہ آئے مجھ سے مل جائے۔ لہذا یہ کہا کہ ہجر کے صدمے اٹھاتے اٹھاتے عادت سی پڑ گئی ہے۔ تم سنگرمیوں میں تمہیں صلاح نیک دیتا ہو اب تو تم مجھ پر صرف یوں ہی ستم کر سکتے ہو کہ کبھی آن کر مل جاؤ لیکن سچ تو یہ ہے کہ یہ شعر محض شوخی ادا کا

کارنامہ نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مومن نے ہجرت میں اتنے دن کاٹے ہیں کہ وہ عادتِ ثانیہ بن گئی ہے اور ہجر کے نشتر میں وہ خلش نہیں رہ گئی
اگر تم ستم ہی کے خوگر ہو تو ایسی حالت میں وصل سے بڑھکر اور کیا ستم ہو سکتا ہے لیکن یہ بھی تمہاری پسند پر موقوف ہے۔ منظور ہو تو وصل
سے بڑھکر ستم نہیں، دہنہ میں تو وصل ہجر کے جھگڑوں سے دوزخ مل گیا ہوں

خواہش مرگ ہوتا نہ سستا نہ در نہ
دل میں پھر تیرے سوا اور بھی راں ہو گا

گویا مومن خاں محبوب کو جو رجحان سے باز آنے کی صلاح دیکر خود اسی پر احسان کر رہے ہیں۔ دیکھئے محبوب سے کہنے اور استدعا کرنے کا کتنا لطیف انداز بیان اختیار کیا ہے۔ دلی زبان سے شکوہ جو بھی کرتے جاتے ہیں کہیں کہیں اس داستان کے پردے میں عرض و فاکے بھی افسانے سنائے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ تقاضائے کرم بھی کرتے جاتے ہیں۔ سب کچھ کہتے جاتے ہیں مگر فائدہ اسی دشمن چال کا منظر ہے شعر ایک بار پھر پڑھ لیجئے :-

خواہش مرگ ہوتا تھا نہ سستا فائدہ نہ دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا

بہت سنا چکے لاشہ اتنا نہ سناؤ کہ میرے دل میں مرنے کی آرزو پیدا ہو جائے۔ جیسا کہ باز آؤ ورنہ نتیجہ یہ ہونا ہے کہ جس دل میں اب تک
مٹھاری آرزو بسی ہوئی ہے اسی دل میں موت کی آرزو بھی ہوگی جسے میں نہیں دیکھ سکتا شعر کا بلند پہلو یہ ہے کہ جو ردسم کی عاشق شکایت
ضرد کرتا ہے لیکن نہ اس لئے کہ اُسے تکلیف ہوتی ہے، بلکہ صرف اس خوف سے کہ کہیں دل میں دوسری آرزو (موت) کی نہ پیدا ہو جائے۔
یعنی شعر کا ایک سطحی پہلو تو وہی ہے کہ مومن اپنا فائدہ چاہتا ہے لیکن اس کے حصول کی صرف یہی صورت ہے کہ جس سے وہ اپنا فائدہ چاہتا
اُس کو کوئی ایسا پہلو دکھائی دے جس میں اسی کا فائدہ چھلکتا ہو۔ لیکن یہ خود غرضی ہے اور دنیا کے عاشقی میں جائز نہیں۔ بلند معیار
عاشقی یہ ہے کہ اپنی جان جاتی ہے تو جائے لیکن دل میں غیر کا خیال نہ آئے۔ پائے۔ مومن نے اس پہلو کو ترک نہیں کیا ہے۔
بہت تم نے ستایا، شوق سے سناؤ، لیکن اتنا نہیں کہ موت کی تمنا بھی دل میں پیدا ہو جائے۔ شکوہ جو ردسم تقاضاے کرم عرض دفا، ایک
سائنس میں مومن ساری داستان عشق ختم کر گئے۔

غیروں پہ کھل نہ جا کے کہیں راز دیکھنا میری طرف بھی غمزہ غماز دیکھنا
 بزم میں اگر آپ نے سب کی طرف دیکھا اور صرف مجھ سے تجاہل برتا تو، لامحالہ اغیار یہی نتیجہ نکالیں گے کہ آپ کو مجھ سے کوئی نہ کوئی خصوصیت
 ضرور ہے، بہتر یہی ہے کہ میری طرف بھی اک نگاہ غلط انداز ڈال لیجئے:-

شعلہ دل کو ناز تابش ہے

یہ بلند پروازی تنہا مومن کے حصے میں آئی تھی۔ بقول میرے ایک دوست کے جب میں اس شعر کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں تو کثرت معنی سے میرا دم گھٹنے لگتا ہے، اور گجرا کر شعر بھول جانے کی ناکام کوشش کرتا ہوں۔ ملاقات کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی

اور آتش چہرے دل دجلہ کو بھونک رکھا ہے۔ عاشق محبوب کے مزاج سے واقف ہے اسے معلوم ہے کہ محبوب کو دعویٰ یکتائی ہے۔ دیکھئے ملاقات کی کیا پیاری صورت نکالی ہے کتنا ہے شعلہ دل کو اپنی تابش پر ناز ہو چلا ہے خدا ما آؤ اور اپنا جلوہ تو دکھا جاؤ یہ تو وہی مومن کا مخصوص انداز بیان ہے۔ اب زرا شعر کی وسعت پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔ کتنا ہے جو آگ تم نے لگائی تھی وہی آج بلند ہو ہو کر تمھاری تجلی پر چٹمک زنی کر رہی ہے تمھارے ہجر میں بھی وہ اثر ہے کہ وہ شعلہ دل میں اتنی تابش پیدا کر سکتا ہے

محفل میں تم اغیار کو زردیدہ نظر سے منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو

محبوب جب کبھی اغیار کو زردیدہ نظر سے دیکھتا ہے تو عاشق کو تکلیف ہوتی ہے مگر یہ تکلیف در کیونکر ہو عاشق کو یہ تدبیر سوچی کتنا ہے آپ اگر داز عشق کو ظاہر ہی کرنے پر تلے ہیں تو محفل اغیار کو زردیدہ نظر سے دیکھئے اور ضرور دیکھئے

شام سے تا صبح مضطرب صبح سو تا شام ہم ایک عالم میں ہیں کیوں گردش ایام ہم

کیوں اے گردش ایام کیا اسی کا نام گردش ہے کہ ہم اب تک اسی عالم اضطراب میں ہیں

لذت جو رکنی نے مجھے شرمندہ کیا طعنے کیا کیا اد سے ارباب تم دیر ہیں

یعنی اب مجھ پر ستم کرنے کی صرن ہی ایک صورت رہ گئی ہے کہ وہ ترک ستم کرے۔

گر ذکر دفا سے یہی غصہ ہے تو ابے گو قتل کا وعدہ ہو تقاضا کریں گے

تقاضا نہ کرنے کے لئے صرف وعدہ قتل کو تجویز کیا ہے۔ اپنا مطلب ہر حال میں حاصل ہے۔

میرے سینے پر قدم زور سومت رکھ اے ظالم ہاں نہ چھب جائیں کف پامیں کہیں دلگذا

اس شعر کی بندش بھی ملاحظہ فرمائیے۔ یہاں مومن کا کمال فن اپنے انتہائے کمال تک پہنچ گیا ہے پہلا مصرع ہے میرے سینے پر قدم زور سے

سومت رکھ ظالم کیونکہ مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ اس شعر کی تحلیل نفسی کیجئے ممکن ہے اس کے بعد مومن کے کمال کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ موقع یہ ہے کہ

عاشق محبوب کو جو رجحان سے باز رکھنا چاہتا ہے جس کی صرن ایک صورت اس کے ذہن میں آتی ہے یعنی یہ کہ کوئی ایسی تدبیر نکالے جس میں ظاہر

یا حقیقتاً محبوب کا فائدہ بھی مد نظر رہے اب اس تعمیم کو تخصیص سے بدل دیجئے اور صورت حال یہ پیش نظر رکھئے کہ عاشق کے سینے پر

محبوب کا قدم ہے اور اسے تکلیف ہو رہی ہے۔ لہذا یہ ضروری ہو گیا کہ کوئی تدبیر ایسی کی جائے جس سے یہ تکلیف رفع ہو سکے۔ عاشق نے سوچا کہ

اگر یہ کہا جائے کہ میرے سینے پر قدم زور سے سومت رکھ تو وہ کیوں ماننے لگا لہذا یہ کہا جائے کہ اگر تم نے میرے سینے پر زور سے قدم رکھا تو

ڈر ہے کہ میرے دل کے خار تیرے پائے نازک میں چھب نہ جائیں۔ چونکہ یہ موثر صورت تھی اس نے یہی آخری صورت اختیار کرنے کا ارادہ

کیا موقعہ کی نزاکت کا یہ خیال ہے کہ سینہ پاؤں کے نیچے دبا ہوا ہے کہنا چاہتا ہے کہ میرے سینے پر زور سے قدم سومت رکھو ورنہ خوف ہے

کہ میرے دل کے خار تیرے کف پامیں چھب جائیں۔ ظاہر ہے کہ دوسری صورت محض مقصد براری کے لئے نکالی گئی ہے گھبراہٹ میں عاشق

سچ ہے کہ تو عدد سے خفا ہے سبب ہوا! ظاہر ہے کہ اس کہنے سے وہ یہ مفہوم لے رہا ہے کہ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ تو عدد سے بے سبب خفا ہوا! لیکن طنز کا سٹیج پہلو ہے۔ اب نہ راغور کیجئے کہ اگر شاعر جو کہہ رہا ہے اُس کو محسوس بھی کر رہا ہے اور اس سے وہی مطلب لیتا ہے جو کہہ رہا ہے نہ کہ اس کا برعکس تو اس کے کلام کے طنز کا کیا ٹھکانا۔ میں دوسری مثال سے اپنے مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش کروں گا (Stanza) کے نام سے کم انگریزی داں حضرت ہوں گے جو نادانف ہوں گے جس ماحول میں اس کی زندگی بسر ہوئی اس کا تقاضا تھا کہ وہ طنز مجسم ہو کر رہ جائے ملک میں قحط و افلاس کا درد دورہ ہے بوڑھے بچے جو ان فلتے کے ہاتھوں مر رہے ہیں سلطنت اس پریشانی کو دور کرنے کی ہر طرح ساعی ہے۔ لیکن کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی سو فٹ کی زندگی ان ایام میں بھی جب خوشحال تھا تنگ دستی کے ساتھ بسر ہو رہی تھی اب کہ ملک میں قیامت برپا تھی اس کا ٹون پر سان حال تھا۔ سلطنت کی تدابیر حسب اس صورت حال کو بدلنے سے ناکامیاب رہی تو سو فٹ نے بھی تنگ آکر ایک قیامت خیز تجویز پیش کی اور اس کا عنوان (a modest proposal) تجویز کیا تجویز میں کیا تھا۔ آپ سننے کی تاب نہ لاسکیں گے۔ اس نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ غریب والدین کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو حلال کر دیا جائے اس کی رائے تھی کہ ان کی رانوں کا کباب نہایت عمدہ ہوگا۔ سینہ تو رختے کے لئے بہت موزوں ہے۔ اس تجویز کا فائدہ یہ دکھایا تھا کہ ان بچوں کو حلال کرنے سے ان کے والدین کو ایک بڑی مصیبت اور نکلے نجات مل جائیگی یہ لڑکے جو غذا اکھاتے وہ بچ جائیگی۔ اور خود ان لڑکوں کا گوشت امیروں کی دسترخوان کی رونق ہوگا۔ یعنی اس تجویز پر عمل کرنے سے ایک تو ملک کی کافی غذا بچ جائیگی اور دوسرے اکا گوشت خود غذا کا کام دے گا۔ اس تجویز کے طنز یہ پہلو کو نظر انداز کیجئے اور غور کیجئے کہ ایک شخص دنیا کا ستایا ہوا زندگی کی آسائشوں سے محروم جلتے ہوئے مگر صدق دل سے یہ تجویز پیش کرتا ہے تو کیا آپ اسے محض طنز کہہ کر نظر انداز کر دیں گے جن لوگوں نے سو فٹ کی زندگی پر بامعان نظر ڈالی ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ سو فٹ کی یہ تجویز مذاق نہ تھی بلکہ وہ دراصل اسے محسوس کرتا تھا کہ یہی ایک حل اس مشکل کا ممکن ہے اب اپنے شاعروں کو دیکھئے جو دن رات جو آسمان اور معشوق کا گلہ کرتے رہتے ہیں اگر وہ سچے دل سے گلہ کرتے ہیں تو وہ طنز نہیں بول سکتے جو صداقت سے خالی ہو۔ مومن نے دنیا کے عشق و محبت میں جو مصیبتیں چھیلی ہیں جتنا نقشہ ہمیں انکی آپ بیتی مثنویوں میں نظر آتا ہے کم از کم مجھے تو ضرور مجبور کرتا ہے کہ میں اُن کے طنز یہ کلام کو محض طعن و تشنیع کہہ کر مثال نددوں بلکہ اس تلخ حقیقت پر غور کروں جو ان طنز یہ اشعار کے لفظ لفظ میں ساری ہے۔ شعر کے دوسرے مصرعے میں مومن نے محبوب کے میان کو بلا اضافہ الفاظ دہرایا ہے۔ سچ ہے کہ تو عدد سے خفا ہے ہوا! یہ سچ اگر جھوٹ ہو جائے تو یقیناً اسیں وہ طنز باقی نہ رہیگا جو سچ ہونے کی حالت میں موجود ہے۔

غیر اہم جملے بھلا صاحب

ہے یہ بندہ ہی بیوفا صاحب

طنین آواز، تشنیع، استہزا، پھبتی، از جبر و توبیخ، ملامت، ہجو، بولی ٹھنی، شکوہ، شکایت، نوک جھونک، مزہ کنایہ، جلی کٹی دخت، غفرہ اور طنز میں یہی فرق ہے کہ ان سب اضافہ سخن کے یہ دو پہلو نہیں نکلتے اسی شعر کو لے لیجئے ”ہے یہ بندہ ہی بیوفا صاحب“ ایک تو اسکے

عام معنی ہوئے کہ بیوفا کہ کر اپنی دفا شعاری پر زور دیا جا رہا ہے۔

لیکن اگر اسی کو سچ سمجھ لیجئے کہ ”ہے یہ بندہ ہی بیوفا صاحب“ اور اس مصرعے کی کوئی تاویل نہ کیجئے پھر اس کے بعد مومن کی ذہنیت کا تجربہ کیجئے اس وقت آپ پر روشن ہوگا کہ اس شعر میں کتنے تیر و نشر پوشیدہ ہیں جو شخص یہ کہہ سکے کہ ”ہے یہ بندہ ہی بیوفا صاحب“ غیر ادر تم بھلے بھلا صاحب وہ کس دنیا کا رہنے والا ہوگا۔ طنزیہ شاعری میں قدم قدم پر مومن کی انفرادیت نمایاں ہوتی ہے۔

آپ مجھ سے نباہیں گے سچ ہے بادفا حسن و بیوفا ہے عشق

سچ ہے میں نباہ کر سکا عشق ہی بیوفا ہے۔ اس ناکامیابی کا احساس کس کامیابی سے کم ہے جو اس تاویل کی ضرورت محسوس ہو کہ شعر طنزیہ ہے اور سید ہے سادے الفاظ میں اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کیا نباہیں گے حسن کیا بادفا ہوگا۔ شعر طنزیہ ضرور ہے لیکن طنز سطحی چیز نہیں۔ اقرار ناکامیابی کافی ہے کہ بیوفا عشق کو بادفا حسن پر ترجیح دلا دے

خبر تو نہ توڑ سخت جانی پھر کس کو گلے لگائیں گے ہم

سخت جانی کو طعنہ دیتا ہے کہ تیری بدولت رز مجھ پر خنجر ٹوٹے ہیں لیکن کس انداز سے کہ اگر خنجر ٹوٹ گیا تو کوئی گلے لگانے کے قابل بھی تو نہ ملیگا۔ یہ ایک لطیف طنزیہ انداز ہے جو مومن پر ختم ہے

بندے ہیں ہم صیاد کے کتا ہر کس کس لطف گھر ہو سکے راہ چمن اور سنگان دام لو

حب صیاد کو معلوم ہو چکا کہ ہم گرفتار دام نہیں ہیں بلکہ گرفتار صیاد ہیں تو کتنا لطف ہے کہ کتا ہے، گھر ہو سکے راہ چمن اور سنگان دام لو، صیاد نے کتنا طنزیہ پیرایہ بیان اختیار کیا ہے لیکن گرفتار کو مجبوراً یہ زہر کا گھونٹ بھی پینا پڑتا ہے۔

کر علاج جوش و حشت چارہ گر لادے اک جنگل مجھے بازار سے

اس شعر میں مومن نے طنز کا کمال دکھا دیا ہے۔ ہاں اے چارہ گر اگر تو جوش و حشت کا علاج کرتا ہے تو پہلے یہ بتا کہ تو بازار سے جنگل بھی لاسکتا ہے یا نہیں، مومن کا خیال ہے اور صحیح خیال ہے کہ جو لوگ جوش و حشت کا علاج کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ گویا بازار سے جنگل خریدنا چاہتے ہیں، جوش و حشت کا علاج تو یہ نہیں ممکن ہے کہ دھٹیوں کے لئے جنگل ہی لایا جائے۔ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ بازار سے جنگل لانا کیا معنی ہے۔ پوچھئے جوش و حشت کے علاج کے کیا معنی۔

میرے آنسو نہ پوچھنا دیکھو کہیں دامن تر نہ ہو جائے

یقیناً میرے آنسو پوچھنے سے ان کا دامن تر ہو جائیگا لیکن اس نشر کو دیکھئے جو اس شعر کے لفظ لفظ میں پوشیدہ ہے میں رد رہا ہوں وہ دیکھ رہے ہیں اتنا نہیں ہوتا کہ اپنے دامن سے میرے آنسو پوچھ کر مجھے تسلی دین۔ وہ میرے آنسو پوچھنا گناہ سمجھتے ہیں شعر کا مختصر الفاظ میں مطلب یہ ہوا کہ دیکھئے دیکھئے میرے آنسو نہ پوچھئے گا کہیں آپ گناہگار نہ ہو جائیں۔ کہیں دامن تر نہ ہو جائے

ہسودہ متمومہ حال پر میں ہوں وہ ذلیل کہ میری ذلت و خواری کو تم کو نشان لگی
دنیا مجھ پر ہنستی ہے ہنسنے لیکن تمہیں میری ذلت پر ہنسے گا کوئی حق نہیں میری ذلت و خواری نے تمہاری شان بڑھائی۔ اس شخص کی زندگی
پر زرا غور کیجئے جو یہ کہنے پر مجبور ہو جائے۔ ایسے ہی حالات انساں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ طنز مجسم ہو جائے۔
رشک دشمن بہانہ بتا چاہے
میں نے ہی تم سے بیوفائی کی

یہ محبوب کے الفاظ تھے مومن نے صرف انہیں دہرا دیا اور صرف ایک ٹکڑا سچ ہے، کا بڑھا دیا محبوب کی شکایت کو مومن نے پلٹ کر
طنز بنا دیا 'سچ ہے' میں نے ہی تم سے بیوفائی کی۔ میں ہی خطا دار ہوں
میں بھی کچھ خوش نہیں وفاق کر کے
تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

اتک آپ نے طنز یہ انداز بیان میں مومن کا کمال دیکھا۔ اس شعر میں مومن کچھ اور بلند اڑ رہے ہیں، یہاں مومن نے طنز کو بلند کیا ہے
جو حقیقت سے ہمدوش ہے۔ ہر حقیقت آگے چل کر تلخ حقیقت ثابت ہوتی ہے اور ہر تلخ حقیقت طنز کا دوسرا نام ہے۔ طنز کا دوسرا پہلو جو میں نے
سونٹ کی (modest modesty) میں واضح کیا ہے وہ یہاں اس سے بھی زیادہ عریانی اور تلخی کے ساتھ ردش ہے، محبوب
سے کوئی شکایت نہیں ہے بلکہ الٹے شکریہ ادا کیا جا رہا ہے لیکن یہ شکریہ شکایت سے تلخ تر ہے۔ طنز کی نشتریت اس کی واقعیت میں
پوشیدہ ہے۔ میر کا ایک شعر ہے۔

اب حال دل ہے ان کے دخواہ کیا پوچھتے ہوا محمد شدر

محمد شدر میں جو طنز اور معنویت ہے زبان اس کے بیان سے قاصر ہے لیکن مومن کا شعر بھی بڑا ہے
میں بھی کچھ خوش نہیں وفاق کر کے
تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

مکن ہے کہ آپ بھی میرے اچھا خیال ہو جائیں کہ مومن نے اسی ایک تلخ حقیقت کا اظہار کچھ کم قائل لہجہ میں نہیں کیا ہے۔

اجتماع ضدین شعر کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ موسیقی جب الفاظ کا جامہ پہن لیتی ہے تو شعر کہلاتی ہے موسیقی کا ٹھیل توازن اور تسلسل
کے بغیر نہیں ہو سکتا یہ توازن کیا ہے یہ تسلسل کیا ہے۔ سکون و حرکت کا دوسرا نام۔ بغیر سکون کے سمجھے ہوئے ہم حرکت
کو سمجھ نہیں سکتے اسی طرح حرکت کو سمجھے بغیر ہم سکون کی بابت کوئی رائے نہیں قائم کر سکتے۔ اجتماع ضدین کے بغیر تخلیق کا تصور محال ہو جاتا ہے
مثال میں موسیقی ہی کو سمجھنے کے بغیر پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ محض تال یا محض سم یعنی محض حرکت یا سکون سے ترنم نہیں پیدا ہو سکتا
ضدین میں (compromise) مصاحبت کے سوا کوئی دوسرا طریقہ ممکن نہیں۔ بجلی جو آپ کے گھروں کو روشن کرتی ہے مثبت
اور منفی لہروں کے اتصال کا نتیجہ ہے۔ تنہا مثبت یا تنہا منفی لہر بیکار ہے کائنات میں بھی یہی اصول کار فرما ہے خلقناہ کل شیء زوجین۔ جنہوں نے
مخلوقات کے اس پہلو پر غور کیا ہے کہ ان کی تخلیق اتصال اضداد کے سوا کسی اور طریقے سے ممکن نہیں کچھ مہی اسکو سمجھ سکتے ہیں کہ

دنیا میں جن مسائل سے ہمیں درچار ہونا پڑتا ہے ان کا حل اضداد میں مصالحت پیدا کرنا ہے مذہب کا یہی کام ہے کہ وہ ایسا راستہ بتائے جو حیات قبل موت اور حیات بعد موت میں یکجہتی پیدا کر دے۔ بعض مذاہب نے

اس دنیا کی زندگی پر انتہائی زور دیا ہے۔ بعض مذاہب نے عقبی کے لئے اس دنیا کو ترک کر دینے کا مشورہ دیا ہے۔ اسلام کی کامیابی یہی ہے کہ اُس نے دونوں کا خیال رکھا۔ الغرض تمام عالم اجتماع ضدین کا منظر ہے۔ ایک حقیقی شاعر خلقت کے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کر سکتا مومن کے شاعرانہ دل و دماغ نے اس حقیقت کو پالیا اور مختلف طریقوں سے مختلف صورتوں میں اپنے اشعار میں اس حقیقت کو بیان کیا ہے۔ چند مثالیں مومن کی اس خصوصیت کو بھی ظاہر کر دینگی جہاں تک کم شاعروں کی نظر میں پہنچی ہوگی

آخر امید ہی سے چارہ حراماں ہوگا مرگ کی آس پہ جینا شب ہجر اں ہوگا

حراماں یعنی ناامیدی کا علاج امید ہی سے ہو سکتا ہے بظاہر اس مرض کا اصول علاج علاج بالصدق معلوم ہوتا ہے لیکن غور کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اس مرض کا اصول علاج علاج بالمثل ہے۔ حراماں کیا ہے نا کامیاب امیدیں۔ اس کا علاج کیا ہے وہی امید امید ہی مرض حراماں کا باعث ہوئی امید ہی سے اس کا علاج ہو سکتا ہے۔

موتو نہ عشق میں جب تک وہ مہرباں نہوا بلائے جان ہر وہ دل جو بلائی جان نہوا

مومن پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ وہ بعض الفاظ ایسے بھی استعمال کر جاتے ہیں جو مذاق سلیم پر گراں گزرتے ہیں حالانکہ دوسرا بہتر لفظ موجود ہوتا ہے۔ مثلاً یہاں ”موتے“ کہلے جس کا ترک ادنیٰ تھا۔ ہم اس امر کو قطع نظر کر کے ”موتے“ مومن کے عہد میں مترک تھا یا نہیں یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ”موتے“ آج بھی قابل ترک ہے یا نہیں۔ ”موتے“ کو ترک کر کے ”مرے“ استعمال کرنے کی صلاح دی جاتی ہے۔ مصرع ادنیٰ میں ”موتے“ کے بجائے ”مرے“ رکھئے اور پھر غور کیجئے کہ ”مرے“ کا لفظ ”موتے“ کی جگہ رکھنے سے مصرع میں کتنی معنوی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ ”مرے“ نہ عشق میں جب تک وہ مہرباں نہوا، یہاں نہ سکے کی مزید ضرورت مصرع میں محسوس ہوتی ہے۔ لفظ ”موتے“ نہ سکے کا محتاج نہیں۔ علاوہ برین ”مرے“ اور ”موتے“ دونوں طرح سے

مصرع کو بڑھے۔ اگر آپ غور کریں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ ”مرے“ سے مصرع میں ایک ثقل بھی پیدا ہو جاتا ہے جو ”موتے“ رکھنے کی سزا میں باقی نہیں رہتا کیونکہ ”ر“ حرف صحیح ہے اور ”د“ حرف علت۔ حرف صحیح حرف علت سے زیادہ ثقیل ہوتا ہے ”موتے“ میں جو روانی اور نرمی ہے وہ ”مرے“ میں نہیں بنائیں میں تو اسے قابل ترک نہیں سمجھتا شاید مومن بھی ”مرے“ کو ”موتے“ کے مقابلے میں ثقیل سمجھتے ہیں۔ یہ گہیا یہ شعر وہ خود جس عالم گیر حقیقت کا منظر ہے اس سے انکار ناممکن ہے۔ عشق کے بغیر زندگی کا لطف نہیں اور عشق کے بعد زندگی ممکن نہیں۔ اس حقیقت کا اظہار اس سے بہتر لفظوں میں ممکن نہیں بلکہ جان ہے وہ دل جو بلائے جان نہوا، یہ اشعار میں صنعت تجنیس یا صفت تضاد تلاش کرنے کے بجائے معنی پر زیادہ زور دینا چاہئے۔

تیرے پردے نے کی یہ پردہ دری تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا
فطرت انسانی کا تقاضا ہے کہ وہ زیر نقاب رہتی کو برا فائدہ نفع دیکھنا چاہتی ہے نگاہ شوق کو نقاب حجاب ہونے کے بجائے تازیا نہ ہو جاتی ہے۔ مومن اسی وہ سٹے پردے کو پردہ در سمجھتا ہے۔

کرہ خاک ہے گردش میں تیش سیمیری میں وہ مجنوں ہوں کہ زنداں میں بھی آزاد رہا
مومن خاں سے قبل شعرا کے اردو زمین کی گردش سے واقف بھی نہیں ہوں گے چہ جائیکہ انھیں یہ بھی معلوم ہو تا کہ زمین کی گردش کا ایک سبب اس کی تیش بھی ہے۔ مومن نے زمین کی گردش سے فائدہ اٹھایا اور کہہ دیا کہ کہنے کو تو میں زنداں میں ہوں لیکن درحقیقت آزاد ہوں۔ حیات انسانی انہیں اجتماع اضداد کا نام ہے انہیں قضیوں نے جبر و اختیار کے جھگڑے کھڑے کر دئے ایک شخص جسکو اختیار کہتا ہے اسی کو دوسرا شخص جبر کہتا ہے۔ ایک شخص جسکو اسیری کہتا ہے دوسرا اسی کو آزادی سمجھتا ہے۔

جوں نقاب اٹھی مری آنکھوں پہ پردہ پڑ گیا کچھ نہ سوچھا عالم اس پردہ نشین کا دیکھ کر
نقاب مانع دید تھی۔ جب تک چہرے پر نقاب رہی دیدار نہ ہو سکا لیکن قیامت تو یہ ہے کہ نقاب اٹھی بھی تو دیدار نہ ہو سکا۔ انوارِ جمال کی کثرت نے آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پہونچ کر جبر و اختیار کی حقیقت کھلتی ہے جہاں حسن زیر نقاب اور حسن پر افگندہ نقاب نگاہ شوق کی دسترس سے دور ہیں۔ یہاں امتیازِ ضدین محال ہو جاتا ہے۔

اُس کو میں جام میں گئے مدد امی ہجوم شوق آج اور زور کرتے ہیں بیطاقتی سیم
زمانہ ثابت کر رہا ہے کہ بیطاقتی ہی اصل طاقت ہے اور یہ وہ طاقت ہے جس کا توڑ نہیں۔

ایمان آسمان میں عبثِ رخسہ گر نہ ہو ڈر ہے کہیں نزلِ بلا بیشتر نہ ہو
دہی آہ جو کبھی آسمان سے اثر لاتی تھی اب بڑھتے بڑھتے آسمان میں رخسہ گر ہونے لگی جو علاج تھا وہی اب مرض ثابت ہو رہا ہے۔

پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے اس کا نہ دیکھنا نگہ التفات ہے
معلوم نہیں نہ دیکھنے کا شکر ادا کیا جائے یا شکایت۔

مومن کے قصاید بہت بلند ہیں اور ان سے علمی لیاقت اور شاعرانہ تخیل بخوبی ثابت ہے اور بیشک ان کے قصاید نہ صرف ان کے معاصرین مشہور کے ہمایہ ہیں۔ بلکہ ان کا درجہ اساتذہ فارسی سے ملتا ہوا ہے اور ان کے مطالعہ سے معمولی استعداد کا آدمی لطف نہیں اٹھا سکتا۔ اردو میں مومن نے وہ قصاید لکھے جو سلمان سادگی کے قصیدوں سے ملتے ہوئے ہیں۔

احمد لو اب العظایا اس شور نے کیا مزہ چکھایا
والشکر لصانع البرایا جس نے ہمیں آدمی بنلایا

”دوسرے شعر میں ترقی محال ہے کسی زبان میں اس سے بہتر حمد کا شعر ملنا دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا کرم ہم پر یہی ہے کہ اس نے ہمیں آدمی بنایا۔“

اب بھی نظر اس مجاز میں ہے (ق) کیوں مہر نگاہ میں سمایا
 نے عقل بسیط اس کا پر تو نے نور مجر: اس کا سایا
 بحانک یا الہ عالم عالم ترا عجز نے دکھایا
 ہر جائے ہے تیرا جلوہ لیکن دیکھا تو کہیں نظر نہ آیا
 یاں عقل ہے گم کہ بس تجھی کو پایا ہر شے میں پر نہ پایا

مومن نے شریعت اور شاعری دونوں کو کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ مولوی ضیاء احمد صاحب ایم اے کی رائے ہے کہ مومن سے پہلے جس قدر شعرا گزرے ہیں قصیدہ میں باسٹناے سودا۔ مومن کا کوئی ہمسر نہیں اگرچہ پختگی اور روانی میں قصاید ذوق کا درجہ کہیں ارفع ہے۔ تاہم زور اور ندرت میں مومن کا جواب نہیں ہو سکتا۔ ان کی تشبیہ عموماً نادر اور نوکھی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہر قصیدے میں تعلیٰ اور شکایت زمانہ کہ شعرا کی سنت ہے اس شکوہ اور زور کے ساتھ پائی جاتی ہے کہ عرفی کا دھوکا ہوتا ہے تجلیص یا گریز البتہ نسبتاً کمزور ہوتی ہے، کلام میں عقیدت کی جھلک اکثر نظر آتی ہے اور اسی کے ساتھ کہیں کہیں مذہبی تعریفیں بھی کر جاتے ہیں قصاید میں علمی مضامین بکثرت لاتے ہیں اور چونکہ خود نجوم درمل و طب میں یدِ طوئی رکھتے ہیں اس لئے مخصوص مصطلحات سے کلام کا اغلاق بڑھ دیتے ہیں، کہیں کہیں تعلیمات اور آیات و احادیث کی طرف بھی اشارات کرتے ہیں اور عربی جملوں کو تو اس خوبی سے تفسیر کر جاتے ہیں کہ انگوٹھی میں نگینے کا گمان ہوتا ہے۔

صاحب موصوف کا یہ جملہ کہ پختگی اور روانی میں قصاید ذوق کا درجہ کہیں ارفع ہے، میں کوشش کے باوجود بھی نہ سمجھ سکا۔ اگر پختگی کے معنی ہیں زیادہ قصاید کہنے کے تو اس میں شک نہیں کہ ذوق نے زیادہ قصیدے لکھے ہیں۔ ورنہ قصاید کے لئے اگر شوکت الفاظ، ندرت تشبیہ و تزیین، بلند پروازی، عالی خیالی، علوے مضامین کی ضرورت ہے تو وہ مومن کے یہاں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں آئندہ مثالیں اس امر کو واضح کریں گی۔ مومن کی قصیدہ گوئی پر کوئی مفصل بحث کرنے سے پہلے یہ طے کر لینا چاہئے کہ تقاضائے قصیدہ گوئی کیا ہے اور مومن کے قصاید اس معیار پر کہاں تک پورے اترتے ہیں۔ نواب امداد امام صاحب انفرماتے ہیں کہ ”جانا چاہئے کہ قصیدہ کی اصل غرض یہ ہے کہ شاعری کے پیرایہ میں مسائل اخلاقی و معاشرت و تمدن و معاش و معاد وغیرہ کی تعلیم دینی و دنیوی بنی آدم کو نصیب ہو۔“
 حمد خدا و لغت محمد مصطفیٰ و نقبت علی مرتضیٰ دایمہ باصفائے شاعر کو ثواب حاصل ہوا اور سامعین کو خدا و رسول سے توفیق عبادت پیدا ہو
 اگر تقاضائے قصیدہ گوئی بھی ہے تو مومن سے زیادہ اردو قصیدہ گو شعراء میں شاید ہی کوئی زیادہ کامیاب ہوا ہو مومن نے

کل نو قصیدے کہے ہیں ایک حمد میں ایک نعت میں چار چار یار کی منقبت میں ایک سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں ایک معذرت میں ایک سلسلہ اعتراف احسان یعنی نو قصیدوں میں سات قصیدے مذہبی رنگ لئے ہوئے ہیں اور باقی دو کسی صلہ کی خواہش یا امید پر نہیں لکھے گئے۔ ان قصیدوں میں بختگی روانی۔ شکوہ۔ علیے مضامین بلند پروازی سب کچھ موجود ہے گریز یقیناً نسبتاً کم رہے۔ اگر یہی ثبوت قصیدوں کے پختہ نہ ہونے کا ہے تو بیشک مومن کے قصاید میں بختگی نہیں ملاحظہ ہو

صبح ہوئی تو کیا ہوا ہے دہی تیرہ اختری کسرت دود سے سیہ شعلہ شمع خاوری
سامعہ سوز درد پھراش گریہ نزا زخم ریز نغمہ نوک عندلیب تہقہ گل تری
مجھ کو فناں سے کام اور ذکر میں ہل خانقاہ دیر میں شور بید خواں میکدہ میں نوا گرمی
صبح کی جب بہار ہو ساقی غنچہ لب ہو پاس مے سے عذار لالہ رنگ لب مذاق شکری
میرے یہ بخت ہائے بخت ایسی نصیب یا نصیب چارہ یاس امید شرم مرگ علاج مضطری
جان جہاں کو دل دیا دشمن جان ہو اہ جان سر میں ہوا نظر میں یاس سینہ میں آرزو بھری
ایک دل دو گونہ گونہ زخم یک تن فوج فوج خم یک جگر ہزار خیش یک سر صد گراں سری

یہ قصیدہ راجہ اجیت سنگھ کی تعریف میں کہا گیا ہے۔ راجہ صاحب نے ایک روز مومن خاں کو بلوایا اور رخصت کے وقت ہاتھنی کسو کر ان کو سپر بٹھا کر رخصت کیا۔

راجہ اجیت سنگھ نام کامرواے خاں عام جو دے جسکے با نظام کار جہاں کی ابتری
نیل نشین بنادیا خاک نشین کو اُنے اب خاک نہیں فلک کو زیب لائی گراف برتری

اسی قصیدے میں راجہ اجیت سنگھ کے نیزہ کی تعریف میں کیا شعر کہا ہے۔

نئی ریح سین کو چیر کے دل نکال دے مار سیاہ زلف سے ہونہ سکے یہ دلبری

تعریف تیرے و تیرے۔

خندہ برق تیغ میں گری میرا تیر خندہ برق تیغ میں گری میرا تیر

تو لیاں ملاحظہ ہوں :-

شاعر بے نظیر ہوں سحر بیاں بے ہول دم ہے مرا نمونہ معجزہ ہیمبری
سحر حلال سے مرے جادو سامری خجل طور کلیم امج فکر نور خدا فیوں گری

ہر قسم کا عمدہ عطر صغریٰ علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خرید کیجئے۔

لاف زنی پس مدح رسم قدیم کیا کروں
کفر حکایت غور اس کے بغیر یہ محال
میری زبان میں ہا جس سے ملک سخن پرست
مجھ کو یہ گل زمین پسند آگئی اتفاق سے
نان گداپہ رغبت شاہ جہاں غلط غلط
اب نہیں کی ہو اختیار نظم کو میں نے یہ زبان
باغ میں اپنے ہر شجر تاجہ چار و سر و بید
لذت میں جانفزا تلخی اچھوتا بگاہ
میری ملاقات سناں میری نصاحت کلام
میرے معاند حسود ہرزہ تلے رنگاں
ہیں یہ سنگاں حیثیت خوار شمع سخن سے نصیب
ہیں وہ شہ سریر فضل جس کے غلبے کیلئے
اس غم تازہ سے نہیں مجھ کو امید بھری
تاقتنی زجر بر عار ہے مجھ کو ہم سری
میرے بیان میں وہ سخن جس کے جنوں زدہ پری
مزرع غیر میں کسے ورنہ سر کدیوری
باہمہ برتری دروغ آرزوی فرد تری
آپ ہیں لب پہ پوسہ زن ہندی تازی
ادل و آخر بہار با، فردش نو بری
شہد ہے یاں تو شہد ناب صبر تو سقوط
چارہ صدرہ آزما اپنے گنگلی دکری
ہاجی خوش دے خبر مست بلب آوری
کافر اتخاں پرست طرفہ سگی و کافری
اوج حسیض آسماں پست بلند بھری

اردو شاعری اس شکوہ و زور کا جواب کہاں سے لاسکتی ہے۔ سودا، انشا، ذوق، غالب تو کس شمار قطار میں ہیں فارسی زبان میں بھی چند ہی تصید سے اتنے زوردار نکل سکتے ہیں، چند مدحیہ اشعار ملاحظہ ہوں :-

ایکے ادیم حشمت و مایہ جلال پر
جوش طراوت مشام وجہ عطاس عز و جاہ
بوسہ ردا بہر طریق سجدہ و ذوق ہر فرق
تو وہ بہار باغ حجب کبر سے نثار جاں
لب کو مثال کس سے دوں محل عقیقہ بے بھر
چشم کا تیری امتیاز روح فرزا نظر فرما
نصں بہار بجا یاں کس لئے غنچہ پیرا
جمع ہیں تجھ میں عدل جن جس سے خرابیاں خزا
خستہ ذباب کی ٹنیں طنطنہ سکندری
لطف نسیم مشک بیز خلق شمیم عنبری
سنگ در اسکا اکھنم شکفتاں آذری
لانہ زنی سہی قدی نگہ بدنی سخن بری
گل میں کہاں یہ ناز کیں میں کہاں جہری
گریہ دوستی نگاہ رخ گلاب و عنبری
بزم میں تیری گمراہی گل کو سپید ستبری
مست شراب لب شراب محو پری جہری

دعائیہ اشعار کا اندازہ دیکھئے :-

ہرم کا عطر ہند علی محمد علی تاج عطر اک سنو سے عطر منکا سے

تار ہے الفت آدما ناز و غرور دلربا

تار ہے آرزو و فزا طرز ادا سے دلبری

اس حسن بیان کا جواب ہو سکتا ہے :-

حور پہ تیرے جاں نثار غارتیانِ نال
و صل سے تیرے کامیاب لب شکرانِ عکری
تا کہ ہونو بہار میں قسمتِ زہرِ شرباں
مستی و بے حجابی و نغمہ زنی و میخوری
بہرِ حورو جامِ زہرِ ساغر سے ترے لئے
تازہ ہونا گوار طبع تلخی بادہ شکاری
رقص و سرود سے تری انجنِ نشاط گرم
شعلہ و دودِ عارضِ روشن و زلفِ غبری
سوئے ہزار گوشِ جاں و دوزیقِ زلفِ نشاط
باغ میں جب تک اس طرح جلوہ کر گئی
تجھ کو نصیبِ بزم میں داد ہی صلہ ہی
محبو مبارک ایک سو مہج گری گداگری

مومن عمر بھر مہج گری کو گداگری سمجھتے رہے یہ صرف سر سے راجہ کا بار احسان اتارنا تھا جس کے لئے اتنا زور طبع دکھایا گیا۔
مومن کا زور بیان آپ دیکھ چکے اور جنت ممکن ہے کہ آپ بھی میرے ہمنیال ہو جائیں کہ اُن کے قصاید ادبِ اردو کے لئے سرمایہ نازش ہیں
اب مومن خاں کے دریائے فکر کی روانی دیکھئے جس کی بابت ضیاء احمد صاحب کی رائے ہے کہ ذوق کے یہاں بڑی ہوئی ہے۔ حمدیہ قصیدہ آپ کی
نظر سے گزر چکا ہے ایک دوسرا قصیدہ ملاحظہ ہو جو ٹونک نہ پہنچ سکنے کی معذرت میں لکھا گیا ہے :-

یادِ ایامِ عشرت فانی
نہ دہ ہم ہیں نہ دہ تنِ آسانی
جائیں دشت میں سو سو صحرا کیوں
کم نہیں اپنے گھر کی دیرانی
خاک میں دشتِ آسمان ملی
ہائے کیسی بلند ایوانی
کر دیا گردشِ سپہر نے حیف
برجِ خاکی سیر کیوانی

برجِ خاکی کی یہ تاثیر ہے کہ اگر سعد سیارہ ہو تو اس کی سعادت بڑھا دیگا اور اگر غس سیارہ ہے تو اس کی نخوت میں اضافہ کر دے گا
سیریِ نخوت دیکھئے کہ کیوان گھوم پھر کے برجِ خاکی ہی میں رہتا ہے۔

ایسی دشتِ سرا میں آئے کون
بے دہی کرو ہی ہے دربارانی
کیا ہوئی وہ بلند سی دیوار
کیا ہوئے وہ عمادِ طولانی
جائے گل ہیں چین میں ریزہ سنگ
کاہ کرتی ہے نازِ ریحانی
اٹ گئے حوصلے و نہرِ غیر از چشم
ایک قطرہ کہیں نہیں پانی
نہ ملا کچھ نشانِ آبِ رواں
خاکِ سارے جہان میں چھانی

جز سپہر و نجوم نورانی

سقف رنگیں دزر نگار کہاں

تخلیص عموماً مومن کی کمزور خیال کی جاتی ہے۔

زر خورشید کی درخشانی

اے فلک دل کو داغ کرتی ہے

کچھ نہ ہو گا بحسب زیشیانی

بے زری سے مری تجھے حاصل

کافر اتنی بھی ناسلمانی

جان مومن پہ گو نہ گو نہ ستم

فتنہ ہائے فریب مردانی

تا کجا اے یزید شمر خصال

آپ اپنا تو دشمن جانی

اس سے کا دشمن نہ کر نہ نظام

کھول دوں میں یہ راز پنہانی

تجھے معلوم ہے کہ ہے وہ کون

ختم جیسپر ہوئی سخنرانی

مرح خوان شہ وزیر لقب

نارق قلزمی و عمانی

پایہ سنج کمال اہل کمال

گھوڑے کی تعریف اس سے بہتر کیا ہو سکتی ہے :-

نگہ شوق کی سی جولانی

شوخی یار کی سی چالاکی

انداز دعا دیکھئے کتنا پاکیزہ ہے :-

ہے وصال و فراق جسامانی

جب تلک باعث نشاط و ملال

تیرے احباب اور تن آسانی

تیرے حساد و رنج گونا گون

جیسے مومن پہ لطف رحمانی

تیرا قبیل روز افزوں ہو

روانی کی مثال میں نہیں تسلیم کر سکتا کہ ذوق کی قصیدہ گوئی اس سے بہتر پیش کر سکتی ہے مومن کی قصیدہ گوئی کی وہ خصوصیت جس کے اردو اور فارسی شاعری میں وہ تنہا مالک ہیں ان کی تشبیب ہے جو حقیقی معنوں میں تشبیب کہلانے کی مستحق ہے تشبیب کے لغوی معنی پر اگر نظر رکھی جائے تو اس کا انداز تغزل سے جدا نہیں ہو سکتا۔ مذہبی قصاید سے میں چند ایسی مثالیں پیش کروں گا جو مومن کی اس خصوصیت کو روشن کر سکی :-

کہ جان کو بھی ٹھکانے نگار کھے گا دل

دل ابکی بار ہو ایسی بے جگہ بایل

بے جگہ کا استعمال کتنا با محمل ہے :-

امید وصل خطا ترک آرزو مشکل

وہ بد شعار طر حد اردلر با جسے

تم اور حسرت ناز آہ کیا علاج کرو
میں نیم جاں نہ رہا امتحان کے قابل
چلا ہی جاتا ہوں میں گوجلا نہیں جاتا
غضب ہے شوق رسائی و دوری منزل
خدا سے ڈرت بیدار ہو یہ کیا نصیحت
کہ توجھ سے نہوار و فاسی ہوں میں خجل

ہے ہی حسرت دیدار تو مرنا دشوار
دم شماری کی مری عمر ہوتا روز شمار
بدگمانی نے دعا سے بھی رکھا محروم آہ
راز دل غیر سے کس طرح میں کرتا اظہار
دہوم ہے تابش خورشید قیامت کی مگر
مجھ سے اللہ نہ پوچھے گا عذاب و ثبtare

غالب کے دو شعر سن لیجئے اس کے بعد مندرجہ بالا شعر کو دیکھئے

آتا ہے یاد حسرت دل کا شمار یاد
مجھ سے مری گنہ کا حساب بخدا نہ ملے
ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی بے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

اگر کنا یہ صراحت سے زیادہ لطیف ہے تو غالب کی کردہ گناہوں کی سزا اور مومن کی تابش خورشید قیامت کی دہوم اور غالب کے ناکردہ گناہوں کی حسرت کی داد اور مومن کی پرستش عذاب شب تار سے کیا نسبت۔ غالب نے ایک ہی بات کو دو طریقوں سے ادا کیا لیکن بھونڈے طریقے سے مومن نے اسی خیال کے لئے کتنا لطیف پیرایہ بیان اختیار کیا ہے

نیک نامی نہ سہی مجھ کو ہے تم سے سرد کار
چھوڑ دوں آج دفا گر ہو دفا سے بیزار
دنیا کی شاعری اس سے بہتر تسلیم درصا کا درس
سین پیش کر سکتی تیلاگ کا فلسفہ اس سے اونچی تعلیم پیش نہیں کر سکتا۔
نقد جاں اپنی تجلی کی نہ کہنا قیمت
صبح محشر کہیں بنجائے نہ روز بازار

میں قصاید کی بحث مومن کی دعا پر ختم کرتا ہوں بحث ضرور تشنہ ہے مگر اتنا مواد جمع کر دیا گیا ہے جسکو دیکھ کر ارباب نظر مومن کی تصیدہ کوئی پر کسی نتیجے پر خود پہونچ سکیں۔

وہ عشق دے جس کا نام اسلام
وہ نعرہ علمہ سبحانی
کچھ آب زنی کرے نہیں تو
مجھ کو بھی بچالے جیسے تو نے
وہ رفعت حال دے کہ جس نے
منصور کو دار پر چڑھایا
وہ شیوہ نبی نے جو بتایا
جس نے کہ اُس آگ کو بجھایا
سرنار جحیم نے اٹھایا
یوسف کو گناہ سے بچایا
وہ مشیوہ نبی نے جو بتایا

مومن غیر مقلد تھے اور عقاید میں نہایت سخت۔ تصوف جو ان کے یہاں نہیں پایا جاتا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ وحدت وجود کو اسلام کے منافی سمجھتے تھے ان کا ایمان وحدت شہود پر تھا۔ وحدت وجود کے مسئلے کو ترک کر دیجئے پھر تصوف میں کیا خاک رہ جاتا ہے! لیکن اس کے باوجود اس حمد یہ قصیدے میں مومن یہ دعا کر رہے گئے کہ:-

وہ رفعتِ حال دے کہ جس نے منصور کو دار پر چسپڑ ٹھایا
بہت ممکن ہے کہ یہ قصیدہ شاہ سید احمد بریلوی کے ہاتھ پر بیوت کرنے سے پہلے لکھا گیا ہو:-
اس کا مرے دل پہ ایک پر تو جس شعلہ نے طور کو حبلا یا
مومن کے کس سے حال آخر ہے کون ترے مواخدا یا
مقطع کی کس زبان سے تعریف کی جائے۔

مثنویاں مومن کی مثنویاں ان کی حیاتِ معاشقہ کی منظوم تصویر ہے۔ اُن کی سیرت کا وہ پہلو جس نے ان کے کلام پر اثر کیا ان مثنویوں کے مطالعہ سے صاف واضح ہو جاتا ہے، سوال یہ اٹھ سکتا ہے کہ مثنویوں میں جو واقعات قلمبند ہوئے ہیں ان کے امر واقعہ ہونے کا کیا ثبوت ہے۔ داخلی ثبوت تو یہ ہے کہ مثنویوں میں جو ”وزوگداز“ ہے وہ اس بات کا شاہد ہے کہ وہ سببِ آپ بیتی ہیں فرضی قصوں میں یہ بات نہیں پیدا ہوتی دوسری بات جو ان مثنویوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مومن کی حیاتِ معاشقہ میں صرف ایک حادثہ یہ پیش آیا ہے کہ محبوب کا انتقال ہو گیا۔ مثنوی ہی میں اس کا ماتم کیا گیا ہے لیکن طبیعت کو اس سے تسلی نہ ہوئی، مومن نے دل کو تسکین دینے کے لئے ایک درد انگیز مرثیہ بھی لکھا جس کے ابتدا میں لکھا ہوا ہے:-
”ترکیب بند بہ مضمون مرثیہ معشوقہ“ ”ملک شمیم حصطنی وصالہا فی جنت النعیم“ آخر کا ٹکڑا ”حصطنی وصالہا فی جنت النعیم“ اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ کسی فرضی معشوقہ کا مرثیہ نہیں دوسری بات جو خلاف روش وقت مومن کے کلام میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ جنس لطیف ہی کا کوئی نہ کوئی فرد ان کا محبوب و مملوک رہا ہے، مومن کے سارے کلیات میں ایک مصرع بھی ایسا نہیں نکل سکتا جس سے یہ دہم ہو سکے کہ مومن کا محبوب کبھی دوسری جنس کا کوئی فرد رہا ہے یہی وجہ ہے کہ مومن خاں اپنے کلام میں بار بار لفظ ”پردہ نشین“ پر زور دیتے ہیں۔ مثنویوں کی سادگی اور ان میں کسی (پلاٹ) کی عدم موجودگی بھی میرے اس خیال کو یقین کے درجے تک پہنچاتی ہیں کہ یہ سب مومن نے اپنی ہی سرگزشت لکھی ہے ورنہ حکیم مومن ایسا نازک خیال شاعر اور یہ سادگی کوئی معنی نہیں رکھتا۔ خارجی ثبوت صرف ایک معتبر مل سکا ہے۔ اور وہ گلشنِ بخار ہے جس کے مولف نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ مومن کے ہمراز اور شاگرد ہیں شیفتہ صاحب کے تذکرے میں لکھتے ہیں:- ”نام ام: الفاطمہ بیگم عرف صاحبہ جی۔ بتقریب مدام ابا مومن خاں کارشش افاد ماہر چند کار ہا در درد و ابود مثنوی قول غنیم نام کہ از مصنفات خان مغرب الیہ است شرح نسخہ حسن و جمال ہاں موزوں قد است“ مثنوی قول غنیمین کی صاحبہ جی

(ہیسردن) میں قصہ مختصر طور پر یہ ہے

ایک چندے ہی اوقات رہی روز بہ روز کی ملاقات ہی
داں ہر اک طرح بہلتا تھا دل کہ ہوئی اسمیں بلا اک نازل
کہیں باہر سے کوئی داں آیا میرے بیٹھے ہی وہ ہماں آیا
سننے ہی ادر کے آنے کی خبر پردے کے واسطے آیا باہر

اتنے میں دل جو مرا گھرا یا جی میں کچھ سوچ کے میں گھرا یا
دوسرے دن جو ہوا گھر سے رواں جانب کو چہ رشک بستاں

الغرض جب میں وہاں جا پہونچا تازہ پیغام اجل آ پہونچا
دم لیا بھی نہ کہ دم دینے لگے تلخ کامی کے مزے لینے لگے
دام الفت میں گرفتار ہوئے پائے بند ستم یار ہوئے
یہ کچھ آشفۃ سری نے مارا کہ مجھے چارہ گرمی نے مارا
کی یہ شخصیت نے میری تدبیر کہ ہوا دمبدم احوال تغیر
ہر گیا نبض شناسی سے جنوں سنو حال دل دیوانہ کہوں
صاحب خانہ نے بعد اکرام بیقرارانہ کیا مجھ سے کلام
کہ یہاں عید و محرم ہے ہم کل سے کیا کیا طرب و غم ہے ہم
یعنی دار ہے وہ ہماں عزیز جس کے قربان مری جان عزیز
لیک بیمار پریشاں احوال نہ وہ جلوہ نہ وہ رونق نہ جمال

آپ کچھ چارہ گرمی کیجئے غرض نبض دیکھو کہ ہو شخصیت مرض
میں نے اس نبض پہ جو ہاتھ دہرا ہاتھ سے میرے مراد دل ہی جلا
آنت تازہ جو جاں پر آئی تو یہ غزل اپنی زباں پر آئی

غزل

کیا لگا دست دلارام سے ہاتھ
دل گیا ہاتھ سے اور کام کر ہاتھ

سارے دن تو رہے مصحبت یار
اسکے کوچہ سے نہ اٹھتا تھا قدم
داں سے آنے کی کہاں طاقت تھی
دل میں جب ہوک اٹھی بیٹھ گیا
عجب احوال سے گھر تک پہونچا
گھر میں آیا تو دے ہوش کہاں
شوق فرمائے کہ ہاں پھر چلے
دل بیتاب کو پھر تھام لیا

بوسے گل لائی صبا بستان سے
داکیا جوں وہ طلسم افسوں
کہ محھارے بھی عجب ہیں حرکات
کیا مناسب تھے یہ بیباک سخن
حرکت اچھی نہیں بدنامی کی
پاس رسوائی کا گرا اپنی نہ ہو
بسکہ ہوتا ہے محبت میں اثر
دل مشتاق تیاں ہے یاں بھی

اب گیا داں تو تکلم بر لب
پرنہی اگلی سی شیریں سخنی
دشنہ در جان و تبسم بر لب
دل میں سوز خم دے خندہ زنی

اوروں سے حرف دلاویزا نہ آشنائے سخن بیگانہ

یونہی با عشرت و عیش و آرام جب کہ گزرے ہیں کچھ اور ایام
بعد چندے فلک ناہنجار بد چلن بد روش و کج رفتار
جمع احباب پریشاں گرداں گردش افزائے بیاباں گرداں
دیکھ واد روڑ کا جانا میرا بیٹھنا ہنسا ہنسا نامیرا
راہ بیداد کی نی ظالم نے چھوڑ دی راست روی ظالم نے
سر پر اک آفت تازہ لایا بدسلوکی سے مرے پیش آیا

یعنی داں کوچ کی اُن کے ٹہری ناگہاں کوچ کے انکے ٹہری
جس گھڑی ہم تلک آئی یہ خبر چھا گئی بیخبری سی دل پر
اک غلو ہوش پہ بیہوشی کا عالم اک اپنی فراموشی کا
خود فراموشی و غفلت کو ششی بخود ہی بیخبری بیہوشی
اسمیں پیغامبر آیا داں سے تر جہاں لعل لب جاں سے

جی میں آجائے تو آجاؤ یہاں آنکر شکل دکھا جاؤ یہاں
اور اسوقت بھی گر آپ نہ آئے ہم کہاں اور کہاں تم پھر آئے
سن کے یہ بات میں با حال تباہ بخود نہ ہوا اُسکے ہمراہ
پایہ شوق کہاں تک پہونچا وہ تھے جس جائے وہاں تک پہونچا
کیا نئے ڈھب سے ملاقات ہوئی کہ نہ کچھ بولی نہ کچھ بات ہوئی
ملکے حیرت زدگان بیکس دور بیٹھے ہوئے روتے رہیں
خونفشان لب پہ وہ آہیں باہم حسرت آلودہ نگاہیں باہم
گرچہ ہر گز بھی نہ تھی تاب کلام پر یہ بولی کہ زراجی کو تھام

کہ یہ کیا حال ہے کیوں روتے ہو مفت کسوا سٹے جی کھوتے ہو
اب تم ادروں سے لگالگو جی نہ ہوے ہم تو کوئی اور سی
ہاں اگر فکر ہو تو ہم کو ہو رنج و اندوہ ہو جو ہم کو ہو
کہ بری آہ ہماری خو ہے ہم میں اک مرد وفا کی بو ہے
خیر رہنا ہوا اب تک اپنا اب وطن تم کو مبارک اپنا
تم رہو خوش کسی جاناں کیساتھ ہم چلے حسرت و حرماں کیساتھ
کام دل رنج و بلا کو سونپا تم کو لو ہمنے خدا کو سونپا
کہہ کے یہ اٹھکئی جی کھوتی ہوئی ہچکیاں لیتی ہوئی روتی ہوئی
ہم بھی روتے ہوئے اپو گھر آئے بادل مضطرب و منظر آئے
کیا کہوں کیونکہ گذری وہ رات گذری کس حال میں ساری وہ رات
کس سے یہ صدمہ سہا جاتا ہے کس سے وہ حال کہا جاتا ہے
جو ہو دلدادہ وہ سمجھے اپنی کار افتادہ سمجھے اپنی

صاحب آب حیات کی رائے ہے کہ ”ثنویاں نہایت درد انگیز ہیں کیونکہ درد خیز دل سے نکلی ہیں۔ زبان کے لحاظ سے جو غزلوں کا انداز ہے وہی ان کا ہے“ مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ مومن خاں کی ثنویوں سے ملک نے کیوں اتنی بے اعتنائی برتی۔ اگر ان ثنویوں کو کوئی صاحب اخلاق سے گری ہوئی سمجھتے ہیں تو انھیں میر اثر دہلوی کی ثنوی خواب و خیال دیکھنا چاہئے جس کی عربانی کہیں بڑھی ہوئی ہے جس معیار اخلاق سے مومن کی ثنویاں پست سمجھی جاتی ہیں اس کے لحاظ سے شاید غزل کا کوئی شعر بھی پڑھنے کے قابل نہ مل سکے نہ یہاں موقع ہے نہ مجھے فرصت کہ میں اس معیار اخلاق پر بحث کروں جس نے ہمیں تنگ نظر بنا رکھا ہے میں تو ایسے اخلاق کو جو اظہار حقائق سے چشم پوشی کرے تنگ اخلاق سمجھتا ہوں۔ مذکورہ بالا ثنوی کے یہ چند اشعار اردو زبان کیلئے قابل فخر ہیں

کیا نئے ڈھب سے ملاقات ہوئی کہ نہ کچھ بولی نہ کچھ بات ہوئی

آخری ملاقات کا کیا صحیح مرقع کھینچا گیا ہے۔ اس منظر کی حسرتناکی اگر بیان ہو سکتی ہے تو اس کے لئے اس سے زیادہ بہتر الفاظ کہاں سے آئیں گے عاشق و معشوق گفتگو کرنے کے لئے بیتاب ہیں لیکن مہربان صرف زبان حال شرح آرزو کر سکتی ہے۔

دل کے حسرت دکان بیکس دور بیٹھے ہوئے روتے رہیں

آخری ملاقات ہے۔ وقت گزر رہا ہے اور زبان نہیں کھلتی ایک دوسرے کو حسرت زدہ دیکھتے ہیں اور روتے ہیں۔ عورت

عورت ہے اس کے تاثرات مرد سے ہمیشہ زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے مثنوی پڑھتے اور دیکھتے کہ یہ جدائی صاحب جی پر کیا اثر کر رہی ہے اور مومن اس سے کہاں تک متاثر ہیں۔ عورت کے لفظ لفظ سے اس کی محبت اور مصیبت ٹپک رہی ہے۔

پر یہ بولی کہ زرا جی کو تھام

کہ یہ کیا حال ہے کیوں روتے ہو
مفت کس واسطے جی کھوتے ہو
اب تم اوروں سے لگا لہجیو جی
نہ ہوے ہم تو کوئی اور سہی

یہی صاحب جی نے کہا ہو گا اس کا خیال غلط نہ نکلا مومن نے دوسروں سے اس کے بعد طبیعت بہلائی۔ لیکن صاحب جی کا کیا حشر ہو گا اسے بھی سن لیجئے :-

اں اگر فکر ہو تو تمہ کو ہو
رنج داندہ ہو جو ہم کو ہو
کہ بری آہ ہماری خو ہے
ہم میں اک مہر وفا کی بو ہے
کم از کم اسوقت عورت کے تاثرات اتنے عمیق ہیں کہ ہم مجبور ہیں کہ اس کی مہر وفا کی داد دیں :-
خیر رہنا ہوا اب تک اپنا
اب وطن تم کو مبارک اپنا
یعنی اب تم ہوا اور عیش و عشرت ہم ہیں اور رنج و مصیبت :-

کام دل رنج و بلا کو سونپا
تم کو تو ہم نے خدا کو سونپا
عورت جانتی ہے کہ جہاں میں جدا ہوئی مرد مجھے بھول جائیگا لیکن محض یہ خیال اس کی محبت کو کم نہیں کر سکتا۔ ہم پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹیں۔ لیکن تم خوش رہو۔

کہہ کے یہ اٹھکٹی جی کھوتی ہوئی
ہچکیاں لیتی ہوئی روتی ہوئی
ہم بھی روتے ہوئے اپنے گھر آئے
بادل مضطرب و مضطر آئے
دونوں اُدٹھکر چلے ہیں لیکن صاحب جی ہچکیاں لیتی ہوئی روتی ہوئی اٹھی ہے اور مومن روتے ہوئے اپنے گھر آئے۔
عورت بے اختیار ہو کر رو رہی ہے لیکن مومن صرف اس بنا پر روتے ہوئے اُدٹھے ہیں کہ محبوب روتا ہوا اٹھا ہے۔ خود ان کے رنج و غم کا ہمیر وہ اثر نہیں پڑتا جو صاحب جی کی رنج و مصیبت کو دیکھ کر پڑتا ہے۔

مومن کی مثنویوں میں خارجی مناظر کا بیان تلاش کرنا بے سود ہے۔ مومن نے مثنویاں نہیں لکھی ہیں بلکہ دل کے چند جملے پھولے ہیں جو تڑپے گئے ہیں۔ مومن کی مثنویوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے ضرورت ہے کہ انھیں اسی روشنی میں پڑھا جائے جن کے ماتحت وہ لکھی گئی ہیں۔ مصنوعی معیار پر انھیں پرکھنے سے کچھ حاصل نہیں۔

رباعیات

مومن کی ہمہ گیر طبیعت نے کس صنف سخن میں اپنی جولانی نہیں دکھائی۔ مومن کے اس زور طبیعت کو دیکھتے ہوئے اگر شیفتہ نے گلشن بختار میں یہ لکھا تو کیا غلط ہے کہ ”بزمِ فقیر بقوتِ شاعری ایشاں کم کسے بر خاستہ در ہر جنس“ آجناں مکانے دانی دارد کہ کسے در یک صنف ہم میسر نیامدہ اگر حفظ از فہم خدا داد داری بیا و بدیو افش نظر کن و بتصدیق و تکذیب من زبان انصاف بگشا۔ جس طرح ثنویاں مومن کی عاشقانہ زندگی کی آئینہ دار ہیں اسی طرح رباعیاں مومن کے عقاید پر روشنی ڈالتی ہیں:-

حسرت زدہ بخت نارسا نے چاہا
ہم خوش ہیں اسی میں جو خدا چاہا

محروم حصول مدعا نے چاہا
مومن اس بت نے گر نچا ہا نہ سی

بالکل سچ ہے صبر و شکر اسی مجبوری کا نام ہے:-

پیری میں کہاں وہ نوجوانی کا مزا
باتوں میں جو باقی ہر کہانی کا مزا

ہے عہد شباب زندگانی کا مزا
اب یہ بھی کوئی دن میں نہ سنا ہوگا

جو انرگ مومن کا یہ صرف زور طبیعت تھا جس نے یہ رباعی کہلائی ورنہ پیری تو دیکھنا ہی نصیب نہوتی:-

لکھا وہی بالکل کہ ہے دل پر لکھا
یہ کاتب تقدیر نے کیونکر لکھا

لکھا نہ گیا اگرچہ دست لکھا
حیراں ہوں کہ جو حال پریشان چلا

حق تو یہ ہے کہ اردو زبان رباعیوں سے قریب قریب خالی ہی ہے۔ کوئی عمر خیام کوئی ابوسعید ابوالخیر کوئی سہروردی زبان میں پیدا نہوا۔ دردمو متن انیس و تیس کے یہاں کچھ رباعیاں ضرور ملتی ہیں لیکن انہیں فارسی زبان کی رباعیوں سے کیا نسبت۔

مومن ہر اگرچہ سب سے کا یہ ظہور

توحید و جود ہی کا نکرنا مذکور

یعنی کہ بنائے ہیں خدا نے بند

بندے کو خدا بنائے کس کا مقدور

توحید و جود کو چھوڑ کر تصوف کی شاعری ناممکن ہو جاتی ہے یہ صرف مومن خاں کا کمال تھا کہ انہوں نے توحید و شہودی لیکر شاعری کی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

منظر سے بری ہے کبریائی اسکی

آئینہ گداز خود نمائی اسکی

مظہر سے بری ہے کبریائی اسکی

آئینہ گداز خود نمائی اسکی

توحید و جود کے خلاف اس سے بہتر شاعرانہ حربہ نہیں مل سکتا:-

رہتا ہوں حسین ابن علی کے غم میں

ہے عیش جناب کی آداس ماتم میں

حیف آل نبی میں کوئی باقی نہ رہا

لازم ہے کہ باقی نہ رہے کچھ ہم میں

مومن نے جہاں دوسرے مذاہب پر شاعرانہ انداز سے مذہبی چٹیں کی ہیں وہاں اس امر کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ حضرت امام حسینؑ کے ماتم میں ہی وہ سیاہ پوش نظر آتے ہیں اسی مضمون کی پانچ چھ رباعیاں ان کے دیوان میں موجود تھیں، حالانکہ رباعیوں کی حیثیت سے ان کا پایہ پندراں قابل ذکر نہیں :-

مومن :- اثر سیاہ مستی کا نہ ہو اندیشہ بلند و پستی کا نہ ہو

توحید وجودی میں جو ہے کیفیت ڈرتا ہوں یہ جیلہ خود پرستی کا نہ ہو

ایک نئے مضمون کو بالکل نئے انداز سے لکھا ہے :-

بے شاہد بے بارہ دہر تو بہ توبہ اس عمر میں دل پہ جبر تو بہ توبہ

ایام شباب اور وجو ساقی فصل گل و جوش ابر تو بہ توبہ

کلیات میں سوا سو سے زیادہ رباعیاں موجود ہیں اور بقول ابنہ لکھنوی رباعیوں میں بھی طبیعت کا اصلی رنگ موجود ہے۔

مومن کی عاشقانہ زندگی کا دور نویں سال سے شروع ہوتا ہے

مرثیہ

یعنی طفلی سے ہوں میں پیرمغاں بلد راہ گمر بان جہاں

تھے برس ہم شمارہ افلاک کہ ہوا پائمال صورت خاک

ابھی دو سال بھی آرام سے نہیں کٹے تھے کہ ”معتوقہ حور ملک شیم کا انتقال ہو گیا۔“

آفت جان و دل فراق و وصال اغرنی کٹ گئے یونہی دو سال

بہر تسکین شدت خفتاں ٹھہری گلگشت روضہ رضواں

گئی جنت میں بسکہ ایسی حور ہوئی بیتاب کیسی کیسی حور

مومن کی ساری حیات معاشقہ میں صرف اسی ایک نمونہ کا انتقال ہوا اور یہ مرثیہ اسی کا لکھا گیا ہے ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں مرثیہ بہت

بعد کو لکھا گیا ہوگا۔ یہ مومن کا کمال ہے کہ بلا کسی فوری اثر سے متاثر ہوئے اتنا بھی اثر پیدا کر دیا ہے۔ میرا نہیں اور مرزا دبیر کے مرا فی ہیں اگر وہ

تاثیر پیدا کر سکتے ہیں تو اس کی وجہ اور بھی قوی ہے کہ وہ رفیقا رانا باعث نجات سمجھتے ہیں۔ حالی نے غالب کا جو مرثیہ لکھا ہے وہ غالب کے

مرنے کے بعد لکھا ہے اور حالی خود مرگ غالب سے نہایت متاثر تھے۔ غالب نے عارف کا مرثیہ لکھا ہے اور خوب لکھا ہے لیکن وہ بھی فوری تاثر کے

ماتحت مومن نے جو مرثیہ لکھا ہے وہ کسی فوری تاثر کے ماتحت نہیں لکھا ہے اس کے باوجود بھی مومن نے اپنے مرثیہ میں کسی سے کم اثر نہیں پیدا کیا ہے

یہیں کافر مومن کی شاعری پر ایمان لانا پڑتا ہے نمونہ کے لئے میں دو بند پرکتفا کرتا ہوں جنہیں پڑھا کر شاید آپ بھی میرے ہنجیال ہو جائیں کہ

مرثیہ مومن کی کامیابی شاعرانہ اعجاز سے کم نہیں :-

دل کی طرح سے یہ بھی چلی جاں کو کیسا ہوا
سر پٹیا ہے شانہ پڑا دونوں ہاتھ سے
بیتی ہے اپنا خون دل فوس سے حنا
غنیم کو بھر ہے جانب خورشید الفت
دل میں شکن ہے زلف مسلسل کدہری
بوسے قبائے یوسف گل ہے نسیم میں
لذت فرا نہیں الم اس لب پہ کیا بنی
گردش پہ اپنی ناز ہے پھر مردگار کو
دعویٰ ہے شوخیوں کا غولوں کو دشت کے
کٹاں ہے سینہ جاک رخ ماہ دیکھ کر
عیب و حجاب شمع رخاں جہاں گیا

دم میں نہیں ہر دم مرے جاناں کو کیا ہوا
کیا جانے اس کی زلف پریشاں کو کیا ہوا
اس دست رشک پنجہ مر جاں کو کیا ہوا
شرمندہ ساز مہر رخشاں کو کیا ہوا
برہم ہے حال کا کل پچاں کو کیا ہوا
اس کی شمیم عطر گریباں کو کیا ہوا
کچھ زخم بیمزہ ہیں نکداں کو کیا ہوا
اس چشم رشک فتنہ دوراں کو کیا ہوا
اس خوش نظر کی جنبش مڑگاں کو کیا ہوا
اُس غیرت مہ تاباں کو کیا ہوا
وہ مہر آسماں نکوئی کساں گیا

کھودی خزاں نے رونق گلزار ہائے
پھرتی نہ تھی جو پردہ نشین گھر میں حجاب
سرد فسادہ قامت محشر خرام ہے
ہم خواب مہ جبین کی مرے آنکھ مند گئیں
وہ شمع مہر پر تو مہ جلودہ بجھ گئی
ہے کچھ خبر بھی گھر مرادیران ہو گیا
اب پوچھے مجھ سے عاشق بیکس کی بات کو
روتاہوں جاں کو ملک الموت کی زرا
اے چرخ یارکش تجھے پاس فانیں
نظارہ ہے محرک ماتم ہزار حیف

پژمردہ ہو گئے گل رخسار ہائے
نغش اس کی جائے ہو سر بازار ہائے
کیا ہو گئی وہ شوخی رفتار ہائے
کیا سو گئے ہیں طالع بیدار ہائے
دنرات ہے فروغ شب تار ہائے
سر پھوڑا اپنا ہے در دیوار ہائے
اس میں نہیں ہے طاقت گفتار ہائے
کھ میرے ساتھ تو بھی تو غنوار ہائے
میں اور رنج و محنت آزار ہائے

نظارہ ہے محرک ماتم ہزار حیف
ابرد ہوا ہلال محرم ہزار حیف

اس مرنیے میں بھی مومن کا کمال فن درجہ کمال کو پہونچ گیا۔ فن کی اس سے بہتر مثال اردو شاعری پیش نہیں کر سکتی تاثر صرف زور قلم سے

ہر قسم کا عطر کا رخاں صہر علی محمد علی تاجر عطر چوک لکھنؤ سے خرید کیجئے

سے پیدا کی گئی ہے۔

واسوخت حکیم مومن خاں کے کلیات میں تین واسوخت بھی موجود ہیں مومن کی عاشقانہ طبیعت کے لئے یہ صنف سخن خصوصیت کے ساتھ موزوں تھی۔ انھوں نے معشوقوں کی بیوفائیاں دیکھی ہیں۔ واسوخت میں جو فرضی باتیں ہوتی ہیں وہ ان پر الف تائے گزری چکی ہیں ظاہر ہے کہ ان کی واسوخت کی نشتریت کس بلا کی ہوگی لیکن میں بخوف طوالت انھیں نقل نہیں کر سکتا کہیں کہیں سے کوئی سبیلے لیا گیا ہے بہت ممکن ہے ان مثالوں سے ان کے طرز کا پتہ چل سکے۔

کچھ زمانے کا اعتبار نہیں دور گردوں پہ اختیار نہیں
عشرت دہر پایدا رہیں چرخ کو ایک دم قرار نہیں

ہو بجائے ہماری بات بڑی

کبھی دن ہے کبھی ہے رات بڑی

زلف تھی ہم اثر شام غریباں کس دن صبح محشر تھا بھلا چاک گریباں کس
برق خرم تھا کو خندہ پنہاں کس سرمہ مختار شک بلائے شب بھراں کس

خوبی طرز تغافل کی خبر کا سیکو تھی

شوخی جنبش مرزاں نظر کا لہو تھی

میں ہی تو رہا ہوں کہیں شکو خوش خرم میں نے ہی تو کی بادہ کشی غیرے باہم

میری ہی نظر سے ہے عیاں نیند کا عالم آتی ہے جمائی پہ جمائی مجھے ہر دم

انگڑائیاں لیتا ہوں یہ اب میں ہی تو بہیم میری ہی تو گردن میں پڑا جا ہے کچھ خم

میری ہی تو آنکھوں میں غضب بھری ہے میری ہی جبین ہے کہ جو گھٹنے پہ ہری ہے

آخری بند کا طنز قابل ملاحظہ ہے۔ مومن کی کامیاب واسوخت نویسی کی داد مومن کی شاعرانہ منزلت کو کچھ ایسا بلند نہیں کر سکتی صرف انکی عاشق مزاجی اور موزوں طبیعت ان کے واسوخت کو واسوخت بنا سکتی ہے۔

تضمین شاعر کی زور طبیعت اور سخن فہمی کی آئینہ دار ہوتی ہے بعض اوقات ادبچے شاعروں کی تضمین اصل غزل یا قصیدے کو بلند کر دیتی ہیں اور خود ان سے بلند ہوتی ہیں مثال میں محسن کا کوردی کا مشہور قصیدہ لے لیجئے جس کا مطلع ہے۔

شاننا لوح دل سے نقش ناموس اب وجد کا دبستان محبت میں سبق تھا بھکوا بجد کا

خود منشی امیر احمد صاحب محسن کا کوردی سے بلند پایہ شاعر تھے اور میری رائے میں ان کی تضمین اصل قصیدے سے بلند مرتبہ رکھتی ہے۔

ہر کسبہ عریات تازہ کا رخا نہ صفر علی محمد علی تاجر عطر جو کہ لکھنؤ خرید کیجئے

اسی طرح مومن نے اپنے شاگرد شیفتہ کے ایک غزل کی تصنیف کی ہے اور غزل کو بلند کر دیا ہے۔
”تصنیف ضم طوطی مشکرستان ہند:-“

صبح دمید شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سہ کنید یار باین بہانہ رفت
تصنیف کے دو تین بند ملاحظہ ہوں:-

ہاے نظریں پھرتی ہیں شب کی سیاہ ستیاں
بادہ سُرُخ رنگ کے فرش پہن کئی نشان
تاب گسل خار ہوشہ وصل اب کہاں
یہل سر شک لالہ گوں چشم کی کوش ہواں
صبح دمید شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سہ کنید یار باین بہانہ رفت
جلوہ بزم عشرت و رنق خانہ ہاوی ہاوی
زمزمہ و ترنم و رقص و ترانہ ہاے ہاے
ساقی و مطرب و مے وصل شبانہ ہاوی ہاوی
گردش چرخ حیف حیف دور زمانہ ہاے ہاے
صبح دمید شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سہ کنید یار باین بہانہ رفت
مومن یا وہ گو حریف تو نہیں اپنے راز کا
رات گویاں گزر ہوا اس بت و نواز کا
وقت اذان تلک رہا زمزمہ عیش و ناز کا
کس سے ادا ہوا بصلوۃ ہوش کہاں ناز کا
صبح دمید شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سہ کنید یار باین بہانہ رفت

حافظ نظیری اعرافی اہل علم و ادب کی غزلوں پر تصنیف موجود ہیں کلیات ملاحظہ ہو

مومن کی طبع رسائے تاریخوں میں معنی و مخبرجہ کوجن کا شمار عیوب میں ہوتا تھا محسنات تایخ میں داخل کر دیا مومن
معنی اور تاریخیں سے پہلے شعرا اور ان کے معاصرین نے بھی تاریخیں لکھی ہیں لیکن اعداد کو جمع کرنے کے علاوہ اور کوئی تکلیف
گوارا نہیں کی ہے۔ مومن کی تاریخیں شاعرانہ نزاکتوں سے مالا مال ہیں۔

تاریخ رحلت حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قس سرہ العزیز

دست بیداد اجل سے بے سرو پا ہو گئے فقر و دین فضل و مہر لطف و کرم علم و عمل
فقر و دین فضل و مہر علم و عمل کو بے سرو پا کر دیجئے ۱۲۳۹ھ تکل آئے گا۔

تاریخ ولادت دختر مومن خاں

نال کیٹنے کے ساتھ ہاتھ نے کسی تاریخی دختر مومن

دختر مومن سے نال کے اعداد خارج کر دیجئے ۱۲۵۹ھ تکل آئے گا

تاریخ وفات دختر

خاک بر ذرق دولت دنیا من نشاندم خزانہ بر سر خاک

سادہ تاریخوں میں مومن نے اپنے والد ماجد حکیم نبی خاں کی وفات کی تاریخ قد فاضلہ عظیمہ اور اپنی جدہ کے انتقال کی تاریخ وفات بالنعیم سے نکالی ہے۔

گلشن بخت کی تاریخ مع قطعہ دیکھنے کی چیز ہے

کیا تذکرہ شیفتہ نے لکھا	ہے شیفتہ جس کے جان معنی
یوں نکتہ شناس ہیں پرایسا	کوئی نہیں قدر دان معنی
انکار بلند سے بنایا	نہ چرخ پہ آسمان معنی
ہر فقرہ شریح جان مضمون	ہر شعر و واں روان معنی
کیا بات ہے منتخب کی تیرے	اے منتخب جہان معنی
ہر نقطہ انتخاب تیسرا	خال رخ دلبران معنی
تیرے جو سخن ہے سرفراز	الفاظ کا پایہ شان معنی
معنی ہیں ثنا طراز الفاظ	الفاظ مدیح خوان معنی
ہے تذکرہ یار یا ض فردوس	فردوس یا جہان معنی
سے تازہ بہار باغ مضمون	اے گلشن بیخزان معنی
مومن نے جب اسیں دیر تک کی	سیر گل و ضمیر ان معنی
آیا ہے خیال سال انعام	تھا وہ بھی تو باغبان معنی
غنجہ کی طرح سے سرفرد تھا	یک چند وہ ہمزبان معنی
جب نغمہ سرانہ ہو سکا وہ	دستاں زن داستان معنی
ہاتھ نے کہا ہر اس کی تاریخ	گلدستہ گلستان معنی

معموں میں ایک معمہ لاجواب ہے اور بقول آزاد ایسا تو سنا نہیں گیا۔

معمہ باسم کتاب رے

بنے کیونکر کہ ہے سب کار الٹا ہم الٹے بات الٹی یا ر الٹا

ردغنی بلیہ کارخانہ صغریٰ علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خرید کر لایا ہے

ہم بات یا رکوالٹ دیجئے ہمتاب رائے نکل آئے گا۔

مومن کی عدم مقبولیت کے اسباب

مومن کی کلیات پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد بھی جو پہلا سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اتنا بڑا جامع شاعر جس نے کوئی صنف سخن ایسی نہیں چھوڑی جس میں اس نے کما حقہ داد سنخوری نندی ہو کیونکر اپنے معاصرین کی بہ نسبت گناہم رہا۔ غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مومن خاں کے زیادہ مشہور نونیکا ایک سبب ان کی خودداری تھی جو خود پرستی تک پہنچ گئی تھی دوسرا سبب ان کی مذہبیت تھی جس نے انہیں تعصب کا رنگ لگایا تھا تیسرا سبب ان کے کلام کی نازک خیالی تھی جس کی زمانہ قدر نہ کر سکتا تھا۔ یہی تین وجوہ دراصل ان کی عدم مقبولیت کا باعث تھے اور مجھے یقین ہے کہ ایک زمانہ وہ بھی آئے گا بلکہ آ رہا ہے جب یہی عیوب محاسن بنکر ان کی شہرت کا باعث ہوں گے۔ مومن کی خودداری کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے احباب کا ادنیٰ سا احسان بھی گوارا نہ کرتے تھے یہی خودداری تھی جنہوں نے ان کو شاہی دربار سے کبھی وابستہ نہ ہونے دیا خود ان کا کلام ان کی خودداری کا شاہد ہے۔ خود پرستی بری چیز کی جیسے لیکن خود شناسی کا شمار عیوب میں نہیں ہو سکتا۔ اسی خود شناسی نے مومن میں خود اعتمادی پیدا کر دی تھی جس نے یہ صورت اختیار کر لی تھی کہ وہ اپنے معاصرین کو شاعر ہی نہیں سمجھتے تھے۔ بارہا انہوں نے ان کو سگان جیفہ خوار لکھا ہے لیکن کسی کی ذات پر حملہ نہیں کیا ذاتی طور پر ان کو ذوق یا غالب کسی سے پر خاش نہیں تھی جس طرح ذوق و غالب میں چوٹیں چلتی رہتی تھیں۔ مومن اس سے بلند نظر آتے ہیں اگر مومن نے غالب و ذوق پر چوٹیں نہیں کی ہیں تو اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ وہ ان شعراء کو اپنا مقابل سمجھنا گوارا ہی نہ کرتے تھے۔ مومن کے تبحر علمی اور جامعیت کے سامنے مفتی صدر الدین آزاد وہ جیسے فاضلوں کو خاموش رہنے کے سوا چارہ کار نظر نہیں آتا ذوق و غالب غریب کس شمار قطار میں تھے۔ آزاد نے ذوق کو شیخ اکبر ابو حنیفہ فخر رازی سب کچھ لکھ دیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز کے شاگرد مومن کے سامنے ذوق کے ادعائے علمیت کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔ مومن کی یہ ادا بری ہو یا اہلی مومن کے کلام میں نمایاں ہے:-

ہیں یہ سگان جیفہ خوار مغرب سخن بے نصیب کافر استخوان پرست طرہ سگی دکا نری
یہ اپنے معاصرین کی طرف اشارہ ہے لیکن انداز کلام اس کا شاہد ہے کہ کسی کی ذات پر حملہ نہیں کیا گیا ہے
اپنے انداز کی بھی ایک غزل پڑھو مومن آخر اس بزم میں کوئی تو سخاں ہوگا
سخن گو تو کیا مومن مشکل سے کسی کو سخن فہم سمجھتے تھے۔

مومن بخدا سحر بیانی کا جی بھی تک ہر ایک کو دعویٰ ہو کہ میں کچھ نہیں کہتا
اگرچہ شعر مومن بھی نہایت خوب ہے کہاں ہے ایک معنی بند مضمون یا اپنا
مومن تجھے تو دہب ہے مومن ہی وہ ہیں جو معتقد نہیں تری طبع سلیم کا

اپنے ڈھب کی کیا پڑھی اک در مومن نے غزل دہی دن میں یہ تو کیسا اہرن ہو گیا
 مومن اُسی نے مجھ سے دی برتری کسی کو جو بہت فہم میرے اشعار تک پہنچا
 حق تو یہ ہے کیا غزل اک در مومن نے پڑھی آج باطل سارے استاد و کا دعویٰ ہو گیا
 ایسی غزل کہی یہ کہ جھکنا ہر سب کا سر مومن نے اس زمین کو مسجد بنا دیا
 وہ مشق یہی اور نہ وہ شوق یہ مومن کیا شعر کہیں گے اگر الامام نہوگا
 مومن سے اچھی ہو غزل تھا اسے یہ زور کیا کیا مضامین لائے ہم کس کس ہنر و بیان
 بڑھتا ہے کہیں غزل جو مومن لگ اوتھستی ہے ایکبار آتش
 اک اور پڑھ وہ مومن شعلہ زبان غزل جل جائیں جس کے رشک حلاوت بیان شمع
 مومن یہ شاعروں کا مرے آگے رگت جوں پیش آفتاب ہو بے نور تر چراغ
 مردوں کو تجھ پہ دیتے ہیں ترجمہ جو حشو مومن یہ جان لے کہ سگت حیفہ خواہیں
 شعر تر وہ ہیں مرے مومن کہ ہنگام جواب خوف سے منہ اور زبان ہر سخن و خشک بو
 مدت سے نام سنتے تھے مومن کا بار آج دیکھا بھی ہنسنے اس شعرا کے امام کو
 یار مومن سے بھی ہیں مدعی رداں واہ افکار تران اومفتہ یابں کے
 عبث ترقی فن کی ہوس ہو مومن کو زیادہ ہو ٹیگا کیا اس بے مثال تو ہے

اسی طرح تصاید میں تعلیم کی گئیں لیکن مومن اسے تعلی نہیں کہتا امر واقعہ سمجھتا ہے۔ ہر حال معاصرین نظر تاً مومن سے خوش
 نہ ہونگے اور نہ ردہ سکتے تھے

دوسری بات مومن کی مذہبیت ہے۔ انھوں نے شیعوں پر اور حنفیوں پر جہاں موقعہ پایا ہے جوڑیں کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا اثر مومن کی
 شہرت پر اچھا نہیں پڑا۔ پہلا بدلہ مومن سے شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے لیا کہ اب حیات کے پہلے اڈیشن میں مومن کا نام
 ہی نہ آیا۔ لیکن جب اب حیات میں مومن کی عدم موجودگی کی توجیہ لوگوں نے نئی نئی طرح کرنا شروع کر دی تو مجبوراً شمس العلماء کو دوسرے اڈیشن
 میں یہ کہہ کر مومن کو بھی جگہ دینی پڑی۔ کہ مجھے مجبوری اُن کا حال قلم انداز کرنا پڑا تھا۔ دنیا کے لوگوں نے اپنے اپنے حوصلہ کے بموجب ہر
 جو چاہا سو کہا۔

تصاید اور تنویوں میں اثنا عشریوں پر حملے ہیں غزل اور رباعیاں حنفیوں کے لئے وقف ہیں۔
 ایک قصیدہ کی تشبیب کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

وہ بدشعار طر حدار دلربا جس سے امید وصل خطا ترک آرزو مشکل
وہ شوخ بے سبب زار بیگنہ خونریز کہ جرم قاتل عثمان کا نہ ہو قاتل
وہ نکتہ داں کہ تقیہ کو اصل دیکھیں دم شکایت عاشق نہ ہو جفا و خجل
وہ دور ہیں کہ خدا پر کرے بد اثبات نہیں ہے غیر زبس اعتماد کے قاتل
وہ کج ادا صنم خود پسند کا فرکیش کہ جس کے زعم میں باطل حق اجتناب
وہ فتنہ گر بت حق ناشناس نا اصفان جو فرشتہ عین گئے کین و در عار

نرالا سب سے اسکا کیش و آئیں رقیب اہل بیت و دشمن دیں
غضب خونریز و کافر ماجرا ہے نضائے خانہ دشت کربلا ہے
گلے اپنے شہیدوں کے لگے خاک جسد مردے کا اس مذہب میں پاک
نہ ہونڈے قتل عاشق میں سب کچھ برائے مصلحت جائز ہے سب کچھ
ظلم شیعگی جادو کلامی

لیکن یہ دل آنے کی باتیں تھیں حنفیوں پر تو خالص مذہبی نقطہ نظر سے حملہ کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔
یہ چند منافق سراپا بدعت ہے کفر و ضلال فسق جن کی طینت
بتلاتے ہیں بدعتی امام حق کو گویا کہ جبار ہے خلاف سنت

یہ کچھ رہ سنت نہ طریق توحید پھر کیا ہے ضرور سبکی کیساں فہمید
ہم سمجھے ہیں معنی حقیقی یعنی حیواں ہیں حقیقت میں یہ اہل تقلید

ہر چند نہیں قیاس سے کچھ سر و کار پر تو بہ سے از سبکہ ہوا میں بیمار
سے بہرہ دہ اپنے کو مفتی کے حضور تقلید ابو حنیفہ کا ہے اقرار

غرض ہر ممکن پہلو سے حنفیوں پر حملہ کیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ سنی کوئی ان سے خوش نہ رہا اور اس جرم میں امکا کلام جس
داد کا مستحق تھا اس سے بھی محروم رہا۔ لیکن اس عصبیت کا کیا سبب ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سیاسی ہے نہ کہ مذہبی مومن اپنے

عقائد میں وہ مذہبی ہوں یا سیاسی (نہایت شدید) واقع ہوئے تھے۔ ان کی شاعری بھی ان کی اسی خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے دلی بھر میں مومن خاں کے بھیجاں ایک مولوی اسماعیل شہید تھے۔ ہندوستان نصرائیوں کے پنجہ آڑ کا رفتہ رفتہ شکار ہو رہا تھا مولوی سید احمد صاحب بریلوی رح کی دربار بن نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ اگر اس نصرانی فتنہ کا سد باب نہ کیا گیا تو وہ دن دور نہیں جب سارا ہندوستان ان کے قبضہ میں ہو گا چنانچہ جہاد اسی خیال کا نتیجہ تھا۔ مسلمانوں پر ہمیشہ یہ الزام رکھا جاتا ہے کہ انہیں ہندوستان سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی ان کی ہمدردی ہمیشہ عربوں اور ترکوں کے ساتھ رہی، مسلمانوں کو یہ طعنہ دینے والے دیکھیں کہ انیسویں صدی کے وسط میں مولوی سید احمد صاحب بریلوی نے جو تحریک جہاد کی تھی وہ کس خیال پر مبنی تھی۔ مومن خاں مولوی صاحب کے سرگرم متبع تھے۔ دوسرے لوگ جب اس تحریک کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر رہے تو مومن خاں کو مجبور ہو کر ان کے خلاف اپنی آواز بلند کرنی پڑی۔ مومن خاں کا انتقال غدر سے پہلے ۱۸۸۵ء میں ہو گیا۔ ہندوستان رفتہ رفتہ انگریزوں کے قبضے میں جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر مومن خاں کا دل دکھتا تھا دلی میں کوئی ایسا نہ تھا جس سے وہ اپنا درد دل کہتا سارا غبار وہ شعر کہہ کر نکالتا۔ تحریک جہاد کی وجہ بھی سن لیجئے :-

مومن حسد سے کرتے ہیں یاں جہاد کا ترسا صنم کو دیکھ کے نصرا نیوں میں ہم

کلیات میں ایک جہاد یہ شذیہ بھی موجود ہے۔ افسوس دلی اس غیر معمولی دل و دماغ کے آدمی کی قدر نہ کر سکی اور اس تحریک جہاد کو کماحقہ کامیابی نہ حاصل ہو سکی ورنہ آج ہندوستان آزاد ہوتا بہر حال سطحی نگاہوں نے مومن کی اس عصبیت کو دیکھ کر ان کے کلام کو بھی ٹھکرا دیا، لیکن اس جذبے کی قدر نہ کی جس کا وہ نتیجہ تھا اردو میں فارسی کی چست بندشوں کے اول و اول استعمال کرنے کا سہرا جو آج غالب کے سر پہ اس کے بانی اردو شاعری میں مومن خاں ہوئے ہیں۔ جس دلی نے اس دور میں غالب کی قدر نہ کی وہ مومن کی قدر کیا کر سکتی تھی۔ ذوق کے کلام سے لطف اٹھانے والے مومن کی شاعری کیا خاک سمجھ سکتے تھے، زمانے پلٹا کھایا اور دنیا ذوق کو چھوڑ کر غالب سے لطف اندوز ہونے لگی اب وہ زمانہ بھی دور نہیں کہ مومن اردو شاعری میں غالب کے دوش بدوش نظر آئیں، فلسفہ اخلاق و تصوف کو جو لوگ شاعری میں ڈھونڈتے ہیں اُن کے لئے مومن کی کلیات میں کوئی سامان دیکھسی کا نہیں لیکن جو لوگ اظہار جذبات اور لطیف تاثرات کے لطیف انداز بیان کو شاعری سمجھتے ہیں وہی مومن کی قدر کر سکتے ہیں۔ مومن فلسفہ اخلاق و تصوف کو شاعری موضوع نہیں سمجھتے وہ جذبات کی شاعری کو شاعری جانتے ہیں۔

جذبات کے اظہار کے لئے مومن نے نئے نئے اسلوب بیان اختیار کئے جہاں کہیں جذبات کا تجزیہ مشکل ہو جاتا ہے وہاں شاعر کو اپنی قدرت بیان اور زورِ طبیعت کا جوہر دکھانا پڑتا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات اُسے نئی نئی بدشین اور ترکیبیں ایجاد کرنا پڑتی ہیں اور بعض موقعوں پر خیالات اتنی پیچیدگی اختیار کر لیتے ہیں کہ معمولی سمجھ کا آدمی اُن سے پورا لطف نہیں اٹھا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ذوق کی سادگی بیان کے سامنے مومن و غالب کا رنگ نہ جم سکا۔ لیکن اسلوب بیان کی ندرت بھی کوئی معمولی چیز نہ تھی وہ وقت بھی آیا

تصویر کا دوسرا رخ

کہ مومن اور غالب نگاہوں پر چڑھے اور وہی وجہ جو کبھی مومن کے عدم مقبولیت کا باعث تھے اب قبول عام کا سبب بن رہی ہیں ایک ناقد کا تلخ فرض یہ ہے کہ تصویر یہ روشن رخ کی طرح اس کے تاریک رخ کو بھی منظر عام پر لائے اس لئے یہ ضروری ہے کہ محاسن کے ساتھ عیوب کا بھی بیان کیا جائے۔ اصل یہ ہے کہ عرفی کی طرح مومن کی ٹھان بھی خوب ہوئی مگر افسوس کہ ترقی کا موقع نہ مل سکا۔ اگر مومن کی عمر وفا کرتی اور اُن کی مجتہدانہ ایجاد پسندی اور لاابالیانہ راستہ مزاجی اتنی مہلت دیتی تو اس میں شک نہیں کہ اردو شاعری میں ان کا جواب نہوتا۔ انہوں نے شاعری کو فن کی حیثیت سے کبھی اختیار نہیں کیا البتہ تفریح کی نیت سے کیا اور اپنے دوسرے مشاغل کی طرح سامانِ بے تعلیٰ سمجھا۔ یہی سبب تھا کہ اُن کے کلام میں چند نقائص رہ گئے جنہوں نے کلام کو پیچیدہ بنا دیا۔ غلات کی تہ میں خیالات کی پیچیدگی اور زبان کی ناہمواری دو خاص عنصر ہیں جو قابلِ بحث ہیں۔ مومن پر بحث کرتے ہوئے اس امر کو بھی نظر انداز کرنا چاہئے کہ وہ شاہ نصیر کے شاگرد تھے گو وہ شاگردی چند ہی دن کی کیوں نہ رہی ہو صاحبِ شعر اُسند نے شاہ نصیر کو بجا طور پر دہلی کا ناسخ لکھا ہے۔ مومن نے جب آنکھ کھولی تو دہلی میں شاہ نصیر کی استادی کا ڈکان بج رہا تھا جب جوان ہوئے تو دہلی میں ناسخ کا دیوان پہونچ چکا تھا جس کا وہ شہرہ تھا کہ بقول غالب ہمنے اور مومن خاں نے یہ عہد کر لیا کہ ناسخ کا متبع کرنا چاہئے۔ لیکن یہ عہد کسی سے بچ نہ سکا مومن خاں اپنے پرانے رنگ پر آگئے اور میں نے میر کا طرز اختیار کیا۔ نسخہ حمید یہ میں غالب کی یہی غزلیں ہیں جنہیں ناسخ کا رنگ تیزی کے ساتھ جھلکتا نظر آتا ہے اسی طرح کلیات مومن میں بہت سی غزلیں ایسی نظر آئیں گی جن میں نصیر اور ناسخ کا متبع صاف ظاہر ہوتا ہے اس میں شک نہیں کہ شاعری بحیثیت (آرٹ) فنِ ناسخ کے یہاں حد کمال کو پہونچ گئی لیکن شعرا نے دلی کیلئے جن کی شاعری سراسر جذبات کی شاعری ہے یہ متبع مفید نہیں ہو سکتا کیونکہ کلام میں آورد جذبات کے اثر کو کھو دیتا ہے۔ ذیل کی مثالیں میرے اس بیان کو واضح کر دیں گی

بن ترے اے شعلہ رد آتشکدہ تن ہو گیا شمعِ قد پر میرے پرزائے برہمن ہو گیا
بسکہ میں سارے برس رہتا رہا غم میں ترے جیٹھ اور بیساکھ کا ہی چاند سا دن ہو گیا
آخر اشکوں کے بھر آنے نے ڈبویا ہے مجھے چشم کا سوراخ کو کشتی کا رذن ہو گیا

ظلم کا ثمرہ ہی تھا دیکھ کر گلہاے داغ بید مجنوں دیکھ کر وہ سردِ رنما ہو گیا
ہے مشک بسکہ روتے روتے چشمِ ماہر شبِ جواشک آیا تو اک عقد ثریا ہو گیا

ناش کا ہدم کفن لانا کہ بس میں مر گیا چلو نوز سے جلوہ خورشید سیما دیکھ کر

روغنِ آملہ کا رخا نہ صغریٰ علی محمد علی تاجر عطر جو کہ لکھنؤ سے خرید کیجئے

یاد آسوسے دشمن مسکا جانا گرم گرم پانی پانی ہو گیا میں موج دریا دیکھ کر

دوستوں میں اس روضہ قیام پر لاش بھی میری بہانا بعد مردن آبیں

(۱) خیالات کی پیچیدگی

مومن خاں فارسی کے نہایت اچھے شاعر تھے اس لئے متاخرین کے طرز سے ان کو خاص دلچسپی تھی، اسی وجہ سے اردو میں بھی بلا ارادہ وہی طرز اختیار کی اگرچہ اس کی تقلید کا اعتراف کرنا ان کی شان اجتماع کے خلاف تھا۔ علاوہ بریں خاں صاحب طبعاً روش عام سے احتراز کرنا اپنی خودداری کا مقتضایا سمجھتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے اردو میں ”میر و میرزا“ سید انشا و شیخ مصحفی کسی کی پیردی نہ کی بلکہ اپنی راہ دنیا سے الگ نکالی۔ حد ہو گئی کہ خیالات کی پردہ آزی اور اسلوب بیان کی جدت میں غالب بھی ان سے پیچھے رہ جاتے ہیں سننے والے سنتے ہیں اور سر نہ ہنرتے ہیں یہی بلند پردہ آزی اور ناز کنجیالی جب اعتدال سے بڑھ جاتی ہے تو معمر بنکر رہ جاتی ہے مثال ملاحظہ ہو:-

دیکھ اپنا حال زار منجم ہوا رقیب	تھا سازگار طالع ناساز دیکھنا
ان سے پری دش کو ندیکھے کوئی	مجھ کو مری شرم نے رسوا کیا
تائیر بیقراری ناکام آفریں	ہے کام ان سے شوخ شمایل کو تھا منا
کیا رم نکر دگے اگر ابرام نہ ہوگا	الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہوگا
ذکر اغیار سے ہوا معلوم	صرف ناصح برائیں ہوتا
دن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہونگے	فلس ماہی کے گل شمع شبستاں ہونگے
یہاں دل کے عوض جان و رقیب تو دوں	میں اور آپ کی سوداگری زبان کے لئے

(۲) زبان کی ناہمواری:-

اساتذہ دہلی باستثنای ذوق معنی کو الفاظ پر ترجیح دیتے ہیں جس کا اکثر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود ان کے کلام میں صحت زبان اور درستی بندش کی خامیاں جا بجا نظر آتی ہیں یہی حال مومن خاں کا ہے کہ انھوں نے کبھی صحت زبان کی طرف توجہ نہ کی اس بات کو ان کے رتبے سے فرد تر سمجھے یا بالاتر مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ اس بارے میں مرزا غالب سے بھی زیادہ بدنام ہیں اور بجا طور پر بدنام ہیں، خیالات کی نزاکت اور ندرت کے علاوہ بندش کی تعقید خاص طور پر ان کے کلام کے اغلاق کی ذمہ دار ہے۔ دیوان ایسے اشعار سے بھرا پڑا ہے، یہاں چند مثالیں

بے حجابی کا گلہ کیجے تو کتا ہے ترے	پردہ چشم کی تقصیر کہ حایل نہ ہوا
شوخی کتا ہے بے حیا جانا	دیکھو دشمن نے تم کو کیا جانا

ہاں جوش تبش چھڑ جلی بے کہ پر تو جھڑ جائیں گے فرسودہ اگر دام نہ ہوگا
 عزیز گریہ خونیں رہا نکر ہمد غم لباس یعنی پہنتے نہیں مسلمان سرخ
 خدا یا شکر سلام تک پہنچا کہ آپو بچا لبوں پر دم بلا ہر جوش خورشاق شہادت کا
 ہے کفر و بدعت ایک نہیں تار سمجھ سے زندہ مومن آئے ہر کیوں برہمن کی یاد
 لکھ کے بدستی غم تاکہ وہ میکش چھ لے باندھ دیتا ہوں سر شیشہ صہبا کا غد
 غم خانہ تنگ و تاری اور ہم سیاہ روز جلتے ہیں یعنی چاہئے آٹھوں پہر حیران
 وہ گردن دیکھ یہ حالت ہوئی تغیر شیشہ کی کہ کھمتی ہی نہیں سچکی ہوئی ہر دیر شیشہ کی
 محفل میں تم اغیار کر دزدیدہ نظر سے منظور ہے نہاں نہ رہے راز تو دیکھو

ان کی عادت ہے کہ جملے کا ایک ٹکڑا ایک مصرع میں اور دوسرا ٹکڑا دوسرے مصرع میں لاتے ہیں جس کی مثالیں اوپر گزری ہیں کبھی نامانوس
 ترکیبوں اور ثقیل الفاظ سے کبھی مشکل اصطلاحات اور شہادت بعیدہ سے شعر کو گور کھ دینا بنا دیتے ہیں جیسے بندہ شور عجز اور اک سیما۔ عن
 شمس، نہ فلک نو آفریں، رجب عطاس غر جہا، نجلت آب پیکری، زبان بیدہ سایل وغیرہ، یا ایلادس، ائیوس، ادا فیوس، شاموس، لبوس
 جام غرود، فال اختر، قمر چاکر، مثلث عامل، تجدد امثال، افتاء سدوم، حدیث صنعانی وغیرہ۔

وہ نعرہ علم کیابی جس نے کہ اس آگ کو بجھایا

کو پڑھ کر فوراً ذہن کا قصہ حضرت خلیل کی طرف منتقل ہونا یا

جلتا ہوں اہل نار کی تبدیل جلد سے مومن غضب ہے لذت آتش فزا داغ

سے معاً آئیہ کریمہ بدلنا ہم جلوہ غیر ہا ہمک خیال کا پہنچنا۔ یا

تیشہ کچھ دشمن شیر دیہ نہیں دی غیرت اپنے ہی خوں سے مگر دامن فرما دھیرے

کو سنکر شہر دیہ کے اپنے باپ (خسر پرورینہ) کو قتل کرنے کے تاریخی واقعے تک حافظے کا رسا ہونا دشوار اور یقیناً دشوار ہے۔

خاں صاحب نے باوجود تبحر علمی بے پردائی سے بعض الفاظ کا غلط استعمال کیا ہے مثلاً شمر بکون میم کو شمر بفتح میم لکھا ہے یا مضاف الیہ
 کی نون آخر کا اعلان کیا ہے، جیسے یہ دیکھ لو کہ مجھے طاقت بیان نہیں اسی سلسلہ میں ہم اتنا اور اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ مومن نے بعض موقعوں
 پر ردیف بالکل بے کار رکھی ہے جیسے :-

نچہ پہ طوفان اٹھائے لوگوں نے مفت بیٹھے بٹھائے لوگوں نے

کل دیکھ کے وہ عذار آتش کیا کیا ہی جلی ہے یار آتش

شاگردان مومن

یہ نقائص ان کے کلام میں نہ ہوتے تو بہتر تھا، تاہم ان کے کمال میں فرق نہیں آسکتا۔
 مثنوی پنجم الموصوم بہ حنین غم میں مومن نے اپنے بعض شاگردوں کا تذکرہ کیا ہے ملاحظہ ہو

کون سے شاگرد وہ استاد فن
 بے سخن ہے دلربا جن کا سخن
 دشت و مضطر کرم تسکین دیا
 اکبر و عظمت سراسر از سخن

شیفتہ سر دفتر اہل تسلیم
 نکتہ خاطر شاں جن کا رقم

شاگردان مومن و غالب نے مومن اور غالب کی چست و نادر ترکیبیں بحال رکھیں اور صفائی زبان کا زیادہ اہتمام کیا۔ آج عشرت افانی، جگر
 نے اردو شاعری میں جو رنگ اختیار کیا ہے اس کی بنا مومن اور غالب نے ڈالی تھی۔ اردو شاعری ذوق کے نقش قدم پر چل کر ترقی نہیں
 کر سکتی۔ آج تو وہی مومن کا اجتہاد و کام آ رہا ہے جو کبھی بری نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ مومن کے کئی ایک شاگردوں نے ان کے مرنے
 کے بعد مرزا غالب سے اصلاح لی۔ جن شاگردوں کا کلام تلاش و جستجو سے دستیاب ہو سکا ان کا انتخاب ہدیہ ناظرین ہے۔

آشفۃ۔ حکیم سید منور علی خلف سید علی نواز رضوی سادات بارہا سے تھے۔ دلی ہی میں رہتے تھے۔

بہت روئے تو اپنی جاں کھوئی
 کسی کا ہمنے بستلاؤ لیا کیسا

سنا تھا ہے آشفۃ کو کوئی دم کا ہماں ہے
 کئی دن ہو گئے اسکو نہ مرتا ہے۔ جتنا ہے

آہی۔ میر عبد الرحمن خلف میر حسین تسکین۔ مومن خان کے داماد اور ان کی کلیات کے مرتب ہیں۔

اُنھ کہیں ہے آمد آمد اس سنگر کی وہاں
 اہل محشر بھٹکویہ مزہ سنا کرے گئے

ہے غلط دہوم کہ نکلا تھا وہ گھر سے باہر
 شہر میں چاک کسی کا تو گریبان ہوتا

قلق حکیم مولا بخش میرٹھی۔

بے اعتبار یوں نے مری تجھ کو کھو دیا
 ہے مجھ میں جو نہاں وہی تیرا ظہور تھا

نہ ہو آرزو کچھ ہی آرزو ہے
 فقط میں ہی میں ہوں تو پھر تو ہی تو ہے

محبت میں کہاں شرکت گوارا
 اوٹھائے نالہ کیوں تست اثر کی

دیکھو تم ظریفی دودِ دل و جگر کی
 اک آسماں کو بھونکا اک آسماں بنایا

فصل بہار اپنی گزری ہو یوں ہی ساری
 یاں آشاں بنایا داں آشاں بنایا

کچھ تماشا ہے کھیل ہے کیا ہے
 اک زمانے کو قستل کر بیٹھے

بیابان نواب عباس علی خاں رامپوری

داد سے روز جزا کے بھی رہو نگاہ مردم

یہ نظر آئی ہے طول شب بھراں مجھکو

سحر ندکھنی ہمسکو نصیب ہو یارب

شب فراق میں اپنی یہی دعا ہوگی

بیمار شیخ علی بخش بنبل مراد آباد کے رہنے والے۔ طور کلیم۔ بزم سخن۔ خجنا نہ جاوید میں مصحفی اور غفلت کے شاگرد بتائے گئے ہیں مولانا حسرت موہانی کی تحقیق ہے کہ بیمار قدرت اللہ شوق کے شاگرد ہیں۔ اڈیٹر نگار نے نظام شاہ رامپوری کے تذکرے میں انہیں

مومن کا شاگرد لکھا ہے :- کون پرہاں ہے حال لبیل کا

خلق منہ دیکھتی ہے قاتل کا

لب جو کون سیر کو آیا

موج منہ چومتی ہے ساحل کا

سانس آہستہ لیجیو بیمار

ٹوٹ جائے نہ آبلہ دل کا

تسکین میر حسین بشاشہ میں وفات پائی مومن خاں کے ارشد ملازمہ میں انکا شمار ہوتا ہے :-

کوچہ یار میں نے تسکین

پاؤں رکھا تھا کہ سر پہ دایا

تسکین کر دل کیا دل مضطر کا علاج اب

کجخت کو مکر بھی تو آرام نہ آیا

تسکین نے لے کے نام ترا دقت مرگ آد

کیا جانے کیا کہا تھا کسی نے سناہنس

قاصد آیا ہے وہاں سے تو زما تہم تو سی

بات تو کرنے دے اس سے دل بیتاب مجھو

فتنہ محشر کا تھا سب کو گماں

تجھ کو پہچانا تری رفتارے

اب یہ حالت ہے کہ اُن سا بیدرد

میرے مرنے کی دعا مانگے ہے

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

کے دیتی ہے شوخی نقش پاکی

تہور۔ مرزا غلام فخر الدین مرزا صابر کے بھائی تھے کبھی کبھی مومن سے بھی اصلاح لی ہے

اب ہے کیا باقی جو کاوش ہو تری دست جنوں

چاک داماں ہو گیا کھڑے گریباں ہو گیا

برق۔ قاضی نجم الدین ابن سراج الدین سکندر آبادی۔

اے برق تیز دستی وحشت کو دیکھنا

دامن کو سیتے سیتے گریبان نکل گیا

وہ بھی نہ رہا جوش محبت میں الہی

پہلے جو مری آہ میں تھوڑا سا اثر تھا

وحشی نے تیرے خاک اڑائی یہاں ملک

مٹا نہیں زمین کا پتہ آسمان ملک

حرم و دیر کے جھگڑے تو چھپنے سے ڈرے

تو اگر پردہ اٹھا دی تو تو ہی تو ہو جائے

اگر کی بتیاں کارخانہ صہر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خرید کیجئے

راحت۔ مرزا محمود بیگ دہلوی

ہمسرتو وہ بھی چھٹے اور دل شیدا چھوٹا
یا دس کس کو کریں خیر جو چھوٹا چھوٹا

راسخ۔ سعادت علی خاں متوطن دہلی

ہوں تو آنکھوں میں پر نہیں یہ خبر
سر ہوں یا غبار ہوں کیا ہوں

سالک میرزا قربان علی بیگ سالک غالباً مومن کی حیات تک خاں مرحوم سے اصلاح لیتے رہے۔ اس کے بعد غالب کے شاگرد

ہو گئے صاحب دیوان ہیں۔ داں دخل دہم کو نہ گزر رہے خیال کا
اچھی جگہ ہے دل کو بھر دسہ وصال کادل وہ کافر ہے کہ جھکے نہ دیا چین کبھی
بیوفا تو بھی اسے لیسے پشیاں ہوگایوں عمر گزار می تری فرقت میں کہ ہر دم
چینے کا گماں بھلے مرنے کا یقین تھاجب تھک کے تری راہ میں بیٹھو تو کھال
جو کھوئے ہوئے ہیں دہرا کچھ پاؤ ہو رہیںہم بیٹھے ہیں یوں منتظر اس راہ گزریں
گویا کہ اُسی شمع کے ٹھہرے ہوئے ہیں

صاحب۔ نام امۃ الفاطمہ بیگم عرف صاحب جی صاحب گلشن بخار نے لکھا ہے کہ ”بتقریب مدارا بامومن خاں کارش افتادہ ماہ چند کاربا

در دوا بود ثنوی قول غنیم نام کہ از مصنفات خاں معزۃ الیہ است شرح نسخہ حسن و جمال ہماں موزوں قد است القصہ بفیض شاش

بشعر و شاعری میل کرد از موزدنی قامت بموزدنی طبع گرایندہ و از آرایش زلف پچاپ بموشگانی اشعار پیچیدہ از دست :-

گنہ کیا صنم کے نظارے میں زاہد
خدا نے یہ جلوہ دکھایا تو دکھیاکھوئے ہیں اس نے ہر توجہ سخی کے بند
تہ کر رکھے نسیم سے کمد و قبائے گلجو خطا جبین کامرے کا تب ہر اسی کو
دکھلا تو مرانا مہ اسماعال الہی

شیفتہ۔ نواب مسطفیٰ خاں شیفتہ :-

ہے اس برق جہاں سوز پہ آنا دل کا
سمجھے جو گرمی ہنگامہ جلانا دل کاکس لئے لطف کی باتیں ہیں پھر
کیا کوئی اور ستم یاد آیاکہتا تھا وقت نزع کے ہر اک سے شیفتہ
دینا کسی کو دل تو وفادار دیکھ کرآشفۃ زلف چاک قبا نیم باز چشم
ہیں صحبت شبانہ کے ظاہر نشان ہنوزاے تاب برق تھوڑی سی تکلیف اور بھی
کچھ رہ گئے ہیں خار و خس آشیاں ہنوزیا اپنے جوش عشوہ پیہم کو تھام لے
یا کہنے میں بھی نالہ شورش ادا کروں

آشفۃ خاطری وہ بلا ہے کہ شیفتہ
کچھ اور بیدلی کے سوا آرزو نہیں
شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک نیم ناز بس ہے ہماری ہلاک کو
کچھ بھی نیکھے دیکھ کے بس مسکرائے
ظہور۔ ظہور علی ابن مولوی فستح علی ہریالونی مومن سے بھی صلاح لی ہے۔

اے شک مرے دیدہ منناک سر باہر
عظمت۔ بیر عظمت اندر دلہیر قدرت انشر جذب دہلوی۔
نام عظمت ہو نہ شوکت نہ شکوہ
شورش۔ نام غلام احمد

نامہ جو بنا لائے ہو قاصد تو منعم کا
کیا جانے عدو خون جگر پیڑ کی لذت
صغیر۔ میاں جان دہلوی۔

کتے ہو جان جائے تری اور تجھیں ہو جان
ہوا ہو سہو تو پھر خوب یاد کر لیجئے
قیصر۔ مرزا خدا بخش نواسہ شاہ عالم

تو لطف کرے یا نکرے خوش ہو کہ ناخوش
کاظم۔ کاظم علی منڈ اور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔
اے طفل شک ہم تجھے آنکھوں میں یوں نہیں
کرم شیخ غلام علی ضامن دہلوی کچھ دنوں حیدر آباد میں رہے۔ بھوپال میں انتقال کیا۔

ہاتھ ہو دیگا مرا اور تراداماں ہوگا
سمیں گے جو رطقت و تاب تو ان تلک
نسیم۔ مرزا اصغر علی نسیم کچھ دنوں صغیر بھی تخلص کیا۔
میرا سائب تہ حال ہوا روزگار کا
جب دیکھئے قرار نہیں ایک شکل پر

جب اور کسی پر کوئی بیدار کر دے یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کر دے
کے دیتی تھیں یہ نیچی نگاہیں کہ بالائے زمیں کیا کیا ہو گا
نام میرا سنتے ہی شرما گئے تم نے تو خود آپ کو سوایا
ہاتھ میں خنجر کمر میں تیغ تیز یہ ارادے ایک مشت خاک پر
سفر ہے دشوار خواب کتنا کٹتے ہیں نیم جاگو کر کو باندھو اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

وحشت - میر غلام علی خاں وحشت ابن پیر فرحت اللہ خاں مراد آبادی

دل میں عدد کے بڑھ گئی کیا الفت آپ کی کچھ اندنوں میں پہلے سے لطف و کرم نہیں
میرے مرنے کی خبر غیر کو یوں دیتی ہیں مر گیا وحشت جاننا ز تری جان دردور
کیوں نہ باطل سمجھوں اقرار و وفا سحر ٹپکے ہے تری گفتار سے

یاس - خیر الدین دہلوی -

وصل کی شب بکھتا بھی ہے تو شرمایا ہوا اب تلک ہو آنکھ میں شب کا سما چھایا ہوا

یاس کا مصرع ادلی یوں بھٹا - اس طرف کو دکھتا بھی تو شرمایا ہوا

شربت وصل نہ چنے دو نہ سم کھانے دو کیا قیامت ہے نہ جینے دو نہ مرنے دو سید امتیاز احمد

گزشتہ ماہ کے رسالہ کے متعلق بعض انتباہات

- (۱) ابو انحر (ڈراما مترجمہ مجنوں گورکھپوری) کے متعلق غلطی سے یہ اطلاع درج ہو گئی ہے کہ یہ ڈراما برنارڈ شا کا ہے۔ یہ ڈراما اصل میں ٹالسٹائی کا ہے
- (۲) ”علماء کرام کی ذہنیت“ کے عنوان سے جو مقالہ گزشتہ ماہ کے رسالہ میں شائع ہوا ہے اس کے متعلق جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے ہشتی زیور اور درہشتی گوہر میں کوئی امتیاز نہیں کیا میں نے ہشتی گوہر کے متعلق اظہار خیال کیا ہے جس کا تعلق ہشتی زیور سے کچھ نہیں ہے۔ (اڈیٹر)

اس ماہ کا رسالہ

غیر پیداران نگار کو علاوہ محصول ایک روپیہ میں مل سکتا ہے ”مینجر نگار لکھنو“

مومن کا تغزل

مومن رکھو سیکھ رکھو اس کو غزل کہتے ہیں
مومن ہے اہل فن اظہار ہنر کرتا ہے

مدت سے ارادہ تھا کہ مومن کی شاعری پر ایک مبسوط مضمون لکھوں مگر افکار و شاغل نے کبھی اتنا موقع نہیں دیا۔ جب حضرت نیاز نے مومن پر بہترین مضمون کے واسطے انعام کا اعلان کیا میں نے ہتھیہ کر لیا کہ اب اس موضوع پر قلم نہ اٹھاؤں گا۔ مگر ان کے ایڈیٹر نے مجبور کر دیا۔ اب جو کچھ لکھ رہا ہوں محض تشال امر ہے۔ انعامی مضمون سے کوئی شکر کا نہیں۔ کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ میں اپنے مضمون کو انعام کا مستحق سمجھتا ہوں۔ حاشا! اس کا دہم و گمان بھی نہیں۔

مومن کی شاعری میں چند ایسی خصوصیتیں ہیں (میں صرف غزل سے بحث کروں گا) جو اردو کے کسی دوسرے شاعر میں نہیں پائی جاتیں یا اشاد کا معدوم کا حکم رکھتی ہیں۔

اول۔ اس نے اپنے دائرہ تخیل کو بہت محدود کر دیا ہے۔ مسائل تصوف و سائنس و فلسفہ کی کہنا چاہئے کہ جھلک بھی نہیں صرف ایک متلون شاہد مجازی سے محبت اور اسی کے تمام لوازم ہیں اور انداز و غمزہ و کرشمہ کی مصوری ہو اپنے یا غیر کے جذبات و رشک و حسد و رقابت کی نقاشی ہو اور ابندی و معاند نگاری ہو و اردات حسن و عشق کا تذکرہ و تجزیہ ہو مگر سب مجاز کا پہلوئے ہوسے تاہم اس محدود دائرہ میں اس نے ایسی حیرت انگیز جدت اور تنوع سے کام لیا کہ جو شعر ہو نیا ہو۔ راسی کے ساتھ بحد و لکش۔

دوم۔ باوجودیکہ اشعار میں نہ تو اسرارِ حکمیہ ہیں نہ دقیق مسائل علمیہ نہ الفاظ مشکل یا غیر مانوس ہیں نہ محذوفات ہیں نہ مقدرات فرض کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر بھی اکثر اشعار ایسے ہیں جن کا مفہوم سمجھنے میں نہایت کاہش اور دماغ سوزی کی ضرورت ہوتی ہے۔ صرف انداز بیان کے خیال کو شکل بنا کر ایسی صورت میں پیش کرتا ہے کہ مطلب تک ذہن کی رسائی آسانی نہیں ہوتی۔ خود کہتے ہیں کہ

اگرچہ شعر مومن بھی نہایت خوب کہتا ہے

کہاں ہو لیک معنی بند مضمون یا ب اپنا سا

اس دشواری مطالب کا ایک سبب ایہاں بھی ہوا ہے معاصرین میں غالباً مومن ہی ایسا شاعر ہے جس نے ایہاں کا احیا کیا ورنہ یہ اسلوب متروک ہو چکا تھا کہیں ایجاز نے معنی میں تنوع پیدا کر دیا ہو مگر یہ صفت مومن اور دیگر اساتذہ میں مشترک ہے۔

سوم جس خوبی سے وہ اپنا تخلص مقطع میں لاتا ہے دوسرے شاعر کو یہ بات نصیب نہیں ہوتی۔ یہ سچ ہے کہ تخلص ہی ایسا ہے جو کا فر یا بت یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ کے تقابل یا تناسب بعض تخلص نہیں رہتا بلکہ اور معنی بھی دیتا ہے مگر اس قسم کے تخلص اور بھی ہیں مثلاً حسرت جرات سودا وغیرہ وغیرہ۔ ان شاعروں نے اپنے تخلص سے مومن کی طرح فائدہ نہیں اٹھایا۔

مومن معشوق عورت ہے۔ مین نے جہاں تک مطالعہ کیا اُس کے دیوان میں ایک شعر بھی ایسا نہیں ملا جس سے وثوق کے ساتھ کہا جاسکے کہ یہ معشوق کوئی امرد یا سبزہ آغاز نوجوان ہے۔ حالانکہ غالب بھی اس بلا سے نہیں بچ رہا۔

سبزہ خط سے ترا کا کل سرکش نہ دبا

(غالب)

یہ زمر بھی حریف دم افعی نہ ہوا

اور صفات جو مومن کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اُس کے معاصرین میں بھی پائی جاتی ہیں مثلاً یہ ہیں۔

فارسی کی خوشنما ترکیبوں کو سلیقہ سے برکل صرف کرنا۔ اس صفت میں وہ غالب کا مقابل ہی نہیں بلکہ اس لحاظ سے پیش پیش ہے کہ انکی طرح ایسی ترکیبوں کے استعمال میں بے اعتدالی نہیں برتی۔ جو ترکیب ہو خوبصورت ہو اور گویا اسی جگہ کے لئے وضع ہوئی تھی۔ بعض ترکیبیں فارسی شعرا سے مستعار لینے کے بجائے اُس نے خود گڑھی ہیں۔ انہیں بھی وہی لطافت ہے۔ اصول صرف و نحو کے اعتبار سے ان کی صحت میں تامل نہیں البتہ ان حضرات کے اعتراض کا کوئی جواب نہیں جو ایسی ترکیبوں کو جایز نہیں سمجھتے جبکہ سند شعراے فارس کے دوادین میں نہ ملے۔

مومن کے دیوان میں ایک شعر بھی شاید آپ کو ایسا نہ ملیگا جس کی بندش سست ہو یا انداز بیان شاعرانہ ہو یا خیال میں تازگی نہ ہو۔ فن کے لحاظ سے یہی شاعری کی معراج کمال ہے۔

نفتیہ کے ذرا ترین سائل کو سادہ الفاظ میں لکھن طریقہ سے بیان کیا ہے اور جیسا پہلے عرض کیا جا چکا تصوف نہیں ہے۔ دو چار شعر کھینچ کر شاید اس زمرہ میں آجائیں ورنہ خیریت ہے مگر یہ مومن کی شاعرانہ عظمت کو اور زیادہ نمایاں کرتی ہے۔ اور شاعروں کے بیشتر اشعار میں سبب معانی صرف ان سائل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں حقایق و معارف کی بحث کا یہ لازمی نتیجہ ہے لیکن مجردات کو چھوڑ کر نفتیہ کے سائل کو مختصر الفاظ میں نظم کر دینا آسان کام نہیں۔ مومن کو زبان پر ایسی قدرت ہے اور فطرت انسانی کا اس قدر گہرا مطالعہ کیا ہے کہ داروات قلبیہ و محسوسات ذہنیہ کو متشکل کر کے آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے اور خلاقی نقطہ نظر سے بعض اشعار قابل گرفت ہوں تو ہوں مگر جہاں تک فن کا واسطہ ہے اُس کا شعر ہر جملہ ہے۔

مثال کے طور پر چند اشعار درج کر کے اس مضمون کو جس کی تشنگی کا اعتراف اور اسی کے ساتھ تاسف ہو ختم کرتا ہوں۔

انتخاب اشعار میں کوئی خاص التزام نہیں کیا گیا۔ اپنے انتخاب سے (اصل دیوان سے نہیں) الف کی ردیف شروع کی افسوس وہ بھی ختم نہ ہو سکی۔ آمیں سے بھی متعدد ایسے اشعار جو بہت اچھے اور شرح طلب تھے کلیجہ پر پتھر رکھ کے چھوڑ دیے۔

کہتے ہیں

سنایت کر مجھے آشوب گاہِ حشر غم اک دل

کہ جس کا نفس ہم نغم ہو شورِ قیامت کا

پہلے مصرع میں ایسے دل کی تمنا کی ہے جو صرف تمام عالم کے غم درج کا مجموعہ ہو (لفظ حشر میں یہ ابنوہ و آلام مضمر ہے) بلکہ اس ہنگامہ زار میں بھی ایک شورش برپا کر دے "آشوب گاہِ حشر غم" ہوتا کہ میرا نفس شورِ قیامت کا ہمنوا ہو جائے۔ دل درد مند و غم آشنا کی اس سے بہتر کیا تعریف ہو سکتی ہو اور یہ صرف ترکیب فارسی کی تراش خراش اور ان کا بر محل استعمال ہے جس سے مطلب اس قوت کے ساتھ ادا ہو گیا ہے

کیا رد و دل خیرہ چشمی بخت سیاہ کو

داں شغل سر ہے ابھی یاں نیل ٹھل گیا

خط کشیدہ الفاظ کی ترکیب و معنویت قابل ملاحظہ ہو۔ دوسرے مصرع میں ہندی کا محاورہ نیل ڈھلنا نظم ہے جس کے معنی ہیں شروع میں آنکھوں کا بے نو ہو جانا۔ پتلیاں پھر جانا۔ وہاں معشوق سر نہ لگا رہا ہو یاں نیل ڈھل چکا ہو یعنی محاورہ کے علاوہ سر نہ نیل میں رنگ کے لحاظ سے جو مناسبت ہے ظاہر ہو مگر پہلے مصرع سے اس لفظ نیل نے جو عجیب و غریب ربط پیدا کیا ہو اس کی تعریف نہیں ہو سکتی نیل کی سلائی آنکھوں میں پھرنے سے بصارت زایل ہو جاتی ہو۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ شام وعدہ معشوق مصروف آرائش ہو مگر قسمت کی خوبی کہ اضطراب شوق نے عاشق کی حالت غیر کر دی۔ سر نہ اور

آنکھ کی رعایت سے بخت کی شکایت ان الفاظ میں کرنا کہ ۴

کیا رد و دل خیرہ چشمی بخت سیاہ کو

کے قدر بلینے جس نے پورے شعر میں تازگی کی ایک روح پھونک دی ورنہ مضمون فرسودہ و پیش پا افتادہ ہو۔ اس فقرہ (خیرہ چشمی بخت سیاہ) نے شعر کے مفہوم کو اور وسیع کر دیا معشوق مجھی سے ملنے کو آرائش میں اس قدر متہام کر رہا تھا مگر بد بخت، نامساعد کی خیرہ چشمی کہ نہ سمجھا اور بے تابانی انتظار نے قبل از وقت مجھے مارا تارا

اُس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل

میں کوچہ رقیب میں بھی سکر بل گیا

بہت مشہور شعر ہو اور اس کی خوبیاں کسی شرح کی محتاج نہیں معشوق کے نقش پا کا سجدہ فریضہ عشق ہو مگر مصیبت یہ ہے کہ یہ نقش کوچہ رقیب کی رہبری کرتے ہیں۔ وہ اور دیکھنے والے یہ تو سمجھیں گے نہیں کہ عاشق نقش پا کے سجدے کر رہا ہو بلکہ یہ خیال کرینگے کہ رقیب مرعوب ہو گیا اور اس کی خوشنودی کے واسطے ناصیہ فرسائی کرتا ہو لہذا کوچہ رقیب میں نقش پا کے سجدے باعث ذلت ہوئے۔ سر کے بل (لکھنؤ میں بھل) چلنا اظہارِ بوجھار کے

موقع پر استعمال ہوتا ہے

یہ جوش یاس تو دیکھو کہ اپنے قتل کے وقت

دعاے وصل نہ کی وقت تھا اثر کا سا

جذبہ یاس کی تصویر کس خوبی سے کھینچی ہے۔ وصل سے یوں ہو کر اپنے مرنے کی دعا مانگی جو اس طرح تبدیل ہوئی کہ معشوق قتل پہ آمادہ ہو گیا جس کا لازمی نتیجہ قرب قاتل و مقتول ہوا اب وصل کوئی مشکل نہ تھا مگر جوش یاس نے دعاے وصل سے باز رکھا ورنہ دعاے مرگ کی طرح وہ بھی مستجاب ہوتی

ذرا ہو گرمی صحبت تو خاک کرے چرخ

مراسر در ہے گل خندہ شہر کا سا

گل خندہ شہر کی ترکیب کتنی خوبصورت اور معنی خیز ہو۔ تناسبات لفظی نے معانی میں جو وسعت پیدا کر دی ہو اہل نظر سے پوشیدہ نہیں شعر کا مطلب صاف ہو اور کسی وضاحت کی ضرورت نہیں

گردہاں بھی خموشی اثر افغاں ہو گا

حشر میں کون مرے حال کا پُرساں ہو گا

افغاں بجائے فغاں اب متروک ہو۔ یہاں بھی غازی کی ایک خوبصورت اور مومن کی وضع کردہ ترکیب ایک بڑے مطلب کو مختصر الفاظ میں دا کر دیا۔ خموشی اثر افغاں یعنی ایسی فغاں جس کا اثر خموشی ہو

اُن سے بد خو کا کرم بھی ستم جاں ہو گا

میں تو میں غیر بھی دل کیے پشیمان ہو گا

معشوق بد خو ہو یہ اس کی سرشت ہو جو بدل نہیں سکتی۔ ایک مومن ہیں ایک غیر کہتے ہیں کہ میں نشانہ ستم ہوں اور غیر مورد کرم ہو میں تو اسے بد خو سے محبت کر کے پشیمان ہوا مگر غیر خوش نہوا اس کا بھی یہی انجام ہو گا کیونکہ معشوق کی تند خوئی کرم میں ایک ذہر آلود تیر چھپا دے گی۔ حال یہ کہ معشوق کی خدے بد کا اثر کرم کو بھی ستم میں تبدیل کر دے گا۔ ایسے معشوق کو چاہئے میں سوائے پشیمان ہونے کے اور کیا ذہر اہد۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے آپ کو اخلاقاً قریب سے بہتر ثابت کیا ہو تم اٹھاتے اٹھاتے محبت سے پشیمان ہونا اس قدر مذموم نہیں جتنا معشوق کے کرم کے باد چو پیمان ہونا ہو۔ ایک پہلو یہ بھی نکلتا ہو کہ ممکن ہو کر قریب لے لو اس ان کا قول باور کر کے معشوق کی محبت ہاتھ اٹھائے اور اس طرح انکی اشک ثنوی ہو جائے

خواہش مرگ ہو اتنا نہ ستانا ورنہ

دل میں پھرتی ہے سوا او بھی اراں ہو گا

ہمیں اتنا نہ سستا کہ جان سے عاجز ہو کر مرنے کی آرزو کریں۔ ایسی صورت میں تیرے ارمان کے سوا دلیس خواہش مرگ کو بھی جگہ ملیگی اور اس میں تیری منفعت حسن ہے کیونکہ دل عاشق میں تیری آرزو کے سوا اور کسی خواہش کا امکان بھی نہ ہونا چاہئے۔

کیا سنا تے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل

تم سے بے رحم پہ مرنے سے تو آساں ہوگا

کیا مرنے کا شعر ہو معشوق (دم خصت) کہتا ہو کہ میرے ہجر میں تیرا جینا مشکل ہے بظاہر اظہار ہمدردی ہو مگر عاشق سمجھتا ہے کہ معشوق کا یہ قول محبت یا رحم پر مبنی نہیں ہے بلکہ اداسے ناز ہے جس کا نشانہ یہ ہو کہ عاشق کو میری محبت اور بڑے ہو اور میری جدائی کے سہنے کے علاوہ ان الفاظ کی یاد دہانی نے دم خصت کہو ہیں تڑپا تڑپا کے مار ڈالے۔ عاشق اپنے دلیس کہتا ہو کہ اگر است میرا کچھ بھی خیال ہوتا تو مجھ سے جدا ہی کیوں ہوتا۔ لہذا جس طرح معشوق نے پیچیدہ الفاظ سے زخموں پر پنک چھڑکا تھا ویسا ہی اس کو جواب دیا کہ ہجر میں جینا مشکل ہے مگر تم سے بے رحم پہ مرنے (عاشق ہونے) سے آسان ہو۔ تھکائے عشق میں ہر طرح مشکل ہے۔

کیونکر امید وفا سے ہوسلی دل کو

فکر ہو یہ کہ وہ وعدے سے پشیاں ہوگا

معشوق نے وعدہ کیا اور امید ہو کہ وعدہ پورا ہوگا تاہم دل کو تسکین نہیں ہوتی کیونکہ یہ فکر لگی ہوئی ہو کہ معشوق وعدہ کر کے پشیمان ہوا ہوگا اس لئے کہ ایفائے وعدہ تو بڑی چیز ہو وعدہ کرنا ہی اُس کی فطرت اور انداز ستم کے خلاف ہو خاطر مروت یا کسی مصلحت یا مجبوری سے وعدہ کر لیا ہے مگر کچھ پتا ہوا ہوگا کہ وعدہ کیوں کیا۔ عاشق کو گوارا نہیں کہ معشوق پشیمان ہو لہذا ایفائے وعدہ کی امید سے دل کو تسلی نہیں ہوتی وہی الجھن اور بیچینی ہے جو وعدہ خلافی یا وعدہ نہ کرنے کی صورت میں لاحق ہوتی ہو۔

درد ہو جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری

چارہ مگر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

ہر لحاظ سے ایک لاجواب شعر ہو جب درد رگ و پے میں ساری ہو گیا تو اب درماں موجب ہلاکت ہو۔ یہ آخری ٹکڑا شعر کو غالب کے اس مطلع سے بھی بلند کر دیتا ہو۔

عشق سے طبیعت نے زیت کا مزہ پایا

درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

مومن کے شعر میں درد بے دوا ہی نہیں ہو بلکہ اس کے درماں کی فکر ہلاکت ہو۔ درد رگ و پے میں ساری ہو بہتوں نے کہا ہوگا مگر درجان کے عوض کا اضافہ صرف مومن کا حصہ ہو اور اسی نے شعر میں تمام خوبیاں پیدا کر دیں۔

بات کرنے میں رقیبوں سے ابھی ٹوٹ گیا
دل بھی شاید اسی بد عہد کا پیاں ہوگا

معتوق تے وعدہ کیا تھا جس کا ایفا تو درکنار عاشق کی موجودگی میں رقیبوں سے ہنگام ہوا اور اس سے ملتفت نہیں ہوتا معتوق کے اس طرز عمل سے عاشق کا دل ٹوٹ گیا جس طرح معتوق کا پیمان بات کی بات میں ٹوٹ گیا۔ دل کی تشبیہ معتوق کے پیمان سے (دونوں تہا بدے) کس قدر لطیف ہو۔ اس کی خوبیاں یہیں تک ختم نہیں ہوتیں۔ اسی کے سبب سے پردے پردے میں معتوق کا بھی گلہ ہو گیا

دیدہ حیراں نے تما شاکیسا
دیرینک وہ مجھے دیکھا کیسا

حیرت عشق نے معتوق کو بھی محو کر دیا۔ یہ طلع محاکات کی عمدہ مثال ہے۔
آنکھ نہ لگنے سے سب احباب نے
آنکھ کے لگ جانے کا چرچا کیا

لطف محاورہ و زبان ملاحظہ فرمائیے پہلے مصرع میں آنکھ نہ لگنا بمعنی نیند نہ آنا ہوا اور دوسرے مصرع میں آنکھ لگ جانا بمعنی عاشق ہونا ہو۔ یہ امر بدیہی ہو کہ عشق میں نیند آجاتی ہو۔

غیر عیادت سے برا مانتے ہیں
قتل کیا آن کے اچھا کیسا

دیکھئے ان سادہ الفاظ کے انداز بیان نے کس قدر معنی پیدا کئے ہیں معتوق دراصل عاشق زار کو قتل کرنے آیا تھا جو انتہائے بی رحمی ہے گو معتوق کی شان یہی ہو مگر اسے عشق جو معتوق کے آنے کو عیادت پر محمول کرتا ہو اور قتل کو حیا سے معتوق کا پردہ بتاتا ہو اس کے ساتھ اظہار رشک کرتا ہو جو جان عاشقی ہو۔ کہتا ہو کہ تو دراصل میری عیادت کو آیا تھا مگر اسی کے ساتھ تجھے غیرت کا بھی پاس تھا اور اسی لئے کہ وہ برائے مائیں لکے سمجھانے کو تو نے مجھے قتل کر ڈالا تاکہ اب وہ عیادت کا شکوہ نہ کر سکیں بلکہ یہ سمجھیں کہ تو میری عیادت کو نہیں گیا تھا بلکہ قتل کرنا مقصود تھا۔

قافیہ "اچھا" سے ایک اور نازک مطلب پیدا ہوتا ہو۔ میں قتل ہوا اچھا ہوا اب رقیبان بواہوس اگر پیار ہوں گے تو اپنی جان کے ڈر تجھ سے عیادت کے متمنی نہ ہوں گے بلکہ اسی دہڑکے میں مرجائیں گے کہ تو کہیں عیادت کے یہاں سے آکر ار نہ ڈالے۔

رحم فلک اور مرے حال پر
تو نے کریم لے ستم آرا کیسا

فلک سنگدل شہور ہو مگر معشوق نے ایسے ستم توڑے کہ فلک بھی کانپ اٹھا اور مظلوم عاشق کو رحم کی نظروں سے دیکھنے لگا۔ یہیں سے مومن کا سچ شروع ہوتا ہے۔ اب تیرا ستم ستم نہیں رہا بلکہ کرم ہوا کیونکہ فلک سے بیدار کو میرے حال پر مہربان کر دیا ہے

ہنسے نہ غیر تجھے بزم سے اٹھانے پر
سبک ہے وہ جو تیری طبع پر گراں نہ ہوا

معشوق نے عاشق کو بزم سے اٹھا کر غیر کو ہنس کی موقع دیا۔ معشوق سے عاشق کہتا ہے کہ تو ایسا نازک مزاج ہو کہ جو شخص تیری طبع پر گراں نہ ہو اس سے زیادہ ذلیل اور چھوڑا کوئی نہیں ہو سکتا۔

اس شعر میں پہلے مصرع کا انداز بیان بلاغت کا عمدہ نمونہ ہے۔ غیر کو مخاطب نہیں کرتے نہ اس سے آمادہ پیکار ہوتے ہیں کیونکہ ایسے سبک وضع شخص سے جو دوسروں کی تذلیل سے خوش ہو گفتگو کسر شان ہو بلکہ معشوق کو مخاطب اور غیر کو سنا کر کہتے ہیں کہ میں سبک نہیں ہوں بلکہ سبک دراصل وہ ہے جو تیری طبع پر گراں نہ ہوا۔ ہم بزم ہونے کا مقتضایہ تھا کہ غیر مجھ سے ہمدردی کرتا نہ کہ خندہ زن ہو۔ مگر غیر خوش نہ ہو ایک دن وہ بھی یونہی نکالا جائے گا۔ نازک مزاج معشوق اس سے بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔ اور اس کی حالت مجھ سے زیادہ قابل عبرت ہوگی کیونکہ میری مثال سے اسے کان ہوتے معلوم نہیں ہوتے در نہ میری تو چین کا مضحکہ نہ اڑاتا ہے

لگی نہیں ہے یہ چپ، لذتِ ستم سے میں
حریت کشمکشِ نالہ و فغاں نہ ہوا

فارسی ترکیب کی لطافت قابلِ داد ہے

کیا مجھ میں دم بھی لینے کی طاقت نہیں ہے
کیوں شورِ نالہاے عزا بارِ کم ہوا

نالہاے عزا بار کی ترکیب کے علاوہ شعر معافی کے لحاظ سے بھی بہت بلند ہے۔

عاشق کے نالہاے غم نے ایک شور برپا کر دیا تھا مگر کہاں تک آخر طاقت جواب دہی اپنے آپ سے مخاطب ہو کر پوچھتا ہے کہ نالہ و زاری کی نہ سہی کیا مجھ میں سانس لینے کی بھی طاقت نہیں ہے در نہ نفسِ نالہاے عزا بار کا کام کیوں نہیں دیتا۔ میں نے نالہاے عزا بار کا مفہوم نالہاے غم لکھ دیا مگر دراصل ان الفاظ سے ادا نہیں ہوتا۔ کیونکہ نالہاے عزا بار کا یہ مطلب ہے کہ وہ نالے نہ صرف غمگین دل سے نکلے ہیں بلکہ جو انہیں سن لیتا ہے مصروفِ شیون ہو جاتا ہے

وصل کی شبِ شام سے میں سو گیا
جاگنا ہجراں کا بلا ہو گیا

مجازی مدد کی یہ بلند حقیقت مومن نے اپنے خاص رنگ میں نظم کی ہو۔ جب خود معشوق مل گیا تو کوئی حسرت و آرزو نہ رہی دل کو آرام ملا اور یہ
آگئی۔ غالب نے اپنے اس شعر میں بھی نکتہ ملحوظ رکھا ہو۔ اور اسی نے شعر کو دلکش بنا دیا ہے

نہیں اس کی ہو دماغ اس کا ہو راتیں اس کی ہیں

جسکے بازو پر تیری زلفیں پریشاں ہو گئیں

آئینہ جلدی سے چٹک دو کہ ہیں

دل ہی نہیں ہاتھ سے دیکھو گیا

اگرے رشک یہ بھی گوارا نہیں کہ معشوق آئینہ میں اپنے جمال کا نظارہ کرے لیکن اس کا خیال کیونکر بٹے اگر کس طرح باز رہے؟

دل ہی نہیں ہاتھ سے دیکھو گیا

”چٹک دو“ سے ایک خوبی یہ پیدا ہوئی کہ آئینہ ٹوٹ جائے گا اور آئینہ کے لئے بھی خود بینی کا سد باب ہو جائے گا۔

قریب قریب یہی مفہوم غالب کے اس شعر کا ہے

آئینہ دیکھ اپنا سامنے لیکے رہ گئے

صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غور رہا

اس میں رشک کا پہلو مفقود ہو صرف معشوق سے چھوٹے چار کا لطف ہے

تیرے پردے نے کی یہ پردہ دہری

تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا

مضمون جدید نہیں مگر انداز بیان انوکھا ہو۔ نہ معشوق پردہ کرتا نہ عاشق کا راز عشق انتہائے اضطراب کے باعث افشا ہوتا۔ یہ شعر

اُن معدودے چند اشعار میں ہو جن کو حقیقت کی طرٹ منجر کر سکتے ہیں۔ اگر جلوہ حسن مطلق حجاب میں نہ ہوتا تو اس قدر شہرہ نہ آتا

قریب شوق سے عاشق کو ہر شے میں اسی کا جلوہ نظر آتا ہو

دل لگانے کے تو اٹھائے مزے

جی بلا سے رہا رہا نہ رہا

نظم کی صفائی آپ اپنی نظیر ہے۔ مفہوم وہی ہے جو تیر کے اس مطلع کا ہے

نہیں دسو اس جی گنوا نے کے

ہائے رے شوق دل لگانے کے

یہ دو شعر ملاحظہ ہوں۔

شب غم فرقت ہمیں کیا کیا مرے دکھلائے تھا
دم رکے تھا سینے میں کبخت جی گھبرائے تھا

۱۔

بات شب کو اس سے منع بے قراری پر بڑھی
ہم تو سمجھے اور کچھ وہ اور کچھ سمجھا۔

۲۔

مطلع تا شیر در میں ڈوبا ہوا ہے۔

شعر میں ذرا پیچ ہے۔ عاشق بے قرار تھا معشوق نے منع کیا کہ بے قرار نہ ہو۔ اُسے اپنی رسوائی کا خون تھا یہ حضرت سمجھے کر مطلب ہے "بے قرار نہ ہو تیری مراد پوری ہوگی" غلط فہمی پیدا ہوئی اور نکرار کی نوبت پہنچی۔ انھوں نے کہا "لے اب تو میں بے قرار نہیں ہوں وعدہ وفا کر" معشوق نے کہا "ہائیں کچھ پاگل ہوا ہو کیسا وعدہ"۔

عبث الفت بڑھی تم کو وہ کب تیتا تھا دم تم پر
یہ بجگو دیکھ کر دشمن کلیجہ اتھام لیتا تھا

دشمن (رقیب) مر گیا ہو (صیغہ ماضی سے یہی ظاہر ہوتا ہو) معشوق (اس کو یاد کر کے کہتا ہے کہ ہمارا بڑا سچا عاشق تھا ہمیں دیکھ کر اس قدر بے قرار ہوتا تھا کہ کلیجہ اتھام لیتا تھا بیچارے کا دل قابو سے باہر ہو جاتا تھا۔ مومن گھبرائے کہ یہ کیا غضب ہوا رقیب کے بعد اُس کے عشق نے اثر کیا۔ میرزا نگ جس نے نہیں پائے گا معشوق کو دشمن کی طرف سے بدن کرنے کو اس کے اس فعل یعنی کلیجہ اتھام لینے کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ بجگو دیکھ کر حسد سے اس کی جان پرین جاتی تھی اور اسی سبب سے کلیجہ اتھام لیتا تھا تم کچھ کا کچھ سمجھے اُس کی الفت دل سے نکالو۔

نہ انوں کا نصیحت پر نہ میں سنتا تو کیا کرتا

کہ ہر بات میں ناصح تھا رانا نام لیتا تھا

بڑے فرے کا شعر ہے معشوق کو پرچہ لگا کہ آپ کا فلاں عاشق ناصح کی باتیں بڑے غور سے سنا کرتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ناصح کی نصیحت کارگر ہو چلی ہو معشوق کو اس کی تاب کہاں۔ اب جو یہ اُس کی بزم میں پہنچو تو معشوق نے آزر دہ ہو کر کہا "دم تو میری محبت کا دم بھگتے تھے یا ناصح کا جادو چل گیا اس سے بیزاری کیسی گھنٹوں اُس کی باتیں سنی جاتی ہیں بھیں عشق کا نام لیتے غیرت نہیں آتی"۔

مومن عرض کرتے ہیں کہ تم ناراض نہ ہو میں اُسکی نصیحت نہیں مانوں گا مگر سنتا نہ تو کیا کرتا وہ بار بار تمھارا نام لیتا تھا اور میں تمھارے نام کا عاشق ہوں۔

غور فرمائیے کہ نصیحت نہیں مانی، (صیفہ ماضی کے بجائے "نہ مانوں گا نصیحت" (صیفہ مستقبل) نے زبان اور سن بیان کا کیا معجزہ دکھایا ہو۔ اول تو صیفہ ماضی سے معشوق نے جو الزام دیا اس کی تردید ہوتی اور یہ آداب عاشقی کے خلاف تھا۔ صیفہ مستقبل نے نہ صرف اس پہلو کو بچایا بلکہ یہ ضابطہ کیا کہ میں ناصح کی باتیں سننے سے تو باز نہیں رہ سکتا سنا کیا ہوں اور ستار بھول گا کیونکہ اس طرح بار بار تمہارا نام سامعہ نواز ہوتا ہو البتہ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اسکی نصیحت پر عمل نہیں کروں گا۔ واضح رہے کہ نصیحت نہ مانی، شعر میں کہہ سکتا تھا اور میر دعویٰ ہے کہ ہزار شاعروں میں ۹۹۹ نہ سنتا میں تو کیا کرتا، کے خیال سے پہلے ٹکڑے میں بھی صیفہ ماضی نظم کرتے

نقد جاں تہا نہ مرا سے دیت عاشق جیت

خون فرما دس سرگردن فرما د ر ہا

بڑے پایہ کا شعر ہے۔ فرما د کے خون کا مواخذہ سوائے فرما د کے کسی سے نہیں ہو سکتا کیونکہ جرم عشق کی سزا میں جان جانا کوئی سزا نہیں اس سے بھی سخت سزا کا مستحق تھا۔

یاد ہو ا اُسے اے غیر ہے نسیاں عمداً

یاد رکھ بھول گیا جسکو وہی یاد ر ہا

دیکھئے ایک معمولی خیال کہ انداز بیان نے کس قدر دلکیش بنا دیا ہے۔

یہ شیوہ معشوق ہو کہ اپنے عاشقوں کو یاد تو بھولے سے کرتا ہے مگر جان کر بھول جاتا ہے۔

غیر محفل یار میں باریاب ہے مومن راندہ درگاہ ہیں۔ قریب کہیں راستہ میں مٹ بھڑ ہو جاتی ہے۔ غیر نے بظاہر ہمدردی کرتا ہے مگر دراصل ہکا نشاد دل آزاری ہے کہتا ہے کہ اتنا اس بزم میں تمہارا تذکرہ بھی نہیں ہوتا وہ تم کو بالکل بھول گیا۔ مومن کہاں دبنے والے ہیں کہتے ہیں کہ تم اس کی محفل میں روزمرہ آتے جاؤ ہو مگر اب تک اس کا فراموش نہیں پہچانا۔ ۴

یاد ہو ا اُسے اے غیر ہے نسیاں عمداً

تم نے جو کہا کہ وہ مجھے بھول گیا تو میں سمجھ گیا اور خوش ہوا کہ اُسے یاد ہوں۔

کرہ خاک ہو گردش میں تپش سے میری

میں وہ مجنوں ہوں کہ زنداں میں بھی آزاد ہوں

شعر نہیں ایک کارنامہ ہو۔ پہلا مصرع بندش اور بلاغت کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں دیتا۔ ایک تو اس زمانہ میں جبکہ دنیا کے

شاعری گردش فلکی کی قایل تھی (میں یہ نہیں کہتا کہ گردش ارضی سے واقف نہیں تھی) ۴

”کرہ خاک ہو گردش میں تپش سے میری“

کہنا اختراع فائقہ ہو۔ مجھے علم نہیں۔ ممکن ہو کہ اوروں نے بھی کہا ہو مگر تم پیش عشق کو گردشِ ارضی کا سبب قرار دینا شاعری کی وہ منزل ہے جس کے خیال سے بڑے بڑوں کے حوصلے پست ہو گئے ہوں گے۔

سندرجہ بالا شعر کی بلندی و مشکوہ ملاحظہ فرما چکے اب یہ شعر پڑھئے جو پہلِ منتنع ہو سہ

میں نے تم کو دل دیا تم نے مجھے رسوا کیا
میں نے تم سے کیا کیا اور تم نے مجھے کیا کیا

مطالع کے بعد پھر ایک دریا اٹھا سہ

سر سے شعلے اٹھتے ہیں آنکھوں کے دریا جاہو
شمع سے کسے یہ ذکر اس محفل آرا کا کیا

مشتاق نے محفل آراستہ کی اور شمع کو رونق محفل بنا کر خود روپوش ہو گیا۔ مشتاق کے اشتیاق میں اب شمع کا یہ عالم ہو کہ ۴
سر سے شعلے اٹھتے ہیں آنکھوں کے دریا جاہو

حسنِ تعلیل کی عمدہ مثال ہے۔

اور ہائے یہ شعرے

کیا فخل ہوں اب علاج بے قراری کیا کروں
دہر دیا ہاتھ اُسے دل پر تو بھی دل دہر کا کیا

مقطع بھی لا جواب ہے سہ

عرضِ ایماں سے ضد اس غائب گریں کی بڑھی
تجسسے اے مومن خدا سمجھے یہ تو نے کیا کیا

محاورہ خدا سمجھے "نے اور چار چاند لگا دیے۔

یہ شعر بہت مشہور ہے سہ

کیا اُس نے قتل جہاں اک نظر میں
کسی نے نہ دیکھا متا شا کسی کا؟

اس طرح کے قتل میں مرنے والوں کی کتنی حسرتوں اور شاگوں کا خون ہوا ہوگا۔ ایک اور شعر ہے
کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی آشاں اپنا ہوا برباد کیسا؟

نفسیات کے اہم مسائل کو مختصر الفاظ میں بیان کر دینا مومن پر ختم ہے۔

آشیاں سے ہزاروں اُمیدیں وابستہ تھیں اُس کا برباد ہونا تھا کہ قفس میں دل بہلنے لگا۔ ہائے وہ خانماں برباد جو قفس کو نشیمن سمجھنے لگے۔

جب مجھے رنجِ دل آزاری نہ ہو

بے وفا پھر حاصلِ بیداد کیا؟

ایک اور ستر نیز نشتر ہے۔ لفظ بے وفا جس خوبی سے صرف ہوا ہو اُس کی داد دینا ممکن نہیں۔ غالب کے دو شعر مل کر اس مطلب کو پورا کرتے ہیں جو مومن نے چند الفاظ میں ادا کر دیا ہے۔

۱۔ لاگ ہو تو اُس کو ہم سمجھیں لگاؤ

جب نہ ہو کچھ بھی تو دہوکا کھائیں کیا

۲۔ ہم پر جفا سے ترکِ وفا کا گماں نہیں

اک چھڑ ہو دگر نہ ادا امتحاں نہیں

”بے وفا“ کی دل آزاری میں نہ تو ”لاگ“ کا پہلو نکلتا ہو نہ ”لگاؤ“ کا نہ مراد ”چھڑ“ ہو سکتی ہے نہ ”امتحان“ تاہم بیداد ہے۔ عاشق حیران ہو کر اس بیداد کا حاصل کیا ہے۔

یہ وسعت معافی فیض ہے اس عقیدے کا کہ معشوق صرف اس لئے ظلم کرتا ہے کہ عاشق کو رنج ہو۔ اور اس سے بھی وفا کی صفت جو معشوق میں موجود نہیں ہو زایل ہو جائے۔ ترکِ وفا کی امید بھی ہو سکتی ہے جب عاشق جفا سے معشوق سے آزر دہ ہو۔ جب یہ بات بھی نہیں ہو تو معشوق سے دریافت کرتے ہیں کہ اس بیداد کا حاصل کیا ہو۔

گر بہائے خونِ عاشق ہے وصال

نہ تمامِ زحمتِ جلا دیا؟

اس شعر میں ایہامِ ہجو وصال کے معنی وصال کے بھی ہیں اور مرنے کے بھی۔ پہلے مصرع میں ایک زبردست نظریہ قائم کیا ہے کہ وصال قتلِ عاشق کا معاوضہ ہے مگر دوسرے مصرع میں اس کو غلط ثابت کیا ہے کہ وصال بہائے خونِ عاشق نہیں ہے (اب لفظ وصال بمعنی مرگ لینا ہوگا) بلکہ اس زحمت کا انتقام ہے جو جلا دے کو قتل کرنے میں پیش آئی۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس زحمت کا بدلہ کیا ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ یہ بھی معشوق کا احسان ہے کہ اُس نے ہمیں قتل کیا۔ ہم نے قتل کو زحمت دی اس کی پاداش ملنا چاہیے یہ عشق کی خامی ہو اگر جان دیکر اپنے آپ کو وصالِ معشوق کا مستحق سمجھے۔

اُسے خو پڑ گئی ہو بے طرح زانوئے جاناں کی
یہ ستر کلیہ پہ ہمدردی طرح رکھوں نہ ٹھہریگا

ایک بے پناہ شعر ہے ”بے طرح“ کی تعریف نہیں ہو سکتی ہے

یہ عذر امتحان جذب دل کیسا بکل آیا
میں الزام اُس کو دیتا تھا قصور اپنا بکل آیا

مومن کی جو شامت آئی تو معشوق کو اس کے طرز عمل پر الزام دینے بیٹھے تھے انھیں میرا خیال بالکل نہیں۔ نظام کیا۔ وہ تم تو ذرا سمجھ
کبھی سیدھے منہ بات نہیں کی۔ بڑے بے وفا ہو معشوق شوخ و شنگ جواب دیتا ہو کہ سنئے حضرت میری جفا جفا نہیں تھی میرا تغافل
تغافل نہیں تھا بلکہ میں آپ کے جذب دل کا امتحان لیتا تھا۔ آپ کو میرا ہر ہون منت ہونا چاہئے تھا کہ مکملہ عشق میں آپ کا معین ہوا
مگر آپ ایسے ناشکرے ہیں کہ مجھے کو قصور وار ٹھہراتے ہیں آپ کا عشق خام ہے چلے اپنا رستہ لیجئے۔
مومن منفعل ہو کر کہتے ہیں کہ

یہ عذر امتحان جذب دل کیسا بکل آیا
میں الزام اُن کو دیتا تھا قصور اپنا بکل آیا

یہ امر مسلمہ ہو کہ ہر شے کی معرفت اُس کی ضد سے ہوتی ہو اگر معشوق جفا کار و دند خو تغافل آشنا ہو تو عاشق کو اپنے عشق کے نقص یا کمالات
اندازہ دشوار ہو جائے۔

اسی قبیل کا یہ مطلع ہے

روز جزا جو قاتل دیکھو خطاب تھا

میرا سوال ہی مرے غول کا جواب تھا

حضرت نے روز جزا اپنے ”رکشندہ“ کو قاتل دیکھ کر پکارا اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ تو خود اپنی جان پر کھیلے ہوئے تھے قاتل کو دیکھ کر کہتے
ہیں داد بیداد سب غلط کوئی سماعت نہو گی۔ ا کا غول انہی کی گردن پر رہا ہے

پھر نے سے شام وعدہ تھکے یہ کہ سو رہے

آرام شکوہ ستم اضطراب تھا

شام وعدہ معشوق کے انتظار میں ٹہلتے رہے۔ دروازے کے نہر اردن چکر لگائے گلی کے سیکڑوں پھیرے کئے مگر معشوق نہ آنا تھا
نہ آیا۔ آخر تھک کر گرے اور سو گئے جس کا ہتھوڑا مرنے سے بھی ہو سکتا ہو اب الزام یہ آتا ہو کہ حضرت! آپ کو معشوق کا انتظار کیا

تہا کہ سو گئے اُس کا جواب دیتے ہیں کہ اضطراب نے میری جان پرستم توڑا تھا مجھے آرام نہیں آیا بلکہ اس طرح میں نے ستم اضطراب کا شکوہ کیا
اضطراب و سکون دو متضاد کیفیتیں ہیں جب اضطراب کے بعد مجبوراً سکون اختیار کیا گیا تو یقیناً یہ فعل شکوہ پر مبنی سمجھا جائے گا
گویا خاموشی نے اضطراب کے خلاف صدر کے احتجاج بلند کی ہے

روز جزا خدا ربّت حسبِ ملا د کو ملا

گویا کہ خون ناحق مومن ثواب تھا

اس شعر میں بھی ایہام ہے۔ بت جلاو نے مجھ کو بے گناہ قتل کیا حشر میں پرسش ہوئی۔ خدا کے سامنے پیش ہونا پڑا۔ سوال و جواب کی
نوبت آئی اس کی یوں تاویل کی کہ بت جلا د کو میرے خون ناحق کے سبب سے خدا ملا گویا میرا قتل کا ثواب تھا۔ نہ مجھے قتل کرتا نہ خدا تک
پہنچتا۔

یہ تو ظاہر ہی معنی ہوئے اصل مطلب یہ ہے کہ میں ایسا گنہگار تھا کہ اگر معشوق مجھے بیگناہ قتل نہ کرتا (اس کو شہادت کہتے ہیں اور
شہید یقیناً جنتی ہے) تو میری بخشش نہ ہوتی۔ چونکہ بت جلا د میری نجات کا باعث ہوا۔ لہذا اُسے ثواب ہوا اور اس کا یہ فعل ایسا تھا
جس نے اُس کو بھی خدا سے ملا دیا ہے

دیکھو لوشوق نام تمام مرا

غیر لے جائے ہے پیغام مرا

”شوق نام تمام“ کی بلاغت ملاحظہ فرمائیے۔ ایک مطلب تو یہ ہوا کہ غیر باوجود دشمن ہونے کے میرے شوق سے اتنا متاثر ہوا کہ میری طرف سے
معشوق کو پیغام پہنچانے پر آمادہ ہو گیا مگر یہ مومن کا خیال ہی خیال ہو غیر کو معشوق تک پہنچنے کا ہانا ہاتھ آیا۔

دوسرا مطلب یہ ہو کہ غیر کا دل (جسے پتھر سے زیادہ سخت کہنا چاہئے) پگھل گیا بجائے دشمن کے میرا دوست بن گیا اور میری طرف سے
پیام لے چلا۔ اگرچہ میرا شوق اس درجہ پر تھا پھر بھی نام تمام تھا ورنہ میں خود اپنا پیغام لے جاتا یا معشوق کو خود بخود میرے حال کی
خبر ہو جاتی ہے

میری نگاہِ خیرہ دکھاتے ہیں غیر کو

بے طاقتی پہ سرزنش ناز دیکھنا

”سرزنش ناز“ کیسی خوبصورت ترکیب ہے۔ نظارہ جمال دوست سے مومن کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ عاشق کے لئے یہ خیرہ چشمی ہی

سرزنش ہو کہ تاب دیدار نہ لایا۔ مگر معشوق نے ”سرزنش ناز“ کا اضافہ کیا یعنی غیر سے کہا دیکھو مجھے دیکھ کر اس کی آنکھیں چند دھپکیں
بہ سرزنش ناز مبہم ہو مومن اسے اپنی سرزنش سمجھتے ہیں حالانکہ معشوق غیر کو سرزنش کرتا ہو کہ مومن کی آنکھیں مجھے دیکھ کر خیرہ ہو گئیں یہ

مقتضائے عشق تھا مگر تو ایسا دیدہ دلیر رہ کر مجھے گھوڑ رہا ہے اگر عشق تجھ پر حاوی ہوتا تو مومن کی طرح تو بھی بے طاقت ہوتا اور میری طرف نہ دیکھ سکتا اور اگر شوق سے مجبور ہو کر اتنی جرات کرتا تو تیری آنکھوں میں بجلی کوندھ جاتی۔ یا عورتوں کی زبان میں دیدے پٹم ہو جاتے۔

ہم بھی تو نادان ہیں آخر یا س مطلب کس لئے

خضر مرے کو پئے تسلیم دانا فی ملا

دوسرے مصرع میں تلمیح ہے خضر موسیٰ دونوں پیغمبران اولوالعزم تھے مگر حضرت خضر کو بعض ایسے علوم باطنی خدا کی طرف سے تعلیم ہوئے تھے جن سے حضرت موسیٰ ناواقف تھے اور ان کو حضرت خضر کے پاس پئے تعلیم بھیجا گیا۔ پورا قصہ قرآن مجید میں درج ہے۔ جس طرح خضر موسیٰ کو تعلیم دانا فی کے واسطے مل گئے اسی طرح مجھے بھی کوئی رہبر مل جائے گا۔ یا یوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ تلمیح نے شعر کو اس وجہ سے بند کر دیا کہ خود حضرت موسیٰ کا درجہ بہت بلند تھا تاہم ان کو ایک ایسا شخص ملا جس کے مقابلے میں گویا وہ نادان تھے۔

جستجو سے وصل دلبر کی تمنا کس لئے

کیا دل گم گشتہ سے ہنگامہ آرائی ملا

جب دل گم گشتہ تلاش سے دستیاب نہیں ہوا تو جستجو سے وصل دلبر محال ہوا اور ہنگامہ آرائی بیکار۔

ہنگامہ آرائی کو ایک ذات قرار دینے اور اس سے مخاطبے ہنگامہ آرائی کی اہمیت ثابت کی ہے

جوش عشق جس نے کیا رنگ بد سے دیکھنا

اشک خونی سے مرے منہ زرد اس کا ہو گیا

افسوس دوسرے مصرع میں قافیہ کی قید نے ملکی سی عقید پیدا کر دی مگر مطالب کے لحاظ سے شعر کی جس قدر داد دی جائے کم ہے۔ عاشق کے

چہرے پر اشک خوں بہتے دیکھ کر معشوق کا رنگ زرد ہو گیا (خون رسوائی سے یا نزاکت سے یا "خون ہلکا" ہونے کے سبب سے یا باطنی ربط

حسن و عشق سے۔ بہت سی توجہیں ہو سکتی ہیں) اس کیفیت کو جوش عشق کا رنگ بدلنا کہنا کس قدر بدلتع ہے معشوق کا رنگ جو قدرتی طور

پر سرخ تھا زرد ہو گیا۔ اور عاشق کا رنگ زرد اشک خونی سے سرخ ہو گیا۔ محاورہ رنگ بدلنا کس خوبی سے صرف ہوا ہے۔ جوش کے لفظ نے تعجب

میں اضافہ کیا۔ یہ انقلاب جس کی شاعر نے مصوری کی ہے اسی وقت رونما ہوتا ہے جب حسن و عشق دونوں اوج کمال پر پہنچ چکے ہوں۔

بعض حضرات کو شاید یہ اعتراض ہو کہ کیا رنگ بدلے، کے بجائے کیا رنگ بدلے چاہئے۔ میں ادب سے عرض کر دوں گا کہ ہر اہل

غلط ہو گا کیا کیا سے محاورہ کا مفہوم کچھ سے کچھ ہو جائے گا ایک سے زیادہ رنگ بدلنے کا مطلب پیدا ہو گا جو شعر کو مضحک بنا دے گا۔

کیسی سے ہو کہ ان لطفوں پہ گستاخی نہ ہو

غیر ہم سا کب ہوا ہر خید ہم سا ہو گیا

انہی الفاظ کو انٹل پلٹ کر ایک نیا مضمون پیدا کر دینا مومن کا حصہ ہے۔ اس قسم کے متعدد اشعار اس کے دیوان میں ملتے ہیں۔
 شعر کا مطلب یہ ہے کہ ایک زمانہ تھا کہ تو مجھ پر ہر بان اور مجھ سے بے تکلف تھا۔ میں طرح طرح کے لطافت کا مورد تھا تاہم میں نے پاس ادب کبھی
 ترک نہیں کیا مجھ سے کوئی گستاخی سرزد نہیں ہوئی مگر غیر کا تناظر کماں تیرے مہربان ہوتے ہی گستاخ ہو گیا۔
 ”یہ جس سے ہے“ سوالیہ جملہ ہے یعنی اور کسی سے ایسا نہیں ہو سکتا۔ غیر ہم سا ہو (یعنی ہم دونوں پر مہربانی ہو چکی ہو) غیر ہم سا کب ہو (یعنی
 میری طرح عالی ظرف و تحمل نہیں ہے)۔

کیا رشک غیر تھا کہ تجھ سے نہ ہو سکا

میں جان کر حریف تنافل نہ ہو سکا۔

معتوق نے تنافل کیا مومن کی زبان پر بے اختیار شکوہ آگیا فوراً الزام لگا گیا کہ شکوہ یا اظہار ملال شیوہ عاشقی کے خلاف ہے مومن نے
 فوراً بات بنائی کہ یہ غیر کا رشک تھوڑی سی تباہی مجھ سے برداشت نہ ہو سکا۔ معتوق نے مجھ سے تنافل برتا میں نے اس کی آگاہی اور غیب کے واسطے جانکر
 رہے قابو ہو کر نہیں (حریف تنافل ہونے سے انکار کیا۔ پہلا مصرع استہسا یہ ہے۔ یہی خیال تھوڑے تیرے اس شعر میں نظم ہو رہا

دھیان ہے غیر کے تجھ سے نہ ہو سکا

ہوش دیکھتا ہے تنافل کا

یہاں تنافل ہو مگر!۔ قدر نہیں کہ غیر صبر کھو بیٹھے۔

اشک دائرہ اثر باعث صد جوش ہوا

ہچکیوں سے میں یہ سمجھا کہ فراموش ہوا

ہچکیاں دھم کی ہوتی ہیں ایک شدت گریہ کے بعد اور ایک وہ جو بغیر گریہ خود بخود آتا شروع ہوتی ہیں اور عام اعتقاد ہے کہ کسی یا دیکھا مومن نے
 ان دونوں کیفیتوں کو پیش نظر رکھ کر مطلع کہا ہے۔

ایک ایسی بات کہتی ہیں کہ ہچکیاں آنے سے میں سمجھا کہ معتوق نے مجھے فراموش کیا پہلے مصرع میں اسکی وجہ بیان کی ہے۔ یہ ہچکیاں جوش
 اشک کا نتیجہ ہیں وہ نہیں جو خود بخود آتی ہیں معلوم ہوا ہے کہ میرے جوش گریہ نے الٹا اثر کیا اور یہ ہچکیاں اس سے نہیں آتی ہیں کہ معتوق نے
 مجھے یاد کیا بلکہ اس کے فراموش کرنے کی علامت ہیں۔ اشک دائرہ اثر کی ترکیب یادگار ہے۔

اثر۔ لکھنوی

موازنہ مومن و غالب

اس میں شک نہیں کہ مومن و غالب دونوں شاعر تھے اور شاعر بھی ایسے جنہر دنیاے شاعری بجا طور سے فخر و ناز کر سکتی ہے اور جنہر نے اپنی اپنی جگہ خصوصیت اس قدر حاصل کر لی تھی کہ لکھتے ہی قلم سے ہر کہ دونوں مختلف راہوں کے چلنے مختلف مذاق رکھنے والے تھے اور دونوں کے رنگ و طابع میں بہت اختلاف تھا۔

غالب آزاد مزاج۔ رند لانا کی غم و افکار کو کیف شراب سے دور کر دیتا۔ زخم خوردہ۔ مگر مہم کی جستجو سے بے پروا۔ درد مند مگر فکر چارہ سے مستغنی۔

مومن عاشق مزاج۔ اُلفت و محبت کی مضبوط زنجیروں میں جکڑا ہوا جس پر جان لینے والا۔ زمانہ کے غم و الم سے اثر لینے والا۔ آن پر جان دینے والا۔

غالب فاتح دست۔ مگر مزاج میں شاہانہ بولنے ہوتا۔ مومن شاد عبد الغزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت کا بیٹھنے والا۔ غالب امرائے عہد کا شاگرد اور عقیدت مند۔ مومن روسا کی باتوں کو بیان ابرو سے دیکھنے والا۔ انکی صحبتوں سے محترز انکے مال و دولت پر نظر استہوار ڈالنے والا۔ ایسی صورت میں ظاہر ہر کہ دونوں کا رنگ شاعری بھی جداگانہ ہوگا۔

سنا ہوں کہ ہندوستان میں اگر کوئی مومن کا جواب دے تو وہ غالب ہو اور اگر کوئی غالب کا جواب دے تو وہ مومن ہو۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اسی پر گفتگو کرنا موضوع بحث ہے

قبل اس کے کہ اصناف شاعری پر نظر ڈالی جائے صفات شاعری کو دیکھئے۔ تو بڑا فرق محسوس ہوگا۔ غالب مومن کی شاعری میں تشبیہا رنگ بلاغت۔ طرز فصاحت ہتعارات۔ انداز بیان محاکات۔ بیان جذبات۔ اداسے مضمون۔ جدت تخیل وغیرہ وغیرہ سب خیریں مشترک اور یکساں طریقہ پر پائی جاتی ہیں لیکن نگاہ حقیقت شناس اس فرق و امتیاز کو محسوس کئے بغیر نہیں رکھتی جو ان دونوں میں پایا جاتا ہے **مثنوی** | وہ مایہ ناز صنف شاعری جو صرف اہل عجم کیلئے مایہ ناز ہو اور عرب کی شاعری میں نو نیا مثال کے سوا اس کا وجود کیسے نہیں ہے مثنوی ہو۔ وہ متاع ادب جسے فارس کے ذخیرہ ادب کو گراں قدر اور گراں بہا بنایا۔ صرف مثنوی ہو۔ جسکے ثبوت میں شاہ نامہ سکند نامہ منطق لطیف

بوستان۔ زلیخاے جانی۔ تحفۃ العرا قین۔ مثنوی زلالی۔ مثنوی مولانا روم وغیرہ وغیرہ سیکڑوں مثنویاں پیش کی جاسکتی ہیں یہی وہ چمکنے والے جواہرات ہیں جسکی آب و تاب نے عرب کے ادبی متاع کو ماند کر دیا تھا۔ فارسی کی تمام اصناف شعر کے ساتھ یہ بھی ہندوستان میں آئی۔ اور عالی دماغ ادیبوں کے

ہاتھوں دوسرے اصناف سخن کے ساتھ یہ بھی پروان چڑھتی رہی مگر اس زمانہ کو جسمیں زبان اردو اپنے بچپن کے گہوارے میں تھی، اور نکتہ بخول
مثنویاں کہیں ہم ایام جاہلیت میں شمار کرتے ہوئے میر کے زمانہ تک پہنچتے ہیں۔ ترقی میر نے اردو میں اس صنف کو خصوصیت کے ساتھ ترقی

دی۔ اور تیس سے زائد مثنویاں لکھیں جن میں بعض نہایت مختصر ہیں۔ مگر شعلہ عشق۔ دریائے عشق۔ اعجاز عشق۔ سکار نامہ۔ اثر نامہ۔ ہجو بستان
تنبیہ اجمال وغیرہ مثنوی کے بہترین نمونے ہیں۔ میر صاحب کی مثنویاں بعض بلا قید زمانی۔ اور بعض اس زمانہ کے لحاظ سے نہایت عمدہ اور بحسب ہیں
مگر فی اصل صنف کو عروج کمال پر پہنچانے والے میر حسن ثابت ہوئے۔ اور انکی مثنوی کی اتنی شہرت ہوئی کہ میر صاحب کی مثنویوں کی شہرت
صرف انکی ذات بابرکات کی فضیلت کے ساتھ وابستہ رہ گئی۔ میر حسن کے بعد اگرچہ کئی مثنویاں بد مزیر کے جواب میں لکھی گئیں مگر مقبولیت اور شہرت
نہ پاسکیں۔ آخری دور میں مثنوی گلزار نسیم کو لکھنؤ میں خاص شہرت ہوئی مگر دلی میں رنگین کے علاوہ اور کوئی دوسرا شخص مثنوی لکھنے والا
نظر نہیں آتا یہاں تک کہ مومن و غالب کا زمانہ آجاتا ہو۔ مومن اور غالب دونوں نے اس صنف میں نہایت جانکاہی اور محنت سے کام لیا۔
اور اس مردہ صنف کے ساتھ اعجاز سحائی کیا غالب نے فارسی میں تقریباً گیارہ مثنویاں لکھیں۔ سرمہ بندش۔ درد و داغ۔ چراغ دیر۔ رنگ و بو۔ باد مخا
شان نبوت۔ تہنیت عید شوال، تہنیت عید۔ دیباچہ۔ تقریظ آئین اکبری۔ ابرگہرہ۔ اور اردو میں مختصر چند شعر مثنوی در صفت ائبہ کہو۔
مومن کا یہ تمام کارنامہ جو انکی شاعری کا ایک درخشاں گہوارہ ہے ہر شب چراغ ہو خزانہ اردو میں ہو۔

نامہ مومن۔ دوسرا نامہ شکارِ کایست تم۔ قصہ غم۔ قول غمیں۔ تفت آتشیں تیس مغموم۔ آہ دزاری مظلوم۔ مثنوی نامہ تمام۔ مثنوی مضمون جہاد۔
ہر چند مثنویوں میں دونوں کا موازنہ یا تقابل درست نہیں ہو سکتا کیونکہ غالب کی مثنویاں فارسی میں ہیں اور مومن کی اردو میں تاہم اجمالاً
یہ کہا جاسکتا ہے کہ غالب کی مثنویاں زیادہ تر واقعات ضروری پر مبنی ہیں اور مومن نے باطنات بعض سبب عشقیہ لکھی ہیں اور اس طرز میں گویا وہ
خود ہی موجد اور خود ہی خاتم ہیں۔ ان کی مثنویاں سن و عشق کے واقعات کے آئینے ہیں جن میں دونوں تصویروں کا بال بال نظر آتا ہے۔ ان
مثنویوں کے بعض حصے مناظر ترقی اور حسن کی مثنویوں سے ملتے جلتے ہیں۔ مگر اصل یہ کہ خواہ فراق کا بیان ہو خواہ اشتیاق اور دصال کا
اس میں وہ آپ اپنی نظیر ہیں کیونکہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہو وہ سب وہ واردات ہیں جو سوختہ جانان عشق پر گزرتی رہتی ہیں اور یہی سبب کہ
لطف ان کے بیان میں ملتا ہو وہ دوسروں کے بیان میں ہرگز نہیں ہو۔

اصناف سخن میں سے وہ اصناف جو اردو میں مشترک طور پر غالب مومن کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ قصیدہ۔ رباعی۔ مثنوی اور غزل
ہیں سب پہلے ہم قصیدہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ قصیدہ کے لئے اول تو ان الفاظ کی ضرورت پڑتی ہے جنہیں علو اور شکوہ و شان پائی جائے
اس کے بعد تشبیہ آتی ہے۔ جیسے مقام زور شاعری صرف کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد گریز ہو یعنی وہ نازک موقعہ جہاں سے اس کو اپنے اصلی مقصد کی
طرف رجوع کرنا پڑتا ہو۔ روانی۔ خوش و غیرہ بھی اس کے لئے ضروری ہیں۔ چونکہ قصیدوں کے اغراض و مقاصد مختلف ہوتے ہیں اس لیے یہ گوش تو
بے سود ثابت ہوگی کہ غالب مومن کے ایک مضمون کے قصاید کو ڈھونڈا جائے اس واسطے صرف مندرجہ بالا باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے ہم ایک موازنہ

کی صورت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

مومن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں قصیدہ اس طرح شروع کرتے ہیں۔

کھلتی ہو میری تیغ زباں سے زبان تیغ کیونکر سخن فروش ہوں سودگران تیغ
نہا دیا۔ د کو لہو میں بسان تیغ میری زباں کے آگے چلے کیا زبان تیغ
پھر جوش آگیا دم خرواہ ریز کو پھر تیزی زباں پہ ہو قربان تیغ
میدان کشت و خون میں مراد سے سوار جاٹے غناں کشیدہ تو ہوں غناں تیغ

میں نے صرف یہ چاہا اس لئے لکھے ہیں کہ دیکھنے والوں کو قصیدہ کی اٹھان معلوم ہو جائے۔ ورنہ اس قصیدہ میں مومن کے یہاں تیس چالیس تقریباً اسی انداز اور اسی شان کے موجود ہیں۔ سب سے پہلے شاعر کے شعور پر نظر ڈالئے کہ اُس نے چونکہ خداوند و الفقار کی مدح سنجی کرنا چاہی ہو لہذا زمین قصیدہ بالکل اُسی کے موافق تجویز کی۔ دوسری خوبی جو قصیدہ میں نمایاں ہے۔ وہ صنعت براۃ الاستہلال ہے جس کی شان قصیدہ کے مطلع سے نمایاں ہو رہی ہے تیسری خاص بات جو مصنف کے ذہن میں آئی وہ یہ تھی کہ اُن مناسبات کو جو محد ورج سے متعلق ہیں ایک ایک کر کے تشبیہ میں لے آیا مثلاً

فردوسی ایک خار جنان بیسان تھا

گل زیری دم سے ہوئی دستان تیغ

اگر تہوڑا سا تامل کیا جائے تو فردوسی کو خار جنان بیان بنانے کے اسباب نظر کے سامنے پھر جاتے ہیں۔ کیونکہ گو فردوسی نے عمر بھر حرب و ضرب نظر لکھے مگر مومن کو اس بات پر فخر ہے کہ وہ صرف کافروں کی مدح سنجی میں رہا اور وہ دراصل باغ جنان مدح کے لئے ایک کاٹنا ثابت ہوا مگر مومن کہ حضرت علی بن ابی طالب کی مدح سنجی کا ارادہ کر رہا ہوں۔ دراصل یہ داستان تیغ گویا گل زیری داستان تیغ ہو۔ دوسرے مناسبات مدح دیکھئے

یہ دل خراشیاں مرے اشعار شوخکی سینے پہ منکروں کے ہیں لاکھوں نشان تیغ

جس جاے خطبہ خواں ہو میری تیزی باں واں جانے فرض سجدہ ممبر نشان تیغ

صدر مدہ جراح مت منکر حسود کو کرتا ہوں رزم گاہ میں میں تہجان تیغ

مومن کو آرزوئے ثواب جہاد ہے کفار کا کش آکے سینہ داستان تیغ

معلوم ہوتا ہے کہ ایک دریا اُٹھا ہوا چلا آ رہا ہو۔ اسی روانی اور تسلسل کی حالت میں اس آسان طریقہ سے گریز کیا ہو جس کا جواب نہیں گویا مصنف نے گریز کا ارادہ نہیں کیا بلکہ بے اختیار اس کے قلم سے یہ اشعار نکلتے گئے ہیں۔

آئی ہر لب پہ مرغ خداوند ذوالفتار
لے جاؤ شکر و کئے ارغمان تیغ
شیر خدا علی کہ شجاعت سے جس کی ہر
سہ پہر اسد پہ نہیج زن بنان تیغ

یہی وہ مقامات ہیں جو قصیدہ میں دشوار ہوتے ہیں۔

اب مرزا غالب کا وہ قصیدہ ملاحظہ فرمائیے جو انھوں نے حضرت علی کرم اللہ کی مرح میں کہا ہے۔ قصیدہ سے مصنف کا کمال اور قادر الکلامی
ظاہر ہو گا وہ مناسبات جو مومن کے یہاں ہوا اس میں نہیں ہر

دہر خیزہ جلیوہ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود ہیں
بیدلی اے تماشا کہ نہ عبرت نہ ذوق
کے کسی ہائے تنہا کہ نہ نیا ہے نہ دیں
ہرزہ ہو غم نہ زیر دم ہستی و عدم
نہ ہو آئینہ فرق جنون و تسکین

پوری تشبیب اسی طریق سے کہی گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ غالب کی کہنہ فانی نے اس میں بہت کچھ حسن پیدا کر دیا ہے مگر قصیدہ
میں وہ بات نہیں ہے جو مومن کے یہاں ہو مخلص میں انھوں نے تشبیب کو ختم کر کے اس طرح چھپا چھڑا کر ہے
کستہ ہرزہ سراہوں کہ عیاذاً باللہ یکسٹم غائب آداب و تقاریر تکیں
نقش لا حول لکھ لے فائدہ بیاں تحریر یا علی عرض کر لے فطرت و سوس قوس

دیکھنے والا پہلی نظر میں دیکھ لیتا ہے کہ مصنف نے ایک تشبیب بغیر سوچے سمجھے محض اپنی شاعرانہ قوت بیان کے زور میں لکھی ہے
اس کے بعد اس کو خیال پیدا ہوا ہے کہ اس قصیدہ کا مقصد کی طرف رخ پھیر دینا چاہئے اسی لئے اس کو دقت ہوئی ہے اور انہوں نے
گریز کا یہ انداز اپنایا۔ برعکس ان کے مومن کے یہاں پہلے ہی سے اہتمام کیا گیا ہے اور اس صفائی اور خوبصورتی سے گریز کیا ہے
جو بہتر سے بہتر تھا۔

اس کے بعد رباعی پر جب نظر ڈالتے ہیں تو غالب کے یہاں اردو کی چند رباعیات نظر آتی ہیں مگر درحقیقت وہ قابل موازنہ
نہیں ہیں کیونکہ مومن کے یہاں رباعیات کا ایک بہت کافی سرمایہ اور ذخیرہ موجود ہے جو جسمیں ہر قسم کے خیالات ادا کئے گئے ہیں۔
برعکس اس کے غالب کے یہاں چند رباعیات ہیں اور ان کے دیکھنے سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ انہوں نے بجز لکھی ہیں یا بعض
واقعات نے ان سے لکھوا دی ہیں۔ ہر صورت کم سے کم اردو میں غالب صنف رباعی کے مرد میدان نہیں سمجھے جاسکتے۔ ان سب کو
چھوڑنے کے بعد موازنہ کے واسطے صرف ایک غزل کی صنف باقی رہ جاتی ہے جنہیں دونوں کا سرمایہ علم کافی موجود ہے۔

غزلوں کے موازنہ کے لئے دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ ایک غزل غالب کی لکھی جائے اور ایک مومن کی مگر تحصیل
حاصل ہو کیونکہ اگر صرف یہی بات مد نظر ہو تو بجائے خود دونوں کے دیوان علیحدہ علیحدہ موجود ہیں اس کے بعد موازنہ کے لئے

اُن غزلوں پر نظر جاتی ہو جو ہم طرح ہیں اور جنہیں ایک زمین میں دونوں نے کلفشاخیاں کی ہیں۔ یہ البتہ کارآمد ہو بشرطیکہ دونوں کے قیامی کو
 جتن لیا جائے اور پھر دونوں کے رنگ طبیعت کے موافق اپنے رشتہ کیجائے۔ چنانچہ پہلے یہی کرتے ہیں۔ اگرچہ دونوں کی ہم طرح غریب بہت کم
 ہیں۔ تاہم جو کچھ ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔

غالب کی ایک مشہور غزل کا مقطع ہے۔

مجھ پر جفا سے ترک و فاکا گساں نہیں اک چھپر ہو گر نہ مراد امتحاں نہیں

نہایت پاکیزہ مطلع کہا ہو یعنی معشوق مجھ پر امتحان لینے کے لئے بغا نہیں کرتا اور نہ اس کو یہ خیال ہو کہ جفا کرنے سے میں دنیا
 چھوڑ دوں گا۔ بلکہ مقصود صرف ایک چھپر جاری رکھنا ہے۔ اس سے زیادہ عاشق کی حراں نشینی کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہو کہ جفا بھی سہتا
 تو اس میں بھی اس کو کوئی امید نہیں۔ اگر معشوق کی یہ جفا امتحان لینے کے لئے ہوتی تو کچھ امید افزا ہو سکتی تھی۔ یا کاش معشوق جی جھٹکا
 جفا کرنے سے یہ وفا چھوڑ دیگا۔ مگر وہ یہ سمجھ چکا ہو کہ عاشق و فانی پھوٹے گا۔ اس سے بغیر کسی عاشق کے پہلو کو شعریں اور بھی تقویت پہنچتی ہے۔
 یعنی وفائے ثبات قدم سمجھتے ہوئے وہ جفا کرتا ہے۔ مگر کیا مومن خان فرماتے ہیں۔

کرتے وفا امید و ناپہنچ سام عمر پر کیا کریں کہ اس کو سر امتحاں نہیں

مضمون تقریباً یکساں ہو فرق یہ ہو کہ غالب کہتا ہو کہ وہ جفا کرتا ہو مگر امتحان کے لئے نہیں کرتا۔ حکیم صاحب کہتے ہیں کہ جفا کرتا نہیں
 ورنہ ہم عمر بھر اس سے وفائے جاتے۔ اس میں حراں و یابوسی کا مضمون غالب کے شعر سے بہت زیادہ بڑا ہوا ہو۔ جفا ہونے میں تو ایک امید
 بھی ہو یعنی اگر آج اس کو خواہش امتحان نہیں تو نکلن ہو کہ کب وقت پیدا ہو جائے مگر وہ بد نصیب واقعی بڑا بد نصیب ہو جسے جفا بھی نہیں
 کیجاتی۔ اس کے علاوہ پہلے مصرع کی صفائی بیان کی تعریف ہی نہیں ہو سکتی۔ "پر کیا کریں" کے ٹکڑے نے اور بھی زیادہ بھوری کا رنگ
 پیدا کر دیا اور اس ابہام و ایہام نے کہ "اب کیا وفا کریں" اس بات پر بھی ایک کافی روشنی ڈال دی کہ ہم کو اظہار و فاکا بھی موقع نہیں دیا جاتا ہے

غالب ہم کو ستم غریب ستم گر کو ہم عزیز نامہاں نہیں ہے اگر ہاں نہیں

ہم ستم دوست ہیں اور وہ ستمگر ہو ہم کو ستم کی ضرورت ہو اور ستمگر کو ایک ستم دوست کی احتیاج ہے۔ اس صورت سے ایک رابطہ آقا و
 فی ما بین قائم ہو۔ لہذا اگر وہ ہر بان نہیں ہو تو نامہاں بھی نہیں ہو۔ غالب کے منطقی استدلال نے اس میں عجب و غریب لطیف پیدا کر دیا ہو۔
 اور یہی استدلال اس شعر کو مرزا کے خاص رنگ میں آیا ہو۔ ہمارے نزدیک سب سے بڑی خوبی اس شعر میں انداز بیان کی ہو اور پھر یہ کہ منطقی
 کے ساتھ اس میں تغزل کا رنگ کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہو مگر مومن کہتے ہیں۔

اظہار دوستی کی خوشی کیا شب صال دشمن سے من چکا ہوں کہ تو ہاں نہیں

دشمنوں کے بعد ایک ہجران نصیب کو شب وصال میسر ہوئی ہو معشوق گرم جوشیاں کر رہا ہو۔ مگر اس سے بھی اس ستم نصیب عاشق کو کوئی

تسکین نہیں ہوتی۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے دشمن سے سنا تھا کہ تو کسی کا دوست نہیں ہوتا اور اگر یہ سنا محض سننے ہی کی حد تک ہوتا تو غنیمت تھا مگر چونکہ اس وقت اس کے قول کی تصدیق ہو رہی ہے کہ اب وہ دشمن کے پاس نہیں ہے اور ہم ہر بان ہو لہذا ہی اس کی بے ثباتی محبت کا ثبوت ملتا ہے۔ استدلال کی صورت تقریباً یکساں ہے۔

غالب پاتا ہوں اس دیکھ لینے کلام کی روح القدس اگرچہ مرا عزبان نہیں
اس شعر میں ایک تعلی شاعرانہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ روح القدس پر اپنی ترجیح بھی ایک بے لطف سی بات ہو مگر مومن خاں اسی قافیہ میں تغزل کی شان پیدا کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

پیش عدو سمجھ کے ذرا حال پر چھپنا قابو میں دل نہیں مڑیں میں بان نہیں
اول تو جس صفائی کے ساتھ کہا گیا ہو اس کی تعریف محال ہو اور اس کے علاوہ بلاغت اور شعر کی معنویت اور بھی قیامت ہو جس کی وجہ سے یہ شعر غالب کے شعر سے بہت بڑھ گیا ہے۔

غالب نقصان نہیں جو نہیں بگا ہو گر خرا سو گز میں کے بدلے بیا باں گراں نہیں
یہ شعر غالب نے ایک شوخی کا انداز قائم رکھتے ہوئے تغزل کی حد میں کہا ہے اور نہایت ہی عمدہ صورت سے کہا ہے مگر مومن خاں کے یہاں ایک ناصحانہ انداز بیان ہے۔

لٹے سبک نظر میں ہیں وضع روزگار دنیا کی حسرتیں مے دلپر گراں نہیں
یعنی رازہ کو میں اتنا ہیچ و پوچھ چکا ہوں کہ دنیا کی حسرتیں اب میرے دل پر کوئی گراں پیدا نہیں کرتیں سمجھیں لطف یہ ہو کہ حسرت بھی میری نظر میں سبک ہو گئی ہے۔ تاب و توان کا قافیہ غالب نے قطعہ بند کہا ہے۔

خار سب ہر خبیث جان گداز می قبر و عتاب ہو ہر خد پست گرمی تاب توں نہیں
جان مضطرب ترانہ ہل من مزید ہو لب پر وہ سنج زمرہ الاماں نہیں
یعنی اگرچہ تمام ظلم ہو رہا ہے۔ اگرچہ بی ناتواں ہوں۔ مگر پھر بھی جان خواہشمند ہو کہ اور بھی ستم ہوں۔ لب ہرگز نغمہ الاماں نہیں کہتا یہ ایک کیفیت خاص ہے جو اکثر عشق میں ہوتی ہے۔ مگر شوکت اللفاظ کے سواے شعر میں کوئی ندرت نہیں ہے۔

مومن ہر ذرہ میری خاک کا ترو باد ہو چکا
بس لے خرام نازک تاب و توان نہیں

انداز تغزل میں بے مثل ہو اور باد جو اس کے کمزرا نے اس کو قطعہ کی صورت میں کہا ہے مگر اس میں کوئی خاص خوبی نہیں پیدا کر کے اور مومن نے ایک ہی شعر میں سوز و ساز کی دنیا بھر دی۔

دوسری غزل ملاحظہ فرمائیے۔ غالب کہتے ہیں ے

ہمتی ہو خوشی ارسے ناز الہتاب میں

کافر ہوں گر نہ ہمتی ہو راحت عذاب میں

یعنی مجھ پر جو آگ کا عذاب کیا گیا ہو میں اُس سے بہت خوش ہوں کہ آگ جب لہتہا ہوتی ہو تو مجھ کو اپنے معشوق کی آتش خودئی یاد آتی ہو اور اس لئے اس عذاب میں ایک قسم کی راحت معلوم ہوتی ہو۔ کافر ہوں۔ کا ٹکڑا اس شعر میں نہایت سوج بچھ کر رکھا گیا ہے جس سے دمت معنی بہت بڑھ گئی ہو۔ مگر ناز اور الہتاب نہایت ثقیل ہیں ے

جہتا ہوں جہر شاہد و یاد شراب میں

مومن شوقِ ثواب نے مجھے ڈالا عذاب میں

مومن

مفہوم بالکل ظاہر ہو کر مومن کا انداز بیان دوسرے مصرع میں نہایت ہی صفائی کے ساتھ استاد کی شان پیدا کر رہا ہو پہلے مصرع میں جلتا ہوں کے ایہام نے شعر کے معانی میں بہت زیادہ مدد کی ہو۔

کتب سے ہوں کیا بتاؤں جہانِ خراب میں

غالب شہاے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں

غالب

اس مضمون کو دیکھ کر کیسی جرات نہیں ہو سکتی کہ کوئی نقص کمال سکے مگر انیسویں صدی کے مضمون غالب کا نہیں ہے بلکہ خسرو کے ایک شعر کا ترجمہ ہے ے

زہرِ عمر دراز عاشقتاں گر

شبِ ہجرانِ حسابِ عمر گیرند

کھولا جو دفتر گلہ اپنا زیاں کیسا

مومن گزری شبِ دصالِ تم کے حساب میں

مومن

دہی انداز تغزل جو مومن کے کلام کی جان ہو اس میں بھی موجود ہو اگرچہ مضمون کو بلند نہیں کہا جاسکتا مگر صفائی اور سادگی مضمون نظر انداز بھی نہیں کی جاسکتی ے

تا پھر نہ انتظار میں بیند آئے عمر بھر

غالب آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

غالب

مضمون آفرینی جس کے لئے غالب کی شاعری خلق ہوئی تھی۔ اس شعر میں بھی بدرجہ اتم موجود ہے یعنی معشوق کی بفا وفا کی سورت میں اور عاشق کی کامیابی کا میا بی کے رنگ میں ہو۔ اور طرہ یہ کہ شاعر کا وہی خاص انداز بیان جس کا وہ عادی ہو اس لئے شعر بہت ہی

بے مثل ہے۔ مگر مومن نے اس قافیہ کو جس خوبی سے کہا ہو وہ باوجود اتنی زبردست مضمون آفرینی کے غالب کے شعر سے بہت بڑا ہوا ہے۔ کہتا ہے

تیری جفا نہ ہو تو ہے سب دشمنوں سے اس

بدست، غیر، محو دل، اور نعت خواب میں

جس صورت سے مصرع اولیٰ لگایا گیا ہو اس سے بہتر کوئی صورت خیال میں نہیں آتی۔ غیر اس وقت شراب عیش سے بدست ہے۔ میرا دل محو ہو کر رہ گیا ہے۔ میرا نصیب محو خواب ہو اگر ایسے میں تو بھی جفا سے باز آجائے تو مجھے تمام دشمنوں سے نجات ملجائے۔ تغزل کی حد میں ایسی مضمون آفرینی اور اُسی کے ساتھ بیان میں شگفتگی مومن ہی کا حصہ تھا ہے

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں

میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

چونکہ بیان میں صفائی کو انتہائی طریق سے ملحوظ رکھا گیا ہے اس لحاظ سے شعر کو جو درجہ دیا جائے کم ہے مگر مومن کے تغزل کا انداز کسی

مضبوط سے مضبوط مضمون اور زبان کی عمارت کو قائم نہیں ہنے دیتا۔ ملاحظہ ہو

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں

سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں

آئی ہیں داستان کہ عاشق معشوق کے پاس سیکڑے دل گلے ہزاروں شکوے لئے ہوئے پہنچا۔ تمام رد و نارویا۔ رحم اور جواب کا منتظر رہا۔ مگر معشوق نے ناگزیر شوخی، سادگی، ظرافت، غصے، جھنجھلاہٹ کے لہجہ میں اتنا کہہ دیا کہ آپ کو اپنے اضطراب میں ہوش بھی ہو۔ تمام گلوں کا خامہ کر گیا۔ ایک جملہ نے معافی کا ذخار دریا شعر میں موجزن کر دیا۔ اس جواب میں جس قدر پہلو نکلتے ہیں بیان نہیں ہو سکتے

میں اضطراب ہوں وصل میں خوف رقیب سے

ذالاجہ تم کو دہم نے کس پیچ و تاب میں

میں شب وصال میں خوف رقیب مضطرب ہوں مگر خدا معلوم تم کو کیا کیا دہم ہو رہا ہو۔ پہلے مصرع میں بہت سے پہلو ہیں اور بیان کی تہ میں ایک خاص قسم کی شوخی بھی ہے۔ مگر مومن کے یہاں بھی ایہام کے ہونے سے ایک خاص لطیف سا پیدا ہو گیا ہے اگرچہ اس قافیہ کو وہ غالب بڑا نہیں سکے

پھیلی شمیم یا مرے اشک سُرخ سے

دل کو غضب فشاں ہوا اضطراب میں

میں اور حظ وصل خدا ساز بات ہو جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

بے نالہ منہ سے جھڑتے ہیں بے گریہ آنکھ سے

مومن

اجڑے دل کا حال نہ پوچھ ضمیر اب میں

غالب کے شعر میں شوخی اور شان عشق ہے۔ مومن کے یہاں بایوسی حزن و یاس پریشاں حالی۔ دونوں مضمون بالکل جدا ہیں۔ نازک خیالیاں دونوں میں ہیں مگر ایک دوسرے سے متجاوز نہیں۔ البتہ مومن کے یہاں اجڑے دل کہہ کر شعر میں جان ڈال دی گئی ہے۔ اجڑے دل بہ نظر آتا جس صورت سے تباہ ہوتے ہیں ان کی تشریح اس صورت سے ایک غالب ہی نہیں بلکہ شاید دیگر اساتذہ عجم کے یہاں بھی نہ ملے گی اسی کے ساتھ اس سلسلہ پر ایک کافی روشنی پڑتی ہے کہ جب انسان نالہ کرتا ہے تو وہ آواز گریہ دل کے اجڑا کی تباہ کن ہوتی ہے اور جب روتا ہے تو وہ آنسو ل کہ برباد کرتے ہیں اس کے علاوہ شعر کا ظاہری خزن بھی شان عاشقانہ کی ایک بایوس تصویر ہے۔

تیوی ٹپچی ہوئی ہے جو اندر نقاب کے

غالب

ہو اک شکن پڑتی ہوئی طرف نقاب میں

غالب نے معشوق کی ایک ادا اور اس کے اثر کے مترتب ہونے کو یقینی ایک نئی صورت سے دکھایا ہے۔

چین چین کو دیکھ کے دل بستہ تر ہوا

مومن

کیسی کشود کار کشود نفتاب میں

غالب کسی ہجران نصیب عاشق کے لئے اس سے زیادہ خوش نصیبی اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ معشوق اس کے سامنے بے نقاب ہو مگر مومن اس وصل میں بھی اپنی زبان نصیبی دکھاتا ہے اور اسی تیوری کو جس سے غالب ایک صورت محاکات پیدا کی ہے اپنے دل بستہ ہونے کی وجہ بکھڑاتا ہے۔ اگرچہ مضمون کو کوئی خاص درجہ دنیا کھلی ہوئی نا انصافی ہے مگر دوسرے مصرع کا حسن بیان اہل نظر کو داد لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

لاکھوں بگاڑ ایک چرانا نگاہ کا

(غالب)

لاکھوں بناؤ ایک بگردنا عتاب میں

غالب نے حسن معشوق کی دو خاص کیفیتوں کا منظر دکھایا ہے اور سچ یہ ہے کہ اس طرح دکھایا ہے کہ غالب کے سوا دوسروں نے ان کے برابر اس قافیہ کو حسن کے ساتھ نہیں کہا۔ مومن کا یہ شعر اگرچہ انداز تغزل میں برا نہیں مگر وہ غالب کے برابر نہیں پہنچو۔

ہو منتوں کا وقت شکایت رہے رہے

(مومن)

آئے تو ہیں منانے کو پردہ عتاب میں

کیا جلوسے یاد آئے کہ اپنی خبر نہیں بے بادہ مست ہوں میں شب ہفتاب میں

مومن

اگرچہ مومن کا یہ شعر غالب کے مقطع سے

غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی

پتیاہوں روزا بردشہ ماہتاب میں

کی برابری نہیں کر سکتا۔ مگر اپنی معنی آفرینی کی وجہ سے اس میں بھی ایک قسم کا حسن پیدا ہو گیا ہے۔ شب ماہ کو دیکھ کر خود بخود دست ہو جانا نہایت پاکیزہ مضمون آفرینی ہے مگر پھر بھی اسے شعریت کی حد میں نہیں لائے گئے۔

رو میں ہو خوش عمر کہاں دیکھے رُکے

غالب

نے ہاتھ باگ پر ہو نہ پاسے رکاب میں

یہ شعر غالب کے ادبی کارناموں میں سے ایک زبردست کارنامہ کہو جانے کا مستحق ہے۔ مگر حد تغزل سے دور اور حکیمانہ خیالات سے معمور ہے۔ مومن نے اس قافیہ میں تغزل کا رنگ پیدا کر کے خاص چیر بنا دیا ہے۔

قاتل جفا سے باز نہ آیا دنا سے ہم

فترک میں جو سر ہے تو پاسے رکاب میں

بجا ہوتا ہے جفا ہوتا ہے۔ اس زمین میں بھی دونوں استادوں کی غزلیں موجود ہیں مگر افسوس ہے کہ ہم قافیہ صرف ایک ہی شعر ہے۔

پڑھوں میں شکوے سے یوں راگے جیسے بابا

غالب

اک ذرا چھیرے پہر دیکھے کیا ہوتا ہے

غالب کی تشبیہ نے بھی شعر کو بہت بلند کر دیا ہے اور اس کے مصرع ثانی کی تپے تکلفی خصوصیت سے قابل داد ہے مگر مومن نے اسی عاشقانہ انداز کو بد نظر رکھتے ہوئے ایک سامنے کا مضمون ادا کر دیا ہے۔

اک نظر دیکھے سے سرتن سے جدا ہوتا ہے

بے جگہ آنکھ لڑھی دیکھے کیا ہوتا ہے

یہ شعر پڑھ کر آل عاشقی اور حیران نصیبی کی پر حسرت تصویرِ نظر کے سامنے آ جاتی ہے۔ سب سے بڑی خوبی انداز بیان کی تپے تکلفی ہے۔

جس کی وجہ سے کم از کم یہ شعر غالب کے شعر کے مقابلہ میں لایا جاسکتا ہے ورنہ اگر دونوں کی غزلوں کو دیکھا جائے تو دونوں باغ و بہار ہیں

مضمون۔ زبان معنی آفرینی کسی لحاظ سے ایک دوسرے سے کم نہیں ہے۔ ہر طرح غزلوں میں سے ایک غزل یہ بھی ہو۔ آسمان کے لئے۔ جہان

کے لئے۔ گردہ صورت بدستور قائم ہے۔ بہت کم قافیہ ملتے ہیں پھر بھی جو ہیں وہ حاضر ہیں۔

دنیا پھر سے بہتر تیل و عطر بجز اصغر علی محمد علی لکھنوی کے کارخانہ کے کہیں ملے گی

بلاے گر قرہ یا تشنہ خوں سہ

رکھوں کچھ اپنے بھی شرگانِ خوفشاں کے لئے

ثرہ یار نے اس قدر خون آشامی کی ہو کہ اب دلیں خون بہت کم رہ گیا ہو اور مجبور ہو کر کہتا ہو کہ اب مجھ کو اپنے شرگانِ خوفشاں کیوں سہ بھی کچھ رکھنا چاہئے۔ شعر کی بندش کی جستی قابلِ داد ہو مضمون میں جگر کا وہی بھی کی گئی ہو گر شانِ عشق سے منافی ہو۔ مومن اپنے خاص انداز میں کہتا ہو۔

وہ لعلِ روحِ فزاںے کہاں تلمکِ بوسے

کہ جو ہو کم ہو یہاں شوقِ جانفشاں کیلئے

مضمون شعر اس قدر صاف ہو کہ غالباً اس کی تشریح کی احتیاج نہیں مگر لعلِ روح فزاں اور شوقِ جانفزاں کی ترکیبوں نے اس کو بہت بلند کر دیا ہو۔

فلک نہ ددِ رکھ اُس سے نہ گھٹے کہ میں ہی نہیں

دراز دستیِ قائل کے امتحان کے لئے

غالب

غالب کے یہاں یہ شعر بدلتا الخزل ہو۔ تعریف محال ہو۔ مومن کا اس قافیہ میں آنا کہنا بھی کمال ہو لکھتے ہیں۔

بہلا ہوا کہ وفا آزمائے ستم سے

ہمیں بھی دینی تھی جاں اُس کے تھاک کے لئے

مومن

وفا آزمائے سے مرنا ہمارے لئے غنیمت ہو اور نہ ہم کو تو ایک نہ ایک دن جان نذر امتحان کرنی تھی اپنے خاص انداز کو ملحوظ رکھتے ہو کہ کیا ہوا بات میں سے بات نکالی ہو۔

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلقِ لے خضر

نہ تم کہ چور بنے عمرِ جادواں کے لئے

غالب

سوائے شوخی بیان کے اور کچھ شعر میں نہیں ہو بلکہ اگر بدلتا قافیہ سمجھی جائے تو اس ستم کے شعروں کو انبیاء کے سوا رادب کی حد میں لایا جاسکتا ہو مگر مومن نے اس قافیہ کو غالب سے بہت اچھا کہا ہو۔

خلافِ وعدہ فردا کی ہم کتاب کہاں

امید کیشہ ہے یا سجادواں کے لئے

یعنی ہم میں کل کی وعدہ خلافی کی تاب کہاں ہو ایک رات کی امید بھی یا سجادواں کے لئے کافی ہو۔

مثال یہ مری کوشش کی ہو کہ مرغ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس اشیاں کے لئے

غالب کے بہترین شعروں میں ایک شعر یہ بھی ہو جسرت و انداز و حرمان و آرزو کی ایک نکل تصویر ہو مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک نظری
دہو کہ ہو اس پر اعتراض کیا جاسکتا ہو کہ مرغ اسیر قفس میں اشیاں بنانے کے لئے خس کیونکر فراہم کر سکتا ہو اسیر سے یہ آزادانہ حرکتیں نہایت
مستبعد ہیں۔

کہاں وہ عیش اسیری کہاں وہ امن قفس
آدیم برق بلا روز اشیاں کے لئے

مومن

مومن نے اپنے اصلی رنگ کو چھوڑ کر یہ شعر فلسفیانہ انداز میں کہا ہو اور اس پر مصرع اس قدر صاف اور سادہ لگایا ہو کہ یقینی شعر
غالب کے شعر سے بڑھ گیا ہو غالب نے اسی مفہوم کو ایک جگہ یوں ادا کیا ہو۔

بے تکلف در بلا بودن بہ از بیم بلاست

غالب

قعر دریا سبیل و روے دریا آتش است

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی

غالب

اُٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسبان کیلئے

یہ وہ شعر ہو جس کی خوبی پر تمام شارحین غالب اور مولانا حالی بہ اتفاق رطب اللسان ہیں اور کوئی شک نہیں کہ یہ ایجا زخمت
کے لفظ سے بہت الغزل کہا جاسکتا ہو۔ مگر مومن نے اس قافیہ کے کہنے میں نہایت جگر کا دی کی اور لطف یہ کہ اپنے رنگ پر قائم رہ کر اتنا غم
کہا ہو کہ غالب کے شعر سے اگر زیادہ نہیں تو کسی طرح کم بھی نہیں ہو۔

ہو اعتماد مرے بخت خفتہ پر کیا کیا

مومن

دگر خواب کہاں چشم پاسبان کیلئے

خواب چشم پاسبان کا اپنے بخت خفتہ کو اعتماد علیہ قرار دینا ایک عجیب و غریب مضمون ہو اس پر اس کے انداز بیان نے ایک اور قیامت ڈھادی
ہو جسکی تشریح ناظرین کے غور و تحقیق کی محتاج ہو۔

ایک غزل اور جس کی ردیف و قافیہ۔ جائے ہو۔ آئے ہو ہے ہر طرح ہو مگر افسوس کہ ہم قافیہ شعر کوئی بھی نہیں۔ دوسری غزل وہ ہو جس کا

ردیف و قافیہ جیا ہو۔ مزا ہو۔ اسمین دو تین توانی ملتے ہیں۔ غالب کہتا ہے۔

شبم پہ گل دلار نہ خالی زاد ہو داغ دل بید و نظر گاہ جیا ہو

بیان کرنے والوں نے اس شعر کے عجیب عجیب معنی بیان کئے ہیں۔ ممکن ہو کہ وہ سب کے سب صحیح ہوں مگر اصل میں یہ شعر وہی بیدل اور شوکت بخاری وغیرہ کے رنگ میں ہو جس سے آخر میں خود غالب بھی متاثر ہو گئے تھے۔ اسی لحاظ سے اس کو قابل اعتناء قرار دیکر کوہ کن دکاہ برآوردن کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ سنئے مومن کا شعر سنئے جس کے بیان کی روانی۔ زبان کی خوبی قابل داد ہو۔

کس طرح نہ اُس شوخ کے رونے پہ منسو نہیں

نظر دل میں مروت ہو نہ آنکھوں میں حیا ہو

بارگشا گیا ہو کہ معشوق عاشق کے رونے پر ہنستے ہیں۔ مگر جو صورت مومن نے بیان کی ہو وہ انتہائی درجہ ہو اس بدگمانی کا جو آخر

میں عاشق کو پیدا ہو جاتی ہو اور کسی صیرت معشوق کی بیوفائی کا خیال اس کے دل سے نہیں ہٹتا ہے

نا کردہ گناہوں کی بھی حسرت کی سہلے داد

غالب

یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

غالب کا یہ شعر بے مثل ہو جس کے مقابلہ پر مومن کا یہ شعر لکھنا صرف موازنہ کی ضرورت سے ہے ورنہ درحقیقت کوئی نسبت نہیں ہے۔

آزردہ حیران سے ملاقات نبھے کیسا

یعنی کہ نہ ملنا ہی نہ ملنے کی سزا ہے

دونوں بالکمال کے مقطعے بھی دونوں کے کمال کا آئینہ ہیں جنکو میں صرف نقل کہہ دیتا ہوں۔ امتیاز ارباب ذوق کی نظر پر منحصر ہے۔ میں کوئی

فرق نہیں نکال سکتا میرے خیال میں ایک کی خوبیاں دوسرے پر غالب آئی جاتی ہیں سے

بگائگی خلق سے بیدل نہ ہو غالب

غالب

کوئی نہیں تیرا تو مرجان خدا ہے

مومن نہ سہی بوسہ پا سجد کر مینگے

مومن

وہ بتا ہو جو آوردن کا تو اپنا بھی خدا

موازنہ مضامین

جہاں تک میرا خیال ہو غالب اور مومن کے ہم قافیہ شعرا نہیں رہے۔ اگرچہ مجھے اس بات کا دعویٰ نہیں ہو کہ میں نے اس فرض کو

اچھی طرح ادا کیا۔ مگر یہ کہہ سکتا ہوں کہ دونوں دیوانوں کے ہم قافیہ شعروں میں سے کوئی شعر شائد باقی نہیں رہا۔ اس سے زیادہ لطیف چیز

میرے نزدیک وہ ہم مضمون شعرا ہیں جو دونوں استادوں کے یہاں ملتے ہیں اور جن سے صحیح طریق پر دونوں کی افتاد طبیعت کا پتہ چلتا ہو۔

اس نقش پا کے سجدہ نے کیا کیا ذلیل

مومن

میں کوچہ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

یعنی مجھے نقش پا کے اوپر سجدہ کرنا فرض تھا اور عشوق کے نقش پا صرن کوچہ رقیب ہی میں ٹسکتے تھے اس واسطے دیں سجدہ کیا اور رقیب کے کوچہ میں سجدہ کرنا میرے لئے باعث تنگ تھا

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار

غالب

لے کاش جانشانہ تری رہ گذر کو میں

معنی جو کچھ میں ظاہر ہیں صرف یہ لکھنا ضروری ہو کہ اشتراک جذبہ رشک و رقابت - خود داری اور احترام عشق میں ہے - غالب کے رہ گذر کو ڈھونڈتے اور اسی کی وجہ سے کوچہ رقیب میں جاتے ہیں ان کے یہاں بہ نسبت عشق کے خود داری کا جذبہ غالب ہو جس سے تنگ ہو کر وہ کہتے ہیں کہ

لے کاش جانشانہ تری رہ گذر کو میں

برعکس اس کے یہاں جذبہ عشق کا غلبہ ہے کہ جہاں تک انکو نقش قدم ملے وہیں تک سجدے کر کے گئے۔ مگر پھر بھی غلبہ عشق اس کے سوا کچھ اور کہنے سے مانع ہو کہ میں کیا ذلیل ہوا ہوں مگر وہ غالب کی طرح اس ذلت کو صرف ذلت سمجھتے ہیں یہ نہیں کہتے کہ کاش میں ایسا نہ کرتا۔ اسی سے دونوں کے مزاج اور طبیعتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ مومن کے یہاں احترام عشق کو ملحوظ رکھتے ہوئے شعر کو ترجیح دینا پڑتی ہو۔

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا

مومن

میری طرف بھی غمزدہ غماز دیکھنا

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی

غالب

منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہئے

اشتراک مضمون صرف اس بات میں ہو کہ کھینچا کھینچا رہنا کسی تعلق کا پتہ دیتا ہے اور برعکس اس کے سب سے یکساں بتاؤ کرنا اس خیال کو ذیل کرنا ہو خیال میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دیا جاسکتی۔ البتہ مومن کے یہاں غالب سے انداز تغزل بہت زیادہ ہے۔ غالب کے یہاں بندش میں ایک قسم کی الجھن بعض الفاظ مغل فضاحت بھی ہیں مثلاً چھوڑا چاہئے وغیرہ مگر مومن کے یہاں اس ثقالت کا نام نہیں ہو

کرتے ہیں اپنے زخم جگر کو ر فوہم آپ

مومن

کچھ بھی خیال جنبش مرگاں نہیں رہا

پھر جمع کر رہا ہوں دل نخت نخت کو عرصہ ہوا ہو دعوت مرگاں کیے ہو

غالب

غالب کا شعر اس قدر بلند واقع ہوا ہے کہ بادی النظر میں مومن کا شعر اس پایہ کا نہیں معلوم ہوتا۔ اس کا خیال ہو کہ میر جگر تخت
 تخت کو جمع کرنا ہی مرگاں کو دعوت دیتا ہو۔ اس شعر کی تہ میں جو ایک نظر افشا جسے نہ ہر خند سے تعبیر کیا جاسکتا ہو جیہ طیف ہے۔ مگر مومن
 یہاں اس کی بجائے ایک تتم کی حیرت ہے مگر رشتہ ہی اسی طرح غالب کے یہاں جیسا دوسرا مصرع ہے۔ مومن کے یہاں اس نظر
 لطیف کی ایک ہلکی سی جھلک پہلے مصرع میں ہے۔

ہائے رے چھیڑا سننے سن کے

مومن حال میرا کہسا کہ کیسا صاحب

تفائل پیشگی سے دعا کیا

غالب کہاں تک لے سر اپنا زکیا کیا

غالب کا مقصد صرف اتنا ہے کہ میں اپنا حال کہتا ہوں وہ سنتا ہو اور پھر بھی تجاہل غار فانی کی راہ سے کیا کیا کر رہا ہو نہ معلوم اس
 کیا مقصد ہو مگر مومن کا صاف انداز بیان نہ کہیں فارسی ترکیب کا منت کش ہے اور نہ اس بات کو مبہم چھوڑتا ہے کہ آخر اس سے کیا مقصد ہے
 وہ رموز عشق سے پوری آگاہی رکھتا ہے اور انداز حسن سے قطعاً خبردار ہے وہ جانتا ہے کہ یہ بھی ایک چھیڑ ہے ایک انداز ہو اور پریش
 پنہان۔

مومن مجھ کو محشر میں وہ صنم نہ ملا حشر اور ایک بار ہونا تھا

دائے گر میرا ترا ایضاً محشر میں نہو

غالب آج کہ تو یہ توقع تھی کہ داں ہو جائے گا

غالب قبل از محشر ہی اپنے خیال کا اظہار کرتا ہو لیکن مومن کہتا ہے کہ حشر ہوا اور صنم نہ ملا یہی فقرہ اس بات کا مراد و نہ ہے کہ ایضاً
 نہیں ہوا۔ وہ اس بات پر افسوس کر کے نہیں رہ جاتا بلکہ کہتا ہے کہ یہ ایک ایسا قضیہ ہے ایسا اہم معاملہ ہے کہ اس کے لئے دوبارہ
 حشر ہونا چاہئے۔ گو اس کی خواہش بے سود رہتی اور اس کی کوشش بیکار رہتی ہو جو ردیف سے ظاہر ہو رہی ہو مگر اسکی
 یہ خواہش معافی کے دفتر کے دفتر پیش کر دیتی ہے اگرچہ غالب کے یہاں معشوق اور عاشق کی ایک گفتگو جو شعر کے مضمون سے
 پہلے ہونی چاہیے مقدار ماننی پڑتی ہے مگر پھر بھی وہ شعر کی ہر کمی کو پورا نہیں کر سکتی۔

چاہتا ہوں میں کہ مسجد میں رہوں مومن نے

مومن کیا کر دن تجانے کی جانب کھینچا جاتا ہے دل

غالب جانتا ہوں ثواب طاعت زہد پر طبیعت از دھر نہیں آتی

ہر طرح کے عطر نہایت عمدہ اصلی صغریٰ علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے یہاں ملینگے

مفہیم دونوں شعروں کا ایک ہو۔ مگر غالب کے یہاں بندش اس قدر چست ہے کہ مومن کے شعر کی یہ لطافت بھی کہ دل خود بخود تنجانہ کی طرف کھینچا جاتا ہو اس کا مقابلہ نہیں کرتی۔

پاتے تھے چین کب غم دوری سے گھرینم
مومن راحت وطن کی یاد کریں کیا سفرینم
تھی وطن میں شان کیا غالب ہو غربت میں قدر

غالب بے تکلف ہوں وہ شست خس جو گلخن میں نہیں
مومن کا خیال ہو کہ گھر میں بھی دوری تھی اور اسی غم میں مبتلا تھے اب غربت میں ہیں تو غربت ہم کو کیا وطن کی یاد دلائے وہاں کسی
راحت تھی اور یہاں کیا نہیں ہو یہ ایک صاف اور سیدھا مضمون ہے مگر غالب کی جگر کا وی اور ان کی مضمون آفرینی اس میں عجیبان
پیدا کر دیتی ہو اور یہ کہنا کہ ہماری وطن میں کونسی شان تھی کہ غربت میں کسی قدر کی امید رکھیں۔ یا یوں دغ و حیران کی ایک مکمل تصویر
اس پر یہ تشبیہ کریں ایک شست خس ہوں اور وطن میرے لئے گلخن ہے۔ اب وطن میں نہیں ہوں تو گویا گلخن میں نہیں ہوں شعر کو
لے آڑی ہے اور باوجود انوس الفاظ کے بھی مومن کے شعر کو برابر نہیں آنے دیتی۔ مومن کے یہاں اگر کوئی خوبی ہو تو اس شعر میں صرف
انداز و نثر ہے جو جس کے مقابلہ میں غالب کا یہ شعر بھی لایا جاسکتا ہے۔

کرنے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تم کو بے مہری ارباب وطن یاد نہیں

ہو کے آزرده چپاں ہوں کہ میں جس کو کہوں
مومن سینکے کہوے کوئی ایسے سے خفا ہوتا ہو
رہو اس شوخ سے آزرده ہم چندے تکلف
غالب تکلف بر طرف تھا ایک انداز جنوں بھی

غالب انتہائے خیر و یاس۔ خود داری اور غلبہ عشق کا اظہار کرتا ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ جب ظلم و ستم سے گزر جاتے ہیں تو عاشق کے
دل میں ایک جذبہ استم کا پیدا ہوتا ہو مگر وہ ایک ستم کا جنون ہے جس کا نتیجہ سوائے اعتراف شکست کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اسی مضمون کو
قائم چاند پوری نے خوب کہا ہے۔

ظالم تو میری سادہ دلی پر تورم کر روٹھا تھا مجھ سے آپ ہی اور آپ سن گیا

لکھنؤ میں عطر تیل اچھلتے ہیں اس لئے کہ یہاں صغر علی محمد علی کا قید خانہ ہو

مومن بھی اسی جذبہ خود داری کا اظہار کرتا ہے مگر غلبہ عشق کی کیفیت اور حسن کا احترام اور اپنی دیوانگی کا اس ٹکڑے سے اظہار کرتا ہے کہ کوئی ایسے سے خفا ہوتا ہے۔ اور یہی کیفیت ہو جو غالب کے اتنے بے مثل شعر سے بڑھا کر مومن کے انداز بیان کو تیسرے ملا دیتی ہو۔

مومن بڑی شکل پڑی کیا چارہ درد نہاں کج
کہیں تو کیا کہیں اور بن کہی کیونکر دوا ہو

غالب ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہوا نام صاف
کہ اگر نہ تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو

غالب کا خیال ہے کہ اب ہماری قوت بدر کرنے یہ بات طے کر لی ہے کہ وصال دراصل کوئی چیز نہیں بلکہ وصال نام ہی اس فکر کا کہ ”گر نہ“ الخ مومن کہتے ہیں کہ عجیب شکل میں پڑے ہوئے ہیں اور ہمارا عجیب درد ہے جب سوچتے ہیں کہ اس کا علاج کریں تو درد بیان نہیں ہو سکتا۔ اور بغیر دوا کے گزر ہو نہیں سکتی خیال قریب قریب الجھن اور کاوش کی وجہ سے مشترک ہے مگر غالب کے یہاں شعریات اور تغزل زیادہ ہے اور مومن کے یہاں بخت لانا کے طرز کے منطقیات زیادہ ہو گئی ہے۔

مومن چھٹکر کہاں اسیر محبت کی زندگی
ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ہے

غالب قید حیات و بند غم اہل میں نون ایک
موت پہلے آدمی غم سے نجات پا کیوں

مومن اپنے عاشقانہ انداز میں کہتے ہیں کہ ناصح تو نے یہ سمجھا ہے کہ اگر میں بند غم سے آزاد ہو جاؤں تو زندگی بہ آرام گزرے حالانکہ تیرا یہ خیال غلط ہے کیونکہ یہ بند غم ہی دراصل قید حیات ہے اس کے بغیر کسی اسیر محبت کی زندگی ہو ہی نہیں سکتی۔ ایسا ہی ایک شاعر بھی ہے
مومن درد ہو جان کے عوض ہر گ و پے میں ساری

چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہو گا

مومن نے شعر مذکورہ کو دائرہ عشق و محبت میں رکھا ہے اور غالب نے اپنی طرز کے موافق اس میں منطقی استدلال کی صورت پیدا کر دی ہے بلحاظ تغزل کے مومن کے شعر کو ترجیح دیجاسکے تو شاید صحیح ہو ورنہ بات بالکل ایک ہے اور ایک دوسرے سے کم نہیں۔

مومن بدنامیوں کے ڈر سے عبت تم چلے کہیں
ہوں تیرہ روز میری سحر بھی تو رات ہے

غالب جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہو رات کو تو کیونکر ہو

وہی فرق ہے مومن صرف اپنی تیرہ روزی کو سبب قرار دیکر دن کو رات کہتا ہے اور غالب اس کلیہ کو عام کر دیتا ہے اور وہی شان منطقی جو ان کا خاصہ ہے اس میں پیدا کر کے قریب قریب ایک علمی سلسلہ کو عشقیہ شعر کی برابر بنا دیتا ہے۔ مومن کے یہاں بات زیادہ ہے کہ تم کیوں جاتے ہو میرے یہاں دن اور رات یکساں ہیں۔ مگر غور سے دیکھئے تو یہاں یہ سوال پیدا ہو جائے گا کہ عاشق کی تیرہ روزی صرف فراق سے ہوتی ہو مگر اب تو معشوق موجود ہے۔ پھر اب دل کیونکر تیرہ ہو سکتا ہے۔ اور سحر رات کی طرح کیونکر تار یک ٹھکرتی ہو

مومن کہ کے زخمی مجھے نا دم ہوں یہ ممکن نہیں
گر وہ ہوں گے بھی تو یقیناً پشیمان ہونگے

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ

غالب

ہے اُس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

اشتراک خیال معشوق کی پشیمانی میں ہے۔ مگر غالب کے یہاں انداز بیان مومن سے بہتر ہے اگرچہ مومن کے یہاں بھی بندش وغیرہ تھا

چست ہو کر۔ ۶

ہے اُس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

غالب کو مومن کے درجہ سے ہٹا کر حافظ کے مقابل پہنچا دیتا ہے۔

آفرین بردل نرم تو کہ از بہر تو اب

حافظ

کشتہ غمزہ خود را بنم از آمد ہ

مومن اب تو مرجانا بھی مشکل ہو ترے بیمار کو ضعف باعث کہان دنیا اٹھا جائے ہے

در کشاکش ضعفم نگسلد روان از تن

غالب

انیکہ من نمی میرم ہم زنا توانی ہاست

دو دنوں خیال بالکل یکساں ہیں اور سوائے زبان کے اور کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ البتہ مومن نے وہی قید عشق اور غالب نے عمومیت پیدا کر دی ہے جس سے کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہو گیا ہے مگر درجہ امتیاز نہیں پیدا ہو سکتا۔

کیا کیجئے کہ طاقت نظارہ ہی نہیں جتنے وہ بے حجاب ہیں ہم شرمسار ہیں

مومن

جب وہ جمال و لغز صورت ہنر ہم رد آپ ہی ہو نظارہ سو پردہ میں منہ چھپا لیں

غالب

اشتراک صرف اس خیال میں ہے کہ کوئی اس کو بے حجاب نہیں دیکھ سکتا۔ غالب کے یہاں وہی استدلال منطقی ہے مگر مومن کے یہاں

وہ جتنے بے حجاب ہیں ہم شرمسار ہیں

”کیا کیجئے“ اور۔ ۶

دو دنوں ٹکڑے نہایت ہی عجیب و غریب ہیں جن سے عشق کی محرومی مترشح ہوتی ہے اور اسی کی بنا پر اس شعر کو غالب کے شعر سے مزج قرار دیا جاسکتا ہے۔ غالب کا ایک شعر اور بھی قریب قریب اسی مضمون کا ہے۔

نظارہ نے بھی کام کیا و ان نقاب کا مستی سے ہرگز ترے رخ پر کچھ گئی

غالب

جان دیدوں ہو اُس آفت جانِ معالہ بس کبت کند نظارہ تقاضا دل کروں

مومن

ہل اُس کو پہلے ہی ناز واداسے بے نیچو ہمیں باغ کہان جن کے تقاضا کا

غالب

جان یا دل قبل تقاضا دینے کی وجہ سے دونوں خیال مشترک ہیں۔ غالب کے یہاں برہنہ وضع و خود داری تقاضا کے حسن کو
اکروہ سمجھا ہے اور مومن کے یہاں جان دینا اس وجہ سے ہے کہ حسن آفت جان ہے وہ خواہ مخواہ ایک نہ ایک وقت میں جان لیکر چھوٹے گا
فرق دونوں خیالوں میں صرف اسی سبب کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ مومن کے یہاں صفائی ہے۔ بس کے لفظ نے حد انتظار قائم کر کے اور بھی ایک
زور پیدا کر دیا ہے۔ غالب کے اس شعر پر علی حیدر صاحب نظم طباطبائی نے اعتراض کیا ہے کہ بجائے تقاضا کے تقاضے چاہئے۔ مگر یہ
اعتراض صحیح نہیں ہے۔ ہر چند کہ زبان پر اسے کے ساتھ ہو! مگر یوں بھی غلط نہیں ہے۔ بلکہ صحیح اسی طرح ہے۔ میر مومن دہلوی استاد
اکبر شاہ ثانی کہتے ہیں۔

میر مومن الہی وہ جو وعدہ ہیں وفا کس طرح ہو سکے
نواں خواہ دے کی نہ یاں شہید تقاضا کا

مومن منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں اتنا رہا ہوں دور کہ ہجر ان کا غم نہیں
غالب رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہو رنج شکلیں تنہی پر ہیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں
اشتراک خیال اس بات میں ہے کہ خوگر رنج ہونے پر رنج نہیں رہتا۔ مومن کہتا ہے کہ اب میں جدا رہتے رہتے جدائی کا خوگر
ہو گیا اور اس وجہ سے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ لہذا اگر مجھے اب بھی تکلیف دینا چاہتے ہو تو یوں تکلیف دو کہ مجھ سے ملو تاکہ میں خوگر
ہو جاؤں اس نئی صورت سے تکلیف پاؤں اور غالب صرف ایک فلسفیانہ مسئلہ تبادلتے ہیں اور کچھ نہیں کہتے۔ چونکہ مومن کے یہاں سلسلہ
بھی ہے مضمون آفرینی بھی ہے اور پھر حدود تغزل سے باہر نہیں اسی لئے ان کے شعر کو ترجیح دی جائے گی۔

مومن کہہ مڑتے ہو آپ پوچھتے ہیں
مجھے فکر جواب نے مارا

غالب پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلائے کہ ہم بتلا ئیں کیا

مستوق کے تجاہل عارفانہ کے لحاظ سے دونوں خیالوں میں اشتراک ہے مگر غالب کے یہاں نہایت عمدہ طریقہ سے یہ مفہوم ادا
کیا گیا ہے جو مومن اور نعمت خان عالی دونوں سے زیادہ ہے۔

زمر دم یار می پرسد کہ عالی کیست طالع ہیں
کہ عمرم در محبت رفت و کار آخر رسید انجبا

جب ہو گیا یعتسین کہ نہیں طاقت وصال

مومن

دم میں ہمارے وہ ستم ایسا داگسا

کہتے ہیں جب مجھے نہ رہی طاقت سخن

غالب

جانوں کسی کا حال میں کیونکر کہے بغیر

معتزق کی ایک عیارانہ چال اور ایک التفات بیکار کے لحاظ سے دونوں خیال ایک ہیں مگر مومن کے بیان میں ایک قسم کی رکاکت ہو اور غالب کے ہاں جستی بندش کے ساتھ خیال میں ایک قسم کی نچنگی ہے۔ پھر بھی مومن کا شعر غالب کے شعر سے میرے نزدیک کم نہیں بلکہ اس مصرع کی بلاغت ۴

جب ہو گیا یقیں کہ نہیں طاقت وصال

مومن

پر پورا پورا غور کیا جائے تو اس کو بہتر بھی کہا جاسکتا ہے۔

دقت جوش بھر گریہ میں جو گرم نالہ تھا

غالب

شب کہ برق سوز دل سے زہرہ ابر آب تھا

مومن

شعلہ جوالہ ہر اک حلقہ گرداب تھا

میں نے غور کے باوجود بھی اس فرق کو دریافت نہیں کیا جو ان دونوں شعروں میں ہے۔

رشتک پیغام ہو عنان کش دل

غالب

نامہ براہ بر نہ ہو جائے

ہوئے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ

مومن

یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیسا

اشتراک خیال رشتک کی وجہ سے ہے۔ مگر مومن کا انداز بیان کہ نامہ براہ بر نہ ہو جائے عجیب و غریب ہے۔ پہلے مصرع میں جو ترکیب صرن کی ہے وہی مفید معنی ہے۔ اور ہر لحاظ سے شعر کو غالب کے شعر پر غالب رکھتی ہے۔

صبحِ فرقت ہے وہ نہ شامِ وصال

غالب

ہائے کیا ہو گیا زمانے کو

وہ فراق اور وہ وصال کہاں

وہ شب دروز و ماہ سال کہاں

خیالات صاف صاف ہیں مگر مومن کا دردناک انداز بیان آتنا زبردست ہے کہ کسی حیثیت سے غالب کا شعر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

عبدالباری آسی

انتخاب مومن

غزلیات

جو کا شکوہ نہ کروں ظلم ہے راز مرا صبر نے افشا کیا
رحم فلک اور میر حال پر تو نے کرم سے تم آرا کیا
سچ ہی سہی آپ کا پیاں دے مرگ نے کب وعدہ فردا کیا
دشمن مومن ہی ہے بت سدا مجھ سے مرے نام نے یہ کیا کیا

عقب سے تیرے ڈرتا ہوں ضای کی تیری خوشی ہے نہیں ہزار دوزخ سے نہ میں شاق جنت کا
عنایت کر مجھے آشوب گاہ حشر غم اک دل کہ جبکا ہر نفس ہم نغمہ ہو خور قیامت کا
اُس کو چے کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی کوئی تو دل کی آگ یہ پنکھا سا بھل گیا
اس نقش پا کے سجدے کو کیا کیا یا ذلیل میں کو چہ رقیب میں بھی سر کے بل گیا
بتخانے سے نہ کعبہ کی تکلیف دے مجھے مومن بس اب معاف کیا یاں جی بھل گیا
نہ جاؤنگا کبھی جنت میں میں نہ جاؤنگا اگر نہ ہو نگا نقشہ تمہارے گھر کا سا
یہ جوش یاس تو دیکھو کہ اپنی قتل کی وقت دعاے وصل کی وقت تھا اثر کا سا
گرد ہاں بھی خموشی اثر نغماں ہوگا حشر میں کون مرے حال کا ہر سان ہوگا
ان سے بد خو کا کرم بھی ستم جاں ہوگا میں تو میں غیر بھی لے یکے پشیاں ہوگا
خواہش مرگ ہو اتنا نہ ستانا دور نہ دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارباب ہوگا
آخر امید ہی سے چارہ حراماں ہوگا مرگ کی آس پہ جینا شب ہجراں ہوگا
درد ہے جاں کے عوض ہر گنہ گار میں رہا چارہ گریم نہیں ہونے کے جو در مان ہوگا
کیا سنا تے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل تم سے بے رحم یہ مرنے سے تو آساں ہوگا
کیونکہ امید وفا سے ہو تسلی دل کو نہ فکر یہ ہے کہ وہ وعدہ پشیاں ہوگا
دوستی اس صنم آفت ایماں کو کرے مومن ایسا بھی کوئی دشمن ایمان ہوگا

موتے نہ عشق میں حبیب تک، وہ مہرباں نہ ہوا
بلائے جاں ہے وہ دل جو بلائے جاں نہ ہوا
خدا کی یاد دلاتے تھے نزع میں احباب
ہزار شکر کہ اس دم وہ بدگماں نہ ہوا
ہنسے نہ غیر مجھے بزم سے اٹھانے پر تو
سبک ہے وہ کہ تری طبع پر گراں نہ ہوا
وہ آئے بہر عیادت تو تھا میں شادی مرگ
کسی سے چارہ بیداد آسماں نہ ہوا
لگی نہیں ہے پہ چپ لذت ستم سے میں
حریف کشمکش نالہ و نغماں نہ ہوا
امید وعدہ دیدار حشر پر مومن تو
تو بے مزہ کھتا کہ حسرت کش تباہ ہوا

دیدہ حیراں نے تماشا کیا دیر تک وہ مجھے دیکھا کیا
آنکھ نہ لگنے سے سب جابنے آنکھ کے لگ جانے کا چرچا کیا
غیر عیادت سے برا مانتے قتل کیا آن کے اچھا کیا
زندگی ہجر بھی اک موت تھی مرگ نے کیا کار میجا کیا

سب تا بہ فتنہ چونک پڑے تیرے عہد میں

اک میرا بخت تھا کہ وہ بیدار کم ہوا

کچھ قیس اور میں ہی نہیں سب کے سب مومے

اچھا تو درد عشق کا بیسما رکم ہوا

ذکر بتاں سے پہلی سی نفرت نہیں رہی

کچھ اب تو کفر مومن دیندار کم ہوا

ہیں دہم سے مرتا ہوں وہاں رعب اس کے

قاصد کی زباں سے نہیں پیغام نکلتا

حوریں نہیں مومن کے نصیبوں میں جو ہوتیں

بت خانے ہی سے کیوں یہ بدا انجام نکلتا

وصل کی شب شام سے میں سو گیا جاگنا ہجراں کا بلا ہو گیا

آئینہ جلدی سے چٹک دکھیں دل ہی نہیں ہاتھ سے دکھو گیا

صبر نہیں شام فراق آچسکو جس سے کہ بیزار تھے تم سو گیا

ہائے سنم ہائے سنم لب پہ کیوں خیر ہے مومن تمہیں کیا ہو گیا

ڈرتو مجھے کس کا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

بحر حال یہ افشا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

مست پوچھ کہ کس واسطے چپ لگ گئی ظالم

بس کیا کہوں میں کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

اے چارہ گرد قابل درماں نہیں یہ درد

درد نہ مجھے سودا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ہر وقت ہے دشنام ہر اک بات پہ طعنہ

پھر اسپہ بھی کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کچھ سن کے جو میں چپ ہوں تو تم کہتے ہو بولو

سمجھو تو یہ تھوڑا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

مومن نجد اسحر بیانی کا جی بھی تک

ہر ایک کو دعویٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

تیرے پردے نے کی یہ پردہ دری تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا

غم مرا کس لئے کہ دیسائیں نہ رہا میں مرانا نہ رہا

مدعا غیرت کہتا وہ سمجھے اب کچھ بھی مدعا نہ رہا

دل لگانے کے تو اٹھائے مزے جی بلا سے رہا نہ رہا

تو فلک مرگ ہم سے سب غافل اب کسی کا بھی آسرا نہ رہا

دل لگانے کے تو اٹھائے مزے جی بلا سے رہا نہ رہا

بسکہ اک پردہ نشین سے دل بیارنگا جو طبیوں کو چھپاتے ہیں وہ آزارنگا

کعبہ سے جانب بتخانہ پہر آیا مومن کیا کرے جی نہ کسی طرح سے زہنا رنگا

شب غم فرقت میں کیا کیا مومر دکھلاؤ دم کے تھامنے میں کجبت جی گہراے تھا

یا تو دم دیتا تھا وہ یا نامہ برہکائے تھا تھے غلط پیغام سارے کوں یا نکل لے تھا

بات شب کو اسکی منع بقیاراری پر پڑی ہم تو سمجھے اور کچھ وہ اور کچھ سمجھائے تھا

ناز و شوخی دکھنا وقت انظلم دمدم مجھ سے وہ غدر جفا کرتا تھا اور جھجھکتا تھا

ہوئی دور فکری الفت میں کیا حالت ابھی مومن وحشی کو دیکھا اس طرف سے جلے تھا

میں وہ مجنوں ہوں کہ زندان میں بھی آزاد رہا

عبث الفت بڑھی تم کو وہ کبت یتا تھا دم پتھر

یہ مجھ کو دیکھ کر دشمن کلیجا تمام لیتا تھا
سحر تک شام سے تجھ بن ہی حالت رکھی دل نے

نہ مجھ کو چین دیتا تھا نہ آپ آرام لیتا تھا
نہ مانو نگا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا

کہ ہر ہر بات میں ناصح ہوتا رہا نام لیتا تھا
اگر مومن ہی ہو مومن دے میں تو نہ مانوں گا

جو عہد دوستی وہ دشمن اسلام لیتا تھا نہ

—: پتھر:—

میرے کوچے میں عدو مضطر و ناشاد رہا

شب خدا جانے کہاں وہ ستم ایجاد رہا
نقد جاں بھٹا نہ سزا دیت عاشق حیف

خون فرہاد سرگردن فرہاد رہا نہ
بیکسی نے نہ دیا ہائے نہ خاک بھی چین

تا قیامت الم گر یہ جسد در رہا نہ
لذت جور سے دم لینے کی فرصت نہ رہی

کیا اثر منتظر دعوت فرہاد رہا نہ
یاد سہواً اسے اے غیر ہے نسیاں عمداً

یاد رکھ بھول گیا جس کو وہی یاد رہا
کرہ خاک ہے گردش میں تپش سے میری

گر غم جو رگے عشق بتاں اے مومن

میں سدا سوختہ حسن خدا داد رہا
میں نے تم کو دل دیا تم نے مجھے رسوا کیا

میں نے تم سے کیا کیا اور تم نے مجھ سے کیا کیا
کشتہ ناز بتاں روز ازل سے ہوں مجھے

جان کھونے کے لئے اشد نے پیر کیا
روز کتنا تھا کہیں مرنا نہیں ہم مر گئے

اب تو خوش ہو بیوفا تیر ہی لے کہنا کیا
دلبروں میں بیوفا میری وفا کی دھوم ہے

بوالہوس سے کیوں کہا تھا راز جو افشا کیا
چارہ گزر ندان میں اس کے آستان سوئے گئے

ایک بھی میری نہ مانی لاکھ سر چکا کیا
کیا نخل ہوں اب علاج بیقرار می کیا کردوں

دہر دیا ہاتھ اس نے دل پر تو بھی دل دھڑکا کیا
عرض ایماں سے صد اس غارت گردیں کی بڑھی

تجھ سے اے مومن خدا سمجھے یہ تو نے کیا کیا
کسی کا ہوا آج کل تھا کسی کا نہ ہے تو کسی کا نہ ہو گا کسی کا

نہ میری سننے وہ نہ میں نہ سچوں کی
نہیں مانتا کوئی کہنا کسی کا

کیا تم نے قتل جہاں اک نظر میں
کسی نے نہ دیکھا تھا شاکی کا

وہ کرتے ہیں بیباک عاشق کشتی بول
نہیں کوئی دنیا میں گویا کسی کا

دم الحذر اور عشق بتاں سے تجھے ڈر ہے اے مومن لیا کسی کا
دل کو قلق ہے ترک محبت کو بھٹی اب آساں کو شکوہ بیداد آگیا
جب ہو چکا یقین کہ نہیں طاقت وصال دم میں ہمارے وہ ستم ایجاد ہو گیا
دعدہ وصلت سے دل ہوشاد کیا تم سے دشمن کی مبارکباد کیا
کچھ نفس میں ان دنوں لگتا ہے جی آشیاں اپنا ہوا برباد کیا
ہیں اسیر اس کے جوہر اپنا اسیر ہم نہ سمجھے صید کیا صیا کیا
نشہ الفت میں بھولے یار کو سچ ہے ایسی بخودی میں یاد کیا
.....
جب مجھے رنج دل آزاری نہ ہو بیوفا پھر حاصل بیداد کیا
کیا کروں اللہ سب ہیں بے اثر دلوں کیا، نالہ کیا فریا کیا
ان نصیبوں پر کیا اختر شناس آساں بھی ہے ستم ایجاد کیا
روز محشر کی توقع ہے غیبت ایسی باتوں سے ہو خاطر شا کیا
گر بہائے خون عاشق ہو وصال انتقام زحمت حبلاد کیا
بتکرہ جنت ہے چیلے بے ہراس لب پہ مومن ہر چہ بادا باد کیا
کیا ہر عیادت گوارا دہائے آنیکا تو جب تک جان ہو درد دل نغروں نہ ٹرگا
یہ عذر امتحاں جذب دل کیسا نکل آیا

دیکھ لو شوق نا تمام مرا غیرے جائے ہے پیام مرا
ہو کے یوسف جو دل چراتے ہو کون ہو جائے گا غلام مرا
زانوئے بت پہ جان دی دیکھا مومن انجام دا ختام مرا
بندگی کام آ رہی آخر میں نہ کہتا تھا کیوں سلام مرا

ملازیم سے سوا شرم کے حاصل ہوا غیر پر ظلم کئے میرے مقابل نہ ہوا
کیا گلے ہوتے اگر اردوں پہ رحم آجاتا شکوہ شکریہ میرا سنا تو ادب ہوا
خوں چھپانے کو مری لاش کو کتنا ہودہ مجھ کو یہ غم ہو کہ میں کیوں ترا قاتل نہ ہوا

میں الزام اُس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا
خدا نگ یار کے ہمراہ کلی جان سینے سے
یہی ارمان اک مدت سے جی میں تھا نکل آیا

روز جزا جو قاتل دیکھو خطاب تھا میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا
پھر نے سے شام دعدہ تک یہ کہ سوچ آرام شکوہ ستم اضطراب تھا
جواب خون ناحق میرا کیا دیا تو نے کہ ظالم رہ گئے منہ لیکے سب اجاب بچاں

اگرچہ شعر مومن بھی نہا خوب کہتا ہے
کہاں ہے لیک مہنی بند مضمون یا بپناسا

بد کام کا مال برا ہے جزا کے دن
حال سپہر تفرقہ انداز دیکھنا

کیا مرتے دم کے لطف میں پنہاں ستم نہ تھا
وہ دیکھتے تھے سانس کو اور مجھ میں دم نہ تھا
بیخود تھے غش تھے محو تھے دنیا کا غم نہ تھا
جینا وصال میں بھی تو مرنے سے کم نہ تھا
درہاں کو آنے دینا پیر سے نہ کیجئے قتل در نہ کہیں گے سب کہ یہ کوچہ حرم نہ تھا
صبح سے تعریف ہے صبر و سکون غیر کی

کس نے شب مجھ کو تر پتے پیش در دکھلا دیا
موت کے صدقے کہ وہ بے پردہ آئے لاش پر
جو نہ دیکھا تھا تا شاعر بھر دکھلا دیا
دیکھیں گے مومن یہ ہم ایمان بالغیب آپ کا
اس بت پر وہ نشین نے جلوہ گر دکھلا دیا

پند گو حال زینجا یاد کر کچھ خیر ہے کام دل حیکو ملا یاں بعد سوانی ملا
جستجو سے وصل دلبر کی تمنائیں کیا دل گم گشتہ اے مہنگامہ آرائی ملا
کہ رہا ہر کون کس سے بے شکیبانی ملا مجھ کو قسمت سے نصیحت گر بھی دانی ملا
واعظتوں کو خلد میں لیجا منٹے کہیں ہے وعدہ کا فرد سے عذاب الیم کا
واعظ کبھی ملا نہیں کوئے صنم سوس کیا جانوں کیا ہے مرتبہ عرش عظیم کا

جون گھٹ گل جنبش ہے دم کا نکل جانا
اے باد صبا میری کر دٹ تو بدل جانا
عشق ان کی بلا جانے عاشق ہوں تو پہچانیں
بوجھ کو اطبانے سودے کا خلل جانا
کیا ایسے دعویٰ ہو محشر میں کہ میں نے تو

نظارہ قاتل کو احسان اجل جانا
دم لینے کی طاقت ہے بیمار محبت ہے
اتنا بھی غنیمت ہے مومن کا سنبھل جانا

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزہ غماز دیکھنا
اڑتے ہی رنگ رُخ مرا نظر دل تھانہاں
اس مرغ پر شکستہ کی پرواز دیکھنا
دشنام یا ر طبع حزن پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکت آواز دیکھنا
دیکھ اپنا حال زرا منجم ہوا رقیب
تھا سازگار طالع ناساز دیکھنا

موجفا ستکش الطاف کب ہوا ۱/۱

رسم اس کو میرے حال پر آیا غضب ہوا

قابو میں نہیں ہے دل کم حوصلہ اپنا اس جو پہ جب کرتے ہیں تجھ کو گلا اپنا

تھے دشت میں ہمراہ مرے آبلہ چند سو آپ ہی پا مال کیا قافلہ اپنا

اس حال کو پہنچے ترے غصے کو کاب ہم راضی ہیں گرا عدا بھی کریں فیصلہ اپنا

انصاف کے خواہاں ہیں نہیں ظالم برہم تحسین سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا

کس دن تھی اس کے دل میں محبت جواب نہیں

سچ ہے کہ تو عدو سے خفیلے سبب ہوا

بجلی گری فغان سے مری آسماں پر

جو حادثہ کبھی نہ ہوا تھا سوا اب ہوا

رابطہ تباہ دشمن دیں انتقام ہے

ایسا گناہ حضرت مومن کب ہوا

راز نہاں زبان اغیار تک نہ پہنچا کیا ایک بھی ہمارا خط یا رنگ نہ پہنچا

اشد ری ناتوانی جب شدت قلع میں بائیں سے سڑا تھا یا دیوار تک نہ پہنچا

روتے تو رحم آتا سو اس کے رد و رد تو اک قطرہ اشک چشم خونبار تک نہ پہنچا

مفت ادل سخن میں عاشق نے جامہ دی قاصد ترابیان اقرار تک نہ پہنچا

مومن اسی نے مجھ کو دی برتری کسی کو جو پست فہم میرے اشعار تک نہ پہنچا

ہم سہری اس زلف سے اب یہ بھی ایسا ہو گیا

لومرے بخت سیہ کو اور سودا ہو گیا

روز بخسر کیا ہو پھر کیوں شب دیجو رہے

کیا ہمارا نامہ اعمال کچھ دوا ہو گیا

بیوفائی ہے سرشت اس کی سو ہم میں دکھا

ہم مزاجی کے سبب سے غیر اپنا ہو گیا

جوش عشق جن نے کیا رنگ بدے دیکھنا

اشک خونیں سے مرے منہ زرد اس کا ہو گیا

سینہ زن یا جامہ در ہوتا ہے بن ماتم کوئی

آپ اپنے ہاتھ سے میں ہائے رسوا ہو گیا

یہ کسی سے ہو کہ ان لطفون پہ گستاخی نہ ہو

دہو دیا اشک ندامت نے گناہوں کو مرے

ترہوا دامن تو بارے پاک دامن ہو گیا

بہگ نگر نوید وصل شادی مرگ میں

لب تک یہ زمزمہ آیا کہ شیون ہو گیا

زخم ذہبی مرہم زخم کہن ہی چارہ گر

بند تیر یار سے سینے کا روزن ہو گیا

مومن دیندار نے کی بت پرستی اختیار

ایک شیخ وقت تھا سو بھی برہمن ہو گیا

غیر جم ساکب ہوا ہر چند ہم سا ہو گیا

آتی نہیں بلائے شب غم نگاہ میں کس مردوش کا جلوہ نظریں سا گیا

شربت مرگ آب حسرت شور بخشی زہر غم

تلخ کامی سے مجھے کیا کیا گوارا ہو گیا

دہ ہنسے سن کے نالہ بلبیل کا مجھے رونا ہے خندہ گل کا

دھیان ہے غیر کے تحمل کا ہوش دیکھا ترے تغافل کا

نوفلک ہیں کیا کرے یہ نالہ آتش نشان

ایک دشمن سر سے کھو یا اور پیدا ہو گیا

جلوہ دکھلائے تا وہ پردہ نشین میں نے دعویٰ کیا تحمل کا

کیا رشک غیر تھا کہ تحمل نہ ہو سکا میں جان کر حریف تغافل نہ ہو سکا

ہوتا ہے آہ صبح سے داغ اور شعلہ کیا چراغ تھا یہ کبھی گل نہ ہو سکا

ہجر بناں میں تجھ کو تو سن تلاش زہر غم پر حرام خوار تو کل نہ ہو سکا

اشک داڑد نہ اثر باعث صد جوش ہوا

ہچکیوں سے میں یہ سمجھا کہ فراموش

جلوہ افزائی رخ کے لئے نوش ہوا

میں کبھی آپ میں آیا تو وہ بیہوش ہوا

مجھ پہ شمشیر نگہ خود بخود آ پڑتی ہے

عاجز احوال زبوں سے وہ ستم گوش ہوا

وہ ہے خالی تو یہ خالی یہ بھرے تو وہ بھرے

کاسہ عمر عدد حلقہ آغوش ہوا

آفریں دل میں رہی خنجر دشمن کے سبب

اپنے قاتل سے خفا تھا کہ میں خاموش ہوا

تو نے جو قمر خدا یاد دلا یا مومن ٹوٹا

شکوہ جو ربتاں دل سے فراموش ہوا

شوخ کہتا ہے بے حیا جانا دیکھو دشمن نے تم کو کیا جانا

شعلہ دل کو ناز تابش ہے اپنا جلوہ زرا دکھا جانا

شوق نے دور باش اعدا کو اس کی محفل میں مرجا جانا

اس کے ٹٹھے ہی ہم جہاں اٹھے کیا قیامت ہے دل کا آ جانا

پوچھنا حال یا رہے منظور مینے ناصح کا مدعا جانا

شکوہ کرتا ہے بے نیازی کا تو نے مومن بتوں کو کیا جانا

اس وسعت کلام سے جی تنگ آ گیا ناصح تو میری جان سے دل گیا گیا

کچھ آنکھ بند ہوئے ہی نہیں سی کھل گئیں جی اک بلائے جان تھا اچھا ہوا گیا

آنکھیں جو ڈنڈا متی تھیں گہائے لغات گم ہونا دل کا وہ مری نظروں سے پا گیا

آہ سحر ہماری فلک سے پھری نہو کیسی ہوا جلی یہ کہ جی سنسا گیا

برق آہ کو جو میں نے کہا سکرادیا دل گرمیوں نے اُس کی کلیجہ جلادیا

فرماتے ہیں دصال ہوا انجام کا عشق کیا ناصح شفیق نے مرادہ سنا دیا

دیکھا نہ میرے نالہ آہن گدازنے آئینہ دیکھنے کا تماشا دکھا دیا

شرک فغاں کی ہاؤ رقیب فریاض محشر نے خفتگاں زماں کو بگا دیا
ہدم دکھا اب سکو کسی ڈھب کے حم آئے ناصح کو میرے حال زبوں نے رلا دیا
رسی غزل کسی یہ کہ جکتا ہو سکا سر مومن نے اس زمین کو مسجد بنا دیا
صبر کر صبر ہو چکا جو کچھ اسے دل بیقرار ہونا تھا
وہ نمک پاش بھی نہیں ہوتے یوں ہی دل کو نکا رہونا تھا
رات دن بادہ و صنم مومن کچھ تو پر ہیسزگار ہونا تھا

بیکاری امید سے فرصت ہر اداں وہ کاروبار حسرت و حراماں نہیں ہا
کرتے ہیں اپنے زخم جگر کو رونو ہم آپ کچھ ہی خیال حبش مرزاں نہیں رہا
نا کامیوں کا گاہ گاہ شکر ہے شوق وصال داندہ ہجران نہیں ہا

کیا م نہ کرو گے اگر ابرام نہ ہو گا الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہو گا
نا کامی امید پہ صبر آئے تو کیا آئے ہر بات میں کہتے ہو کہ یہ کام نہ ہو گا
ہاں جوش طیش چھیڑ چلی جائے کہ پرتو جھڑ جائیں گے فرسودہ اگر دام نہ ہو گا
کم ظرفی اغیار پہ ساقی کو نظر ہے افسوس مے آلودہ لب جام نہ ہو گا
خو گئی ہجراں میں ترپنے کی شب و صبح گو چین ہو دل کو مجھے آرام نہ ہو گا
وہ شوق مہی اور نہ وہ شوق ہر مومن کیا شعر کہیں گے اگر الہام نہ ہو گا

گر ہی بخودی ہے صہبایں کون مشتاق سلسبیل ہوا
آسماں راہ پر نہیں آتا دعویٰ خضر بے دلیل ہوا
آپ کی کوئی بڑی عزت میں اگر بزم میں ذلیل ہوا
انرسن و عشق تھا بے مثل میں ترا تو مرا عدیل ہوا
بتش آہ بے اثر سے مری آسماں گلشن خلیل ہوا
کو تھی کی جواب میں جوں جوں اور بھی خط مرا طویل ہوا
ہائے مومن شہادت بے اجر بہر وصل صنم قتیصل ہوا
کیا ہوا ہو اگر وہ بعد مہتاں اپنا بے گنہ سزا پائی اب وہ دل کہاں اپنا
خار و خس میں گلشن کے بو گل جزا آتی تھی رشک کیا برباد آپ آشیان اپنا
رز کا بگاڑ آخر جان پر بنا دیا انکو شوق آرائش دل ہو بدگماں اپنا
بعد مدت اُس گوتے یوں پھر بے تنگ کر جامی جامی پھرتے ہیں پوچھتے مکان اپنا
دشہ چھین لیا کیا ہنشین شب و رقت آپ جب تھیں پڑ کون میری جاں اپنا
صبر بعد آسائش اس قلق پھیل تھا عیش جاوداں نکلا رنج جاوداں اپنا
عشق بیت میں خود اب تو درخور پرش ہیں نام ہو گیا اتنا گم کیا نشان اپنا
دل کی بیکاری کی ہر پیش زمین فرسا بہر خرمن گردن شعلہ ہر فغاں اپنا

دیکھئے پس مردن حال جسم و جاں کیا ہو مدعی زمین پنی دشمن آسماں اپنا
دیر و کعبہ کیساں ہے عاشقوں کو دینا ہو رہی دہیں کے ہم جی لگا جہاں پنا

پر دے میں ہے رشک ماہ میرا کیونکر نہ ہوں سیاہ میرا
اس سد سکندری کو توڑو آئینہ ہے سنگ راہ میرا
میں کشتہ شہید بے دیت ہوں ہے شوق ستم گواہ میرا
مرنا نہیں اختیار کی بات خود ہر دم ہے عذر خواہ میرا

ہم جان فدا کرتے گرد و عودہ دفا ہوتا مرنا ہی مقدر تھا وہ آتے تو کیا ہوتا
ایک ایک ادا سو سوتی ہے پیام اس کے کیونکر لب قاصد کی پیغام ادا ہوتا
جنت کی ہوں زاہد بیجا ہے کہ عاشق ہو ہاں سیریں جی لگتا گردن نہ لگا ہوتا
اس تلخی حسرت پر کیا چاشنی الفت کب ہو فلک دیتا اگر غم میں مزا ہوتا
ہے بخود ہی دایم کیا شکوہ تغافل کا جب میں نہوا اپنا وہ کیونکر مرا ہوتا
اس بخت پہ کوشش دیکھنے کو حاصل گر چارہ غم کرتا رنج اور سوا ہوتا
دیوانے کے ہاتھ آیا کب بند تھا اسکا ناخن جو نہ بڑھ جاتا تو عقدہ یہ ہوتا
ہم بندگی بت سے ہوتے نہ کبھی کافر ہر جا اگر اے مومن موجود خدا ہوتا

اُس در پہ جو میں غبار ہوتا شکر دم شعلہ بار ہوتا
اس زرد گل سے خود گجرتے گر غم کا اعتبار ہوتا
دن پھرتے اگر کبھی مرے بھی کیا گردش رزگار ہوتا
اے پند شعار ہوش میں آ کوئی بھی ہے آپ خوار ہوتا
ہم کا ہیکو دل کو جانے دیتے اپنا اگر اختیار ہوتا

دیراں ہے خانہ جلوہ حیرت طراز کا آئینہ دکھتا ہے منہ آئینہ ساز کا

تھے ہمیں مومن کی خود داری پر کیا کیا اعتماد
کیا خبر تھی یہ کہ یوں محبتاں ہو جائیگا

عدم میں رہتے تو شاد رہتے اے ہی فکر ستم نہ ہوتا
جو ہم نہ ہوتے تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتا
بڑا ہے مرنا بس اب تو ہم کو جو اس نے خط پڑھ کے نامہ برے
کہ اکہ گر سچ یہ حال ہوتا تو دفتر اتنا قسم نہ ہوتا
جہاں ننگ و ہجوم جنت غم نہ دم پر بری بنی تھی
کہاں میں جاتا کہ جی ٹھہرتا کہیں جو جنت عدم نہ ہوتا
جو آپ در سے اٹھان دیتے کہیں نکرتا جس جہہ سائی
اگر چہ یہ سر نوشت میں تھا تمھاری سر کی قسم نہ ہوتا

قتل عدو میں عذر نزاکت گراں ہے اب
مجھ میں ستم اٹھانے کی طاقت کہاں ہے اب
سجدے پہ سر قلم ہو دعا پر زبان کٹے

گویا نہ وہ زمین ہے نہ وہ آسماں ہے اب
کہہ دیں رقیب نے تری بے التفاتیاں

ہو مسلمان میں اور ڈر سے نہ درس راہظ کو سکے مومن

ناصح ہمارے حال پہ کچھ مہرباں ہو آب
چشم غضب سے مشورہ قتل کھل گیا
سودا تھا بلا ہی جو شش پر رات بستر پہ بچھائے نیشتر رات
تارے آنکھیں چمپک رہے تھے تھا بام پہ کون جلو گرات
اس لیل و نہار غم نے مارا ہے روز سید سیاہ ترات
جو بات دل میں تھی سو نظر سے عیاں ہو آب
رکھ لے سراپے زانوئے نازک پہ شوق کر

تیرا مریض عشق بہت ناتواں ہے آب
وہ دن گئے کہ لاف و گزاف جہاد تھا
کرتے ہیں عدد و صل میں حرام کی شکایت
کس واسطے اے شمع زباں کاٹتے ہیں لگ
ہقی بارے موثر غم ہجراں کی شکایت
مومن ہلاک جنجر ناز بتاں ہے آب

ہے یہ بند ہی ہو فاضل صاحب
کیوں لکھتے ہو جنبش لب سے
غیر اور تم بھلے بھلا صاحب
خیر ہے میں نے کیا کہا صاحب
ستم آزار ظلم جور و جفا
جو کیا سو بھلا کیا صاحب
کسب بگڑے تھے کسب غصہ تھا
رات تم کسب تھے خفا صاحب
کس کو دیتے تھے گالیاں لاکھوں
کسکاشب ذکر خیر تھا صاحب
نام عشق بتاں نہ مومن
کیجئے بس خدا خدا صاحب

انہار شوق شکوہ اثر اس تھا عبث
یعنی کہا کہ مرتے ہیں تم پر کہا عبث
میں ایک سخت جان ہوں گزروں چھو لو
تم کو خیال ہے مرے آزار کا عبث
امید وعدہ بھی تو نہیں روز ہجریں
ہم سے وفا کے زندگی ہو فاعبث
اس صنم میں تو سینے سو آتا ہو تلک
کہتے ہیں اپنی نالے کو ہم نار صاحب
جس غم میں مر رہے تھے وہ غم ہی نہیں ہا
افسوس مر کے سمجھے کہ جینا ہو کیا عبث
اے روز حشر کچھ شب ہجراں بھی کم نہیں
بدنام ہو جان میں تیری بلا عبث
ہرگز نہ رام دھنم سنگدل ہوا
مومن ہزار حیف کہ ایساں گیا عبث

داں طعنہ تیرا بارہاں شکوہ زخم ریز
باہم تھی کس مزے کی لڑائی تمام شب
مر جاتے کیوں نہ صبح کے ہوتے ہی ہجریں
تکلیف کیسی کیسی اٹھائی تمام شب
مومن میں اپنی نالوں کے صدقے کہتے ہیں
اسکو بھی آج میندہ آئی تمام شب

داں تو ہے زرد پوش یہاں میں ہوں زرد رنگ

داں تیرے گھر بنت ہے یاں میرے گھر بسنت

ہونہ بیتاب ادا تمھاری آج
ناز کرتی ہے بیتھاری آج
نزع ہے اور روز وعدہ وصل
ہے بہر طور دم شمار آج

مومن اُس بت کو دیکھ آہ بھری کیا ہولانہ دینداری آج

شاید کہیں تو نے بھی اس خواب میں دیکھا
کیا حضرت مومن کہیں کعبہ کو سد ہادی سنسان لگ کر گئے کیوں آج ہر در بند

ہم تو بچتے نہیں تا شام وہ آؤ ہی تو کیا
اُنی فرصت دے سنگم کہ پہنچ جاؤ چل
روزِ غم کون بھلاؤں کے ہوتا ہوشربا
مومن آکیشِ محبت میں کہ ہر سبب ناز

غبت میں گل کھلائے ہے کیا کیا وطن کی یاد
جیسے قفس میں مرغ چمن کو چمن کی یاد
تاشکوہ غیر کا نہ کروں مجھ سے کہتے ہیں
کیوں سرگزشتِ تلکوبھی ہے کوہن کی یاد

ایسے ہی روزِ گرستم نو بنور رہے
تم کو بھلا رہیگی سپر کہن کی یاد

ہوتے ہیں پائمال گل اے بادِ نو بہار
غورِ رخِ رشکِ غیر کی بھی ہلو ہو گئی
دل میں ہو اے تکرہ ظاہر کیا حصول
رہنا حرم میں مومن مکار کی طرح

یاں تلمک تو ہوں سیہ کار کوئی پڑھ نہ سکا
حشر میں جب مرے اعمال کا کھولا کاغذ

قبر میں چھوٹے عذابِ دل بیتاب سے ہم
نام جب لکھ کے ترا سینے پہ رکھا کاغذ
تو غزلِ سنج ہے یا مرثیہ خواں اے مومن
رودیا جس نے کہ دیکھا ترا لکھا کاغذ

رویا کریں گے آپ ہی پردوں اسی طرح
مرچک کہیں کہ تو غم بھراں چوٹ جاؤ
نے تاب بھریں ہے نہ آرامِ وصل میں
پامال ہم نہوتے فقط جو چرخ سے
بے جائے داں بڑھے نہ جانی چہین ہے
معتوق اور بھی ہیں تباہے جلن میں
ہوں جاں لب لبانِ سنگم کے ہاتھ سے

نہ کیونکر میں مواجاؤں کہ یاد آتا ہے رہ رہ کر
نویارے دل کہ رشکِ غیر سے چھوٹے اُسے ہنسنے

عدو نے دیکھے کہاں اشکِ حتم گریاں سُرخ

سنگم کا کردیا خوگر جفا و جور سے سہل
لگی ہچکلی ہے سرزائوے غم پر ہے کہ یاد آیا
کسی کا ہاتھ ہر دم مارنا زانو پہ قہ قہ کر

ہم دامِ محبت سے ادھر چھوٹے ادھر بند
یہ مشت پر سوختہ بھونکنیئے قفس کو

خدا کو مان اپنی راہ لے کجے کو جا مومن

صنم خانے میں کیا یو یو گنگا دگم گشتہ رہ رہ کر

جل گیا جی لاش کو مومن کی جلتا دیکھ کر

پہل پایا فلک نے کیا سا کر خاک آہ نے کر دیا جلا کر

مدت میں ہوئی دعا کی تاثیر اس بت سے ملے خدا خدا کر

کچھ کام نہیں کسی سے ہم کو کیا چھوٹ گئے ہیں دل پہنسا کر

غیروں سے ملے گا بعد میرے اے عمر اے بھی یو فا کر

گہرا آنکھوں میں کر گیا وہ بیدید دل چھین لیا نظر ملا کر

جراح کیا سوچا بتا کیا رنگ دیکھا کیا ہوا

کیوں کھول لی پٹی مرے زخم جگر سے باندھ کر

شوق وصال دیکھ کہ آیا عدو کے گھر

سو جھانہ کچھ مجھے شب مہتاب دیکھ کر

توبہ کہاں کدورت باطن کا ہوش تھا

غش ہو گیا میں رنگ سے ناب دیکھ کر

ہے ہے تمیز عشق و ہوس آج تک نہیں

وہ چھپتے پھرتے ہیں مجھے بیتاب دیکھ کر

مومن یہ تاب کیا کہ تقاضائے جلوہ ہو

عاشق تو جانتے ہیں وہ ادھل ہی سہی ہر چند بے اثر ہے پہ آہ و فغاں چھوڑ

زخمی کیا عدد کو تو مرنا محال ہے قرباں جاؤں تیرے مجھے نیم جاں چھوڑ

جس کو چہ میں گزار صبا کا نہ ہو سکے اے عندلیب اس کے لئے گلستان چھوڑ

ہجرال کا شکوہ لب تلک یا نہیں منور

لطف وصال غیر نے پایا نہیں منور

باغ جہاں میں گو مہ خور داد آگیا

یاں ہے اسی بہار پہ فضل خزاں منور

ناصح قریب ہے بد آموز تر کہیں

پر میں نے تیرا حال سنایا نہیں منور

یک چند ارد کا ہش غم چشم التفات

میں یار کی نظر میں سمایا نہیں منور

مومن تو مدتوں سے ہوئے پر بقول درد

دل سے نہیں گیا ہے خیال بتاں منور

کافر ہوا میں دین کے آداب دیکھ کر

امتیاز دلہی و دلبری میں فرق ہے تم کو بہاتی ہو خزاں در کو بہاتی ہو بہار

دشمنی دیکھو کہ تا الفت نہ آجائے کہیں لے لیا منہ پر دوپٹہ حال میرا دیکھ کر

سب تنہائے نہاں نظروں میں تھے ناصح نہ پوچھ

کیا کہوں میں غش ہو کیا سوچ کر کیا دیکھ کر

(ق)

جو نقاب اٹھی مری آنکھوں پہ پردہ پڑ گیا

کچھ نہ سوچا عالم اُس پردہ نشین کا دیکھ کر

کر دیا خاک آپ کو اُس بت کے در پر ہا سے ہا سے

چاک سرا پر وہ سے جہانکے تھے وہ ایک دن

تجدہ محراب در شغل جہیں ہے ہنوز

یکے دل و عقل و دین پھر ہے غارت ہے عشق

اے اجل آچاک کہیں جان حزیں ہر ہنوز

وصل بتاں کی دعا کرتے ہو شکر خدا

حضرت مومن یحییٰ دعویٰ دین ہر ہنوز

آتا ہے بیکسوں پہ تو جلا د کو بھی رحم

ہے تار گریہ تار نفس اہل سوز کو

سب گرمی نفس کی ہیں اٹھا گئے زیا

دکھو نہ زندگی ہے سراپا زبان شمع

مخل فرد زہتی تب و تاب نہان شمع

نائیں نہ تاب حرف بتاں کا فراں عشق

پروانے کو جھیم ہے مومن زبان شمع

ہے شام انتظار تماشائے سوختن

جھپٹے ہیں تاب صبح ادھر ہم ادھر چراغ

کیا دکھ نہ دیکھے عشق میں کیا کیا نہ پائے داغ

زخموں پہ زخم جھپٹتے ہیں داغوں پہ کہا داغ

کیا کہنے گرمیاں دل بیتاب کی کہ ہے

سینے میں ایک شعلہ جوالہ جا رہا داغ

مجلس میں تانا دیکھ سکوں یار کی طرف

دیکھے ہے مجھ کو دیکھ کے اغیار کی طرف

شام فراق خواب عدم کا ہے انتظار

آنکھیں لگی ہیں دولت بیدار کی طرف

شب ہجر روز وصال کی تری شوخیاں جو نظر میں تھیں

کہوں کیا تیر حال دل کبھی تھا سکوں کبھی تھا قلق

کہا جاں بلب ہوں جو آئے مری زندگی ہو تو یوں کہا

ترے جینے کی مجھے کیا خوشی تری مرینکا مجھے کیا قلق

اس قدر وحشی مزاجی پر بھی اک عالم سو رہا

عرق بادیاں کا رخانہ صفر علی محمد علی تاجر عطر چک لکھنؤ سے منگائے

ڈوبو کوئی آہ کنارے پہ آگیا

کیا دعویٰ آہ جب نہ رہا میں ہی کس لئے

کافر ہے کون ہم میں مومن پھر ہر تو

طغیان بحر عشق ہے ساحل کسے آج

ہیں جمع اقربا مرے قاتل کے آج

کعبے کے آس پاس تو میں لکے آج

جی گیا یونہی رائسگاں افسوس

ہنس کے کہتا ہے وہ کہ ہاں افسوس

مر گیا کیا ہی نوجواں افسوس

شکوہ آزار غیر کا جو کروں

تھا عجب کوئی آدمی مومن

یہ حالت کہ غش پر چلا آئے غش

خبر و مری تم کہاں تاک رہے

ہر غنچہ رے عشق کا اظہار غلط

کرتے ہیں مجھ سے دعویٰ الفت کیا کرتے

کرتے ہو مجھ سے راز کی باتیں تم اس طرح

اس بحث صحیح کی تکرار ہے غلط

کیونکر کہیں مقولہ اغیار ہے غلط

گویا کہ قول محرم اسرار ہو غلط

میں تو دیوانہ ہوں مومن کا کہ ہے اس شخص کو

عرق بادیاں کا رخانہ صفر علی محمد علی تاجر عطر چک لکھنؤ سے منگائے

نہر ہے موت ہے تضا ہے عشق سچ تو یہ ہے بُری بلا ہے عشق
وصل میں احتمال شادی مرگ چارہ گرد در لاد داسے عشق
اثر عم زراست دینا وہ بہت پر چھتے ہیں کیا ہے عشق
آپ مجھے نہا ہیں گے سچ ہے با وفا حسن و بے وفا ہے عشق
سو مجھے کیونکر فریب دل داری دشمن آشنا نہا ہے عشق
قیس و فرما درد امتق و مومن مر گئے سب ہی کیا بلا ہے عشق

کیا کروں کیونکر رکوں ناصح رکا جاتا ہے دل
پیش کیا چلتی ہے اُس سے جس پر آجاتا ہے دل
حیرت دیدار ہیں آئینہ رکھ دے ہاتھ سے

اپنی حالت دیکھ کر ظالم کٹا جاتا ہے دل
چاہتا ہوں میں تو مسجد میں رہوں مومن دے

کیا کروں بت خانے کی جانب کہنچا جاتا ہے دل

امتحان کے لئے جفا کبتک ان نفات ستم نما کبتک
غیر ہے بی وفا یہ تم تو کہو ہے ارادہ نباہ کا کبتک
برم معلوم ہے زلیخا کا طعنہ دست نارسا کبتک
ہوش میں آؤ مجھ میں جان نہیں غفلت جبرارت آرا کبتک
سے شب وصل غیر بھی کافی تو مجھے آزما بیگا کبتک

وچھوڑ مجھے چلا گیا دل ہے اُس سے بھی زیادہ بیوفاد
یہ دشمن جل تھیں مبارک یعنی نہیں میرے کام کا دل
دیتا ہوں دم ایسے فتنہ گر پر انصاف سے دیکھا مراد دل
اُس چشم نے کر دیا خرابہ تھا ورنہ بہت ہی پارسا دل

سینے سے گہرا کے آخر جان لب پر آگئی

حال پہنچا یاں تملک در قمر نہ آئے یاں تملک

شب رہی تجھ بن زہیں بے چین و بے آرام ہم
صبح تک رویا کئے لے لیکے تیرا نام ہم
گر ترے کوچے کو دی کعبے سے نسبت کیا گناہ
مومن آخر تھے کبھی اے دشمن سلام ہم

دو فوراشک و طغیان فغاں ہے کدھر جاؤں ادھر پانی ادھر آگ
دھواں اٹھتا ہے دل سے وقت گزرتا بجھا دی تو نے کیا اے چشم تر آگ

داغ جنون و سنگ و ریاض ہر نصیب کرتا ہے رات دل ہوتا ج تخت دل
الماس ریڑھ تھے مری آنسو کہ نہ بھڑو ہے پاش پاش سب جگر درخت لخت دل

پاتے تھے چین کب غم دوری سے گھر میں ہم

راحت وطن کی یاد کریں کیا سفر میں ہم

اس طرح خاک چھلتے پھرتے نہ دشت دشت

مرد عشق ستیزہ کار ہے دل ملک الموت سے دو چار ہے دل

ردغن آملہ کا رخا نہ صفر علی محمد علی تاجر عطر جو کہ لکھنؤ سے منگائیے

ہوتے جو پائمال کسی رہگزر میں ہسم

مارے خوشی کے مرگے صبح شب فراق

کتنے بک ہوئے ہیں گراں جانوں میں ہم

نہیں پاتے اثر اپنا یہ غیرت کا اثر دیکھا

کما کرتے تھے بیتابی کو بے تاثیر اکثر ہم

پیش نظر ہے کس کا رخ آئینہ گداز

روتے ہیں اپنے حال پہ حیرانیوں میں ہم

برے تم کیوں خفا تاثیر سے آہ رسا کے اب

کیا کرتے تھے یہ تو پہلے بھی تقصیر اکثر ہم

بہر تو نہ توڑ سخت جانی پھر کس کو گلے لگائیں گے ہم

تو بخت، عدو اجل، فلک دل کس کس کے ستم اٹھائیں گے ہم

ٹھہر کوئی دم کہ جان ٹہرے مست جاؤ کہ جی سے جائیں گے ہم

بتخانہ چسپ ہو گو ترا گھر مومن میں تو پھر نہ آئیں گے ہم

ٹھانی تھی دل میں ابنے میں گے کسی سے ہم

پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم

منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بیکسی سے ہم

شام سے اپنے سوہرہ اور ہم ان کے کوچہ میں

دولہ ہائے شوق سے کیا کیا بھرتے ہیں گھڑی میں

صاحب نے کس غلام کو آزاد کر دیا

نو بندگی کہ چھوٹ گئے بندگی سے ہم

کیا کسی بت کے دل میں جگہ کی کوئی ٹھکانا اور ملا

حضرت مومن اب تمہیں کچھ ہم مسجد میں کم پاتے ہیں

کیا دل کو لے گیا کوئی بیگانہ آشنا

کیوں اپنے جی کو لگتے ہیں کچھ اجنبی سے ہم

عشق نے یہ کیا خراب ہمیں کہ ہے اپنے سے اجتناب ہمیں

غیر کے واسطے نہ ہو بیتاب طعنہ دیتا ہے خطر اب ہمیں

کس کی زلفوں میں بوسیم میں ہنسی ہے بلا آج تیج و تاب ہمیں

وہ جفاکش ہیں اے فلک کہ کیا اس ستمگر نے انتخاب ہمیں

اب کوئی کیا کرے علاج فسوس موت لے بھی دیا جواب ہمیں

اے تپ ہجر دیکھ مومن ہیں ہے حرام آگ کا عذاب ہمیں

جو پہلے دن ہی سے دل کا کمانہ کرتے ہم

تو اب یہ لوگوں کی باتیں سناہ کرتے ہم

اگر نہ ہنسا ہنسا نا کسی کا بھا جاتا

تو بات بات پہ یوں دودیا نہ کرتے ہم

نابت ہر جرم شکوہ نہ ظاہر گناہ، رشک

حیراں ہیں آپ اپنی پشیمانیوں میں ہم

لذت جو رکشی نے مجھے شرمندہ کیا طعنہ کیا کیا اے ارباب تم دیتے ہیں

م نہ لے آئے اثر آہ کہ معلوم ہوا جن پر دم دیتے ہیں ہم وہ ہمیں م دیتوں
اہل بازار محبت کا ہی کیا سودا ہے عشرت عمر بد قیمت غم دیتے ہیں

چین آتا نہیں تے ہیں جس پہلو ہیں ہوش کیوں جلتے رہے اور دم ہو کیوں جلا
اضطراب دل غرض جینے نہ گیا تو ہمیں تجھ سے اے باد صبا آئی یہ کس کی بوہیں
گر یہی شوق شہادت ہو تو مومن جی چکے مار ڈالے کاش کوئی کافر نہ ہو

ناصح ناداں یہ دانائی نہیں دل کو کھجاؤں میں سودائی نہیں
کس توقع پر امید وصل اب طاقت صبر و شکیبائی نہیں

ٹٹکلی لگائی ہے اب تو گو ہو رسوائی تادہ گرا دہر دیکھیں جھکو دیکھتا دیکھیں
کس نے اور کو دیکھا کس کی آنکھ جھپکی ہے دیکھنا اور ہر آؤ پھر نظر ملا دیکھیں

کے ہے چھپنے کو میرے گرسب ہوں مرے بس میں

نہ ملنے دوں کسی مشوق اور عاشق کو آپس میں

نہ میں اپنا دل اپنا نہ تم میرے نہ جاں میری

اثر کس کس کو ہو ہو دے ہی گریز یاد بیکس میں

در بت خانہ و عشق بتاں اور آپ اے مومن

یہ حضرت آگئی اک بار کیا طبع مقدس میں

بزم میں اس کی بیان درد غم کیونکر کریں

رہ خفا جس بات سے ہو دہر وہ ہم کیونکر کریں

مجھ بعد امتحاں ہی جو رکم کیونکر کریں

وہ ستائیں غیر کو ایسا ستم کیونکر کریں

سب کو ہوتا ہے جہاں میں پاس اپنے نام کا

ہم بھی تو مومن ہیں دل نذر صنم کیونکر کریں

دمدم رونا ہیں چاروں طرف تکنا ہمیں

یا کہیں عاشق ہوے یا ہو گیا سودا ہمیں

ہر ستم صیاد کا کیا التفات آمیز تھا

بند کرنے کو نفس میں دام سے چھوڑا ہمیں

کیا کہیں کیوں رہ گئے حیران تجھ کو دیکھ کر

آگیا دل یاد آئے آئینہ رد اپنا ہمیں

دست بوسی پر کرد ہاں قتل اپنے ہاتھ سے

سچ تو کہتے ہیں قبول انصاف غیر دکا ہمیں

مومن انکا تو نہ تھلنے میں آخر اختیار

یہ شکایت بھی خد سے ہر بتوں سے کیا ہمیں

تانا پڑے خل کیوں آپ کے خواب نازیں

ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شب درازیں

خسر و عیش وصل یار کو کہن اور جانکھی

اپنا جگر تو خوں ہوا عشق کے امتیاز میں
کیا بھی سینے جل چکے کیا بھی دل نگہل چکے
بے کباب اب نہیں آہ جگر گداز میں

پوچھا ہے اُس نے کیا مری بخودئی و قلق کا حال
ہوش نہیں حواس میں تاب نہیں قرار میں
مرگ ہے اتھائے عشق یہاں ہی ابتداءے عشق

زندگی اپنی ہو گئی رنجش بار بار میں
خاک اڑائی گل نے یہ کس کے جنون عشق میں
آئی ہے کچھ اٹی ہوئی باد صبا عبا میں
دہیاں میں مومن آگئی مبحث جبر و اختیار
قابو سے یار میں ہیں ہم وہ نہیں اختیار میں

جیب درست لائق لطف و کرم نہیں
ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں
منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجر ال کا غم نہیں
فریاد ناہما سے غزا بار پر انہیں

آیا ہے رحم کب کہ زرا مجھ میں دم نہیں
بے التفاتیاں جو عداوت سے نہ تھیں
ہم جانتے تھے وصل میں رنج و الم نہیں
بے جرم پائمال عدا کو کیا کیا

ٹھکھو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں
ہوں آب آب اُن فری نگہ ہاؤ گرم گرم
اُس مردش کے سامنے آنکھوں میں غم نہیں
نام وصال لینے ہوتا ہے مضطرب

کیونکہ کہوں اُسے مرے مرنے کا غم نہیں
ناصح کہاں تلک تری باتیں ٹھاسکوں
سچ ہے کہ مجھ میں طاقت جو دوستم نہیں

نالہ ہی نکلے ہے گو ہم دعا کہنے کو ہیں
دست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ
شکوہ حرف تلخ کا یا شور رنجی کا گلہ
ہم جو کچھ کہنے کو ہیں سو بے مزہ کہنو کو ہیں
لب نہیں کہنو میں اب کیا جانی کیا کہنو کو ہیں
کیا قیامت ہو بھی کو سب بُرا کہنے کو ہیں
میں گلا کرتا ہوں پنا تو نہ سن غیر دلی بتا
غیر سے سرگوشیاں کر لیجے پھر ہم بھی کچھ
آزد ہائے دل رشک شاک کہنے کو ہیں
ترجمانِ اتماس شوق ہر تغیر رنگ
ہو گئے نام بتاں سنتو ہی مومن بیقرار
ہم نہ کہتے تھے کہ حضرت پارہ سا کہنو کو ہیں

دن بھی دد از رات بھی کیوں ہر فراق یار میں

کاہے سے فرق آگیا اگر دشمن روزگار میں
دہ علی الرغم عدد مجھ پہ کرم کرتے ہیں

ہے ستم لطف کے پردے میں ستم کرتے ہیں
انیم بسل ہیں نہ چھڑائے تپش دل کہ ابھی

ردے قاتل کا نظارہ کوئی دم کرتے ہیں
اے اجل کاش الٹ جائیں شب ہجر میں
وہ دعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں
کشتہ یار ہوں اس رشک سے مرنا ہے جہاں

وہ بھی کیا ہیں جو مری موت کا غم کرتے ہیں
آبرورہ گئی مرنے کی کہ روتے ہیں وہ

اشک شادی ہی وہ چشم کو غم کرتے ہیں
جا کے کعبے میں بھی مومن نہ گئی دیر کی یاد
جائے بلیک سدا ہائے صنم کرتے ہیں

نیرنگ عشق سے ہو غافل ہے ایک رنگ

اس دل کے جاگنے میں زلیخا کے خواب ہیں

دکھاتے آئینہ ہو اور مجھ میں جان نہیں
جو یا صلح پہ ہے اب تو آسمان نہیں
ترے فراق میں آرام ایک گن نہیں
نہ چاہوں روز جزا داویہ تم دکھیو
نہ کیوں شمار ہو جاں فدائین نان نہ
نخل کے دیر سے مسجد میں جا رہا مومن
گو گے بھر بھی کہ میں تجھسا بد گمان نہیں
وہ مہربان ہوا تو یہ مہربان نہیں
یہ ہم سمجھ چکے گرتو نہیں تو جان نہیں
کب آزما تے ہیں جب وقت امتحان نہیں
کہ اسکو میرے سوا اور کا دیہان نہیں
خدا کا گھر تو ہی تیری اگر مکان نہیں

ہجر میں بھی نہ رست کیوں نہ چاہو

جاں دادہ شوخ بیوٹا ہوں
کیا شکوہ جفا کے آسمان کا

میں آپ کو دور کھینچتا ہوں
دشمن سے ہے چشم مہربانی
محررم نگاہ آشنا ہوں
خود بینی و بیخودی میں ہے فرق

میں تم سے زیادہ کم نما ہوں
مجھ رمز شناس سے یہ باتیں

کیا خوب میں غیر سے برا ہوں
اے کاش عدد کو غیرت آوے
میں منتظر اپنی موت کا ہوں
اس نام کے صدقے جس کے دولت

مومن رہوں اور بتوں کو چاہوں

ہر دم رہیں کشمکش دست یار ہیں
کیا کبھی کہ طاقت نظارہ ہی نہیں
شبنم خراب مہر دکتاں سینہ چاکا ہ
کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقربا
ناصح سے مجھ کو کیونکہ نبیوں بگایا
چلوں کے بند کے گریباں کے ناز ہیں
جتنے وہ بے حجاب ہیں ہم شرمسار ہیں
لو اور بھی ستم زدہ روزگار ہیں
تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں
دشمن ہیں جو مرے تری دستار ہیں

آہ فلک فلک ترے غم سے کہاں نہیں
کنہا پڑا مجھے پئے الزام پسند گو
دہ ماجرا جو لائق شرح دیباں نہیں
ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑو
جو فتنہ خیزاب ہے زمیں آساں نہیں
صیاد کی نگاہ سوے آشاں نہیں

باتیں تری وہ ہوش بایں کہ کیا کہوں
جو کوئی راز داں تو راز داں نہیں
پیش عد و بچہ کے زرا حال پوچھنا
قابو میں لائیں رکھیں یہی انہیں
کرتے وفا مید و فاپر تمام عمر
پر کیا کریں کہ اسکو سر زخاں نہیں
اسکو بھی جانتا ہوں فریب صال غیر
تم کو عبث یقیں ہو کہ میں بدگماں نہیں
میں اپنی چشم شوق کو الزام خاک دیا
تیری نگاہ شرم سے کیا کچھ عیاں نہیں
اتنے سبک نظر میں ہیں صنایع روزگار
دنیا کی حسرتیں مرد دل پر گراں نہیں
میں جانتا ہوں نعلش پہ آنے کا مدعا
آسودگی پسند تری شوخیاں نہیں

نیم بیدار دستم کچھ دل مضطرب نہیں
یوں ہوں نالائک کہ وہ گویا شرم نہیں
بجست بیکش کی طرف محتسب تار تو آؤ
ایک قطرہ بھی سوؤ ختم و ساغون نہیں
قطع امید سے سر کاٹو کو کیا نسبت
مجھ میں وہ دم ہی ابھی جو تیرے خنجر نہیں
کیا موثر ہو دعا وصل صنم کی مومن
ہم طلب کرتے ہیں وہ شجر جو مقدس نہیں

مجھ کو کیا کام کہ آئینے کی حیرت دکھوں

دیکھ تو آئینہ اور میں تری صورت دیکھوں
جن سے منظور و فاپر ہو جفا ہی ان پر
مجھ سے کچھ کام نہیں ہے تو ستائے کیوں ہو
توڑنا جان کا ہو جائے گا دشوار آخر
چارہ ساز و مری امید بندھاتے کیوں ہو

تاثر صبر میں نہ اثر اضطراب میں
بجاریگی سے جان پڑی کس عذاب میں
چرخ دہیں تو بہ کا ملتا نہیں سراغ
ہنگامہ بہار دھجیم سحاب میں
کھو لا جو دفتر گل اپنا زیاں کیسا
گزری شب وصال تم کے حساب میں
اے حشر صلب کرتے دبا لانا جہاں کو
یوں کچھ نہ ہوا امید تو ہے انقلاب میں
مومن یہ عالم اس صنم جاں فزا کا ہے
دل لگ گیا جہاں سرا سر خراب میں

کھل گیا عشق صنم طرز سخن سے مومن
اب چھپاتے ہو عبث بات بناتے کیوں ہو

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوؤ اک جواب میں
چین چین کو دیکھ کے دل بہتر ہوا
کیسی کشود کار کشا نقاب میں
رہتے ہیں جمع کو چہ جانان میں خاض عام
آباد ایک گھر ہے جہاں خراب میں
بدنام میرے گریہ رسوا ہو چکے
اب عذر کیا رہا نگہ بے حجاب میں
مطلب کی جستجو نے یہ کیا حال کر دیا
حسرت بھی اب نہیں لانا کامیاب میں
دونوں کا ایک حال ہے یہ دعا ہو کاش
وہ ہی خط اس نے بھیج دیا کیوں جہاں میں
کیا جلوے یاد آئے کہ اپنی خبر نہیں
بے بارہ مست ہوں میں شب اہتا میں
ہے غمتوں کا وقت شکایت رہی رہی
آئے تو ہیں منانے کو پردہ عتاب میں
تیری جفا نہ ہو تو ہر سب دشمنوں امن
بدست غیر محو دل اور بخت خواب میں

کیسے مجھ سے بگڑے تم الشدا کبریات کو
ذبح کرتے ہی جو ہوتا پاس خنجر مات کو
بزم دشمن میں نہ ہودہ نغمہ گرا آتی رہی
ہر نشان کے ساتھ لب پر جان مضطرب کو

یاد دلوادی پیش نے تیری شوخی وصل کی
مر گئے ہم دیکھ کر چین ہائے بسترات کو

سن اے مومن یہ ایساں ہو ہمارا نہ کہنا کفر پھر عشق مبتلا کو

کیا اسی بختانہ کو فرماتے ہو ظلمت کدہ
حضرت مومن جہاں جاتے ہو چھپکر رات کو

پر دانہ دار گرم تبش ہیں قلق سحریم تم شوخیوں سے شعلہ بیتاب جستہ ہو
مومن نہ توڑ رشتہ زنا برہمن مت کردہ بات جس سے کوئی دل شکستہ ہو

آنکھوں سے جیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو

ہے بواہوسوں پر بھی ستم ناز تو دیکھو

چشمک مری دشت پہ ہے کیا حضرت ناصح

طرز نگہ چشم نسوں ساز تو دیکھو

ارباب ہوس مار کے بھی جان پہ کھیلے

کم طالعی عاشق جاں باز تو دیکھو

مجلس میں مرے ذکر کے آتے ہی اٹھتے رہ

بدنامی عشاق کا اغراز تو دیکھو

اس غیرت نامہ ہد کی ہر تان ہے دیپک

شعلہ سا چمک جائے ہر آواز تو دیکھو

دیں پاکئی دامن کی گو اہی مرے آنسو

اُس دست بیدرد کا اعجاز تو دیکھو

بخت میں بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے

جور اجل قنبر قہ پر داز تو دیکھو

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیشتر وہ کرم کہ تھا مری حال پر

مجھے سب ہے یاد زرا زرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مرے مرے کی حکایتیں

وہ ہر ایک بات پہ رد تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی بیٹھے سب میں جگر برد تو اشارتوں ہی میں گفتگو

وہ بیان شوق کا پر ملا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ہوئے اتفاق سے گر ہم تو وفا جانے کو مبدم

گلہ ملا مت اقر با تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ مختاری جی کو بُری لگی

تو سب سے پہلے ہی بھولنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم میں تم میں ہی راہ تھی

کبھی ہم بھی تم تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

سنو ذکر ہے کئی سال کا کیا ایک آپ اپنے وعدہ تھا

سو نباہنے کا تو ذکر کیا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے با وفا

میں وہی ہوں مومن مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

دفا سکھلا رہے گا دل ہمارا مختاری خاطر نامہرباں کو

کہاں ہے تاب ناز برق بجائے گلشن بھلا دے آتش گل اشیاں کو

سمجھتا کیونکہ دیوانے کی باتیں نہ پایا محرم اپنے راز داں کو

ہمارا غش تو کیا مر جائیں تو بھی نہ کھولے طرہ غیر قشاں کو

دل مضطر کی بیتابی نے مارا کہاں سے لاؤں اُس آرام جاں کو

باد بہار میں ہے کچھ اور عطر ریزی تم آج کل میں شاید سوئے چمن گو ہو
ہے کچھ تو بات مومن جو چھا گئی خموشی کس بت کو دیدیادل کیوں بیت ننگے ہو

صد حیف سینہ سوز فغان کا رگرنہ ہو

یاں جان پر بنے تھے دل پر اثر نہ ہو
ایسے سے قدر مہر وفا کی اُمید کیا
جس کو ہنوز اپنے ستم کی خبر نہ ہو
بابے طلب شکستہ نہ کوتاہ دست شوق

ہم بھی وہ ستم کریں جو وہ نازک کمر نہ ہو
زیادہ بیگناہ کشی بجا کردوں نہ
گرد ہم جاں نثاری بیخسار مہر نہ ہو
عابد زریب شوخی و رعبت فرا نگاہ
میں کیا کسی سے صبر تجھے دیکھ کر نہ ہو

سودا ہے مجھ کو گرمی بازار عشق کا

اس کا کہاں خیال کہ اپنا ضرر نہ ہو
حزن و ملال میں ہر دل آزدگی کا وہم
کیسی بری بنے جو گلہ بے اثر نہ ہو
ہیں آرزو سے مرگ کی بے اتفاقیات
جینا مرا محال تو دشمن اگر نہ ہو

اب کیجئے آہ تاب گسل ہر جفا کے ساتھ

جب جان سے گزر گئے پھر در گزرنہ ہو
سوتے سے اٹھکے آئے ہیں یار پتہ جائیں وہ

شرمندہ آہ شب سے دعائے سحر نہ ہو

سے ناصحو آئی گیا وہ فتنہ ایام لو
ہم کو تہکتے تھے بھلا اب تم تو دل کو تھام
ذرات فکر جو میں یوں رنج اٹھانا کہ نہ نک
میں بھی زرا آرام لوں تم ہی زرا آرام لو
مومن تم اور عشق تباں کی بر سر شد خیر و
یہ ذکر در منہ آپ کا صبا خدا کا نام لو

وہ آئے نہ آئے زیست میری ہو نہ ہو لیکن

زرا اسے چارہ ساز و زحمت تدبیر تو کھینچو
دکھا دو نکھاتا شاہیں نہ چھپڑو مجھ سے مجنوں کو
ہلا دو نکھاز میں و آسماں زنجیر تو کھینچو

اعجاز جاں وہی ہے ہمار کلام کو زندہ کیا ہو جئے میحائے نام کو
لکھو سلام غیر کے خط میں غلام کو بندے کا بس سلام ہو ایسے سلام کو
اب شور ہے مثال جو دی اُس خرام کو یوں کوں جانتا تھا قیامت کج نام کو
گو اپنے جواب برا ہی دیا دے مجھ سے بیان کیجئے عہد کے پیام کو
مدت سے نام سنتے تھے مومن کا بارو آج دیکھا بھی تھے اُس شعرائے امام کو

ہم سمجھتے ہیں آزمانے کو عذر کچھ چاہتے ستانے کو
صبح عشرت ہے وہ نہ شام صلا ہائے کیا ہو گیا زمانے کو
برق کا آسماں پر ہے دماغ بھونک کر میرے آشیانے کو
شکوہ ہے غیر کی کدورت کا سومرے خاک میں ملانے کو
سنکے و صغف اُس پر گیا ہم زور بآیا تھا غم بٹانے کو

عجائب سے زیادہ ہے سحر اس کے ناز کا
 آنکھیں وہ کہہ رہی ہیں جوں سے بیان ہو
 شکت رنگ پستی میں منتروں میں ہم بھی دکھائیں گے انہیں وقت خوار آئینہ
 مجھے تو کیت ہومت دیکھ میری جاب تو اور آپ دیکھتے ہو بار بار آئینہ
 کرنی نہ تھیں بگاڑ کی باتیں گلہ میں ہائے

کیسی بنے جو دل سے وہ نامہاں نہ ہو
 مہم سفر جہاں سے کروں کیا شب نفاق
 سیاب ہے پہلو میں مرد دل تو نہیں
 حسرت سے کہا خطر نے دیکھا اسکی گلی کو
 اس رحم کے صدقہ میں گہرا کے کہا ہاں
 جاکر کوئی دیکھو کہیں مومن تو نہیں یہ
 مومن بہشت و عشق حقیقی تھیں نصیب

ہم کو تو رنج ہو جو غم جادواں نہ ہو
 کب تک سیوں پارہ پارہ دل کو رخصت ہو شکیب جان گسل کو
 کب تک نہمائے بت نا آشنا کے ساتھ کیجے وفا کہاں تملک اس بیوفا کیساتھ
 مانگا کریں گے اپنے دعا بھر یار کی آخر تو دشمنی ہر آخر کو دعا کے ساتھ
 ہے کس کا انتظار کہ خواب عدم ہی ہر بار چونک پڑتے ہیں وار باکیا
 یارب وصال یار میں کیونکر ہو زندگی نکلی ہی جان تانی ہر ہر ادا کیساتھ
 سوز زندگی شمار کروں کسی موت پر یوں روئے زار زار تو اہل عراکیا
 ہر دم عرق عرق نگہ بے حجاب ہی کس نے نگاہ گرم سے دیکھا جیا کیسا
 مرنے کے بجائے ہی آوارگی رہی افسوس جاں گئی نفس ناسا کیسا
 دست جنوں نے میرا گریباں سمجھ لیا رکھا ہے اُن کی شوخ کے بند فبا کیسا
 میں کہنے سے ہی خوش ہوں کہ شب کو کہیں اُس فتنہ گر کو لاگ ہے اس مبتلا کیساتھ

اک لحظہ نہیں قرار جی کو موت آئے بس اپنی زندگی کو
 اُس آفت جاں کو دل دیا ہوا جو عیب گئے ہے دل ہی کو
 کوئی نہ رہا جو پوچھے آنسو کیا روؤں میں اپنی بیکسی کو

جلوہ اُس بت نے دکھا یا مجھ کو کب قیامت میں غش آیا مجھ کو

اٹے وہ ٹکڑے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ

بے طاعتی کے طعنہ ہیں عذر جفا کے ساتھ

آتی ہی بڑے داغ شب تار بھر سے

سینہ بھی چاک ہو گیا ہو قبا کے ساتھ

تھے وعدہ سے پھر آنے کے خوش یہ خبر نہ تھی

ہے اپنی زندگانی اُسی بیوفا کے ساتھ

جل پرے ہٹا مجھے نہ دکھلا منہ اسے شب ہجرت میرا کالامنسہ

آز دے نظارہ تھی تو نے اتنی سی بات پر چھپا یا منہ

ہو گیا راز عشق سے پردہ اس نے پردی سے جو نکالا منہ

سمایا ہے میں گر تیرے نو ہو جلوی کہ بن گیا ہے ظلم بہار آئینہ

اشد ری گم رہی بت و بتخانہ چھوڑ کر

مومن چلا ہے کعبہ کو آب پارسا کے ساتھ

پھر یہ ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو یا آجائے

کلفت پھر کو کیا روں ترے سامنے میں

دل جو خالی ہو تو آنکھوں میں غبار آجائے

مخو دلدار ہوں کس طرح نہ ہوں دشمن جاں

بچھہ جب ناصح بیدار کو پیار آجائے

گرناز کی سے بارہ دشمن تو یک نگاہ

ہم نیم سبیلوں کو تر پتہ چھوڑ دیکھ

آئینہ خانہ بن گیا دل توڑ نانا تھا

یعنی اب ایسے جلوہ نما ہیں کڑوڑ دیکھ

دیتے ہو تکیں مرے آزار سے دوستی تم کو نہیں اغیار سے

مجھ سے وہ چھپتے پھر میں اسکے سوا اور حاصل عشق کے آزار سے

کر علاج دشت دل چارہ گر لادے اک جنگل مجھے بازار سے

ذکر اشک غیر میں رنگیناں بوسے خوں آبی تری نقار سے

گرد عاکر تا ہوں مومن وصل یار کی ہاتھ باندھ رہے وہ بت زنا سے

کھائی ہے قسم غنہ کہ پر ہیز کریں گے

گرد در سے بھر جلے طبیعت تو مزا ہے

تو بگنہ عشق سے فرمائے ہے داعظ

یہ بھی کہیں دل کے گنگار ہوا ہے

تھا مخورخ یار میں کیا آئینہ دیکھوں

معلوم ہے یار و مجھے جو ننگ مرا ہے

مومن نہ سہی بوسہ پا سجدہ کریں گے

وہ بت ہی جو اور دکھا تو اپنا ہی خدا ہے

ہے نگاہ لطف دشمن پر تو بندہ جلے ہے

یہ ستم اے بے مروت کس سے دیکھا جائے ہو

سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آجائے ہے

تھا ستا ہوں پر یہ دل ہاتھوں سے نکلا جائے ہو

حال دل کیونکر کہوں میں کس سے بولا جلے ہے

سر اٹھے بالیں سے کیا کچھ جی ہی بیٹھا جاؤ ہو

جاں نہ کہا وصل عدد سچ ہی سہی پر کیا کروں

جب گلہ کرتا ہوں ہمد وہ قسم کھا جائے ہے

غیر کے ہمراہ وہ آتا ہے میں حیراں ہوں

خوشی نہ ہو مجھے کیونکر قضا کے آنکی خبر ہر لاش پہ اس بیوفا کے آنکی

ہر ایک خلق کا خوں سر پہ خشک کے مرے سکھائی طرز اسوہ میں اٹھائے آنکی

سمجھ کے ادہی کچھ مر چلا میں ناصح کہا جو تو نے ہنیں جان کے آنکی

مجھے یہ ڈر ہے کہ مومن کہیں کتابو مری تسلی کو روز جزا کے آنکی

کس کے استقبال کو جی تن سے میرا جائے ہو

تاب و طاقت صبر و راحت جاں و ایماں عقل و ہوش

میں اگر آپ سے جاؤں تو قرار آجائے

ہائے کیا کہئے کہ دل کے ساتھ کیا کیا جائے ہو

خاک میں مل جائے یارب بیکسی کی آبرو

غیر میری نعل کے ہمراہ روتا جائے ہو

دیکھئے انجام کیا ہو مومن صورت پرست

شیخ صفنان کی طرح سوئے کلیسا جائے ہو

ہوئی تاثیر آہ دزاری کی ۶ رہ گئی بات بیقراری کی

شکوہ دشمنی کریں کس سے داں شکایت ہے دوستداری کی

یا سس دیکھو کہ غیر سے کمدی بات اپنی امید داری کی

نادک انداز جد ہر دیدہ جانان ہوں گے

نیم سبل کئی ہوں گے کئی بیجاں ہوں گے

تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں

اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے

تو کہاں جا لگی کچھ اپنا ٹھکانا کرے

ہم تو کل خواب عدم میں شب ہجراں ہوں گے

ناصری دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم

لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہوں گے

کر کے زخمی مجھے نادم ہوں یہ ممکن ہی نہیں

گرہ ہوں گے ہی تو بیوقت پشیاں ہوں گے

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیاں کہ بس

ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہوں گے

ہم نکالیں گے سن اے موج ہوا بل تیرا

اس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہوں گے

صبر یارب مری وحشت کا پڑ گیا کہ نہیں

چارہ فرما بھی کبھی قیدی زنداں ہوں گے

منت حضرت عیسیٰ نہ اٹھائیں گے کبھی

زندگی کے لئے شرمندہ احساں ہوں گے

چاک پردہ سے یہ غم ہے تو ای پردہ نشیں

ایک میں کیا کہ سبھی چاک گریباں ہوں گے

پھر بہار آئی وہی دشت نور دی ہوگی

بچر وہی پاؤں وہی خار مغیلاں ہوں گے

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن

آخری وقت میں کیا خاک مسلمان ہوں گے

آج اس بزم میں طوفاں اٹھا کے اٹھے

یاں تلک روئے کہ اُن کو بھی رلا کے اٹھے

گر نہ ہو دل میں خیال نگہ خواب آلود

درد کیا کیا اثر خفتہ جگا کے اٹھے

گو کہ ہم صفحہ ہستی پہ تھے اک حرف غلط

لیک اٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے اٹھے

ہو عذاب شب یلدا سے رہائی یارب

زلف نہ سے کہیں اس مہر لقا کے اٹھے

اُف ری گرمی محبت کہ ترے سوختہ جاں

جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اٹھے

میں دکھاتا تھیں تاثیر مگر ہاتھ مرے

پامال اک نظر میں ثبات دقرار ہے اُسکا نہ دیکھنا نگہ اشفات ہے
چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ہے

ضعف کے ہاتھ سے کب وقت دعا کے اٹھے
اجی ہی مانند نشان کف پا بیٹھ گیا

وہ سر جو کل ترے زانو پہ تھا سو آج اسے ظالم
کبھو رہتا ہے پتھر پر کبھو رہتا زمین پر ہے

پاؤں کیا کہے سے اُس ہوش ربا کے اٹھے
شعر مومن کے پڑے بیٹھ کے اُسکے آگے
خوب احوال دل زار سنا کے اٹھے

دیا ظالم کو دل اجاں غیر کو آرام و دشت کو
کسی کا شکوہ کیا کیجئے یہ خوبی اپنی قیمت کی
ستم پیشہ ہے بد خو ہے شکر ہے جفا جو ہے
کردن کیا کیا شکایت دوستوں میں سیرت کی
مبارک خشتگان خاک کو تصدیع بیداری
کہ گور تیرہ سے یاد آئی مجھ کو رات فرقت کی
جفا کا شکوہ اب کیوں جو کیا اچھا کیا اُس نے
سزا ہے اے دل ناداں اس الفت کی اس محبت کی

لازم تھا حذر مجھ سے ناجیز کے تالوں سے
پر تجھ کو کہاں غیرت اے بے اثری اتنی
لو پھیرٹے ہے محبت کو نگہائے شبینہ کی
اب تم سے بھی چل نکلی باد سحری اتنی
یہ کون کے اُس سے کی ترک و فامیں نے
کر تو ہی زرا ناصح پیغامبری اتنی
کیا ہو گئی خود بینی اب غیر سے چشمک ہے
یا خوش نگئی وہ کچھ یا بد نظری اتنی
کتا ہے مرے آگے وہ مجھ پہ عدو غش ہے

فجھ کو مارا مرے حال متغیر نے کہہ
نجات بردان سے قربان عدو ہوں یعنی آگ بجلے ہے وہ گرد پھول میں جک

ہے ہر مری الفت سے ہے بخبری اتنی
سجدہ نہ کہیں کرنا مومن قدم بت پر
کعبہ ہی میں ہوتی ہے یہ وہ سری اتنی

مجھے طوفاں اٹھائے لوگوں نے مفت بیٹھے بٹھائے لوگوں نے
کر دیا مومن اُس صنم کو خفا کیا کیا ہلے ہائے لوگوں نے

منتظر کس کے یہ رہتے ہیں کہ ہم ہر شب کو
تا سحر شام سے اٹھ اٹھ کے ہیں گھر میں پھر

تھیں تقصیر اُس بت کی کہ ہے میری خطا لگتی
مسلمانوں ذرا انصاف سے کہو خدا لگتی نہ

جنش نرگس جنت نے رد لایا مومن
چشم کافر کے اشارے ہیں نظریں پھرتے

ترپنے لوٹنے رونے کا باعث تجھ پہ بھی کھلتا

ترے دل کو بھی میری سی اگر اے بیوفا لگتی

بگڑنا اگر نہیں دشمن سے کیوں باتیں بناتا ہے

خیال خواب راحت و علاج اس بدگمانی کا

وہ کافر گور میں مومن مرا شانہ ہلاتا ہے

جب وہ حیرت زدہ چہرے پہ نظر کرتا ہے

آئینہ صد گلہ آئینہ گر کرتا ہے

کیا کیا دل نے کہ آنکھوں سے کہا راز نہاں

یہ عین غماز کو ہی کوئی خبر کرتا ہے

عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو

کہ شب غم کوئی کس طور بسر کرتا ہے

بخت بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانپ اٹھتا ہوں

تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے

ذکر کر بیٹھیں بُرائی ہی سے شاید میرا

اب وہ اغیار کی صحبت سے خدر کرتا ہے

اشک شادی نے دم وصل جلایا مجھ کو

منع نظارہ مرا دیدہ تر کرتا ہے

کیا رلاتی ہے مجھے فکر خیال دشمن

وصل میں جب وہ ادھر سنکے نظر کرتا ہے

فغاں کیا دم ہی لینا پارہ ہائے دل اڑاتا ہے

کہوں کیا دردِ پنہاں کی کلیجہ منہ کو آتا ہے

گراں خوابی وہی ہے بخت خوابیدہ کی اے ظالم

مرا شور فغاں کا مہیکو سوتوں کو جگاتا ہے

میں ایسا ہوں کہ دو نگا تجھ کو طعنہ بیوفائی کا

جہاں سے شکل کو تیری ترس ترس گزرے

جو تجھ پہ بس نہ چلا اپنے جی سے بس گزرے

نہ جاؤں کیونکہ سوئے دام آشاں سے جب

خیال حسرت مرغاں ہم نفس گزرے

دفاعے غیرت فکر جفانے کام کیا

کہ اب ہوس سے بھی اعداے بوالہوس گزرے

یہ نیم جان دغم ہجر ہے وہی انصاف

جو تیرے دہیان میں امِ مرگ اور گزرے

کہاں وہ ربط تباں اب کہ نہ کو تو مومن

اگر کی بتی کارخانہ صفر علی محمد علی تاجر عطر جو کہ لکھنؤ سے خریدے

ہزار سال ہوئے سیکڑوں برس گزرے

ہیں ہے اور کچھ یوں آپ جو جاہیں گماں کیجئے
کیس تو کیا کہیں اور بن کئے کیونکر دوا ہو دے

نہ انتظار میں یاں آنکھ ایک آن لگی نہ ہائے ہائے میں تلوے شب بان لگی
جفاے غیر کا شکوہ تھا تیرا تھا کیا ذکر عبث یہ بات بری تجھ کو بد گمان لگی
میں در اسکو بلاؤں گا روز وصل میں لو اجل بھی کر سنے محبت کا امتحان لگی

بڑی مشکل پڑی کیا چارہ درد نہاں کیجئے
دکھ سے ہاتھ سینے پر ہلاکب ماننا دل ہے
نہ جبتک دے دو چار آہ خونچکاں کیجئے
کچھ آخر حد بھی ہے جو د جفا و ظلم کی کب تک

کیا مرے قتل پہ حامی کوئی جلا د بھرے
آہ جب دیکھ کے تجھ ستم ایجا د بھری
کہیں ہو جائے وصال آہ بلا سے چھوٹوں
ہجر کا دکھ کوئی کب تک ل نا شا د بھری
ہوں میں وہ صید جگر خون و سیری مشاق

تخل در گز، ہر لحظہ ہر دم ہر زماں کیجئے
گلاہم کاٹ لیں گے آپ تیغ رشک اپنا
عدو کو قتل کیجئے پھر ہمارا امتحاں کیجئے
عذاب ایزدی جانکاہ ہے مانا بس ارمون
خدا کے واسطے ذکر ستمائے بتاں کیجئے

جو پس ذبح بھی ہر دم دم صیاد بھرے
چارہ گراں کی خطا کیا مرے تن میں نہ رہا
خون اتنا کہ سر نشتر نضاد بھرے

اجل سے خوش ہوں کسی صرح ہو وصال تو ہے
نہ آئے نقش پہ وہ پر پہ احتمال تو ہے
ذرا تھم اے دل مضطر کہ فکر وصل کروں

کرتا ہے قتل عام وہ اغیار کیلئے دس بیس روز مرتے ہیں چار کیلئے
دل عشق تیری نذر کیا جان کیونکہ دیا رکھا ہے اُس کو حشر دیدار کیلئے
چلنا تو دیکھنا کہ قیامت نے ہی قدم طرز خرام دشوخی رفتار کے لئے
جینا امید وصل پہ ہجراں میں سہل تھا مرتا ہوں زندگانی دشوار کے لئے

شب قلق نہ سہی خواب ہے خیال تو ہے
کہاں تک گلہ ہائے تغافل قاتل
ہم آپ کا رٹا میں آخر یہ سر د بال تو ہے
جفا کے بار کو سو نیا معاملہ اپنا
اب آگے ہونہ ہو امید انفعال تو ہے

کہاں تک م بخود رہے نہ ہوں کیجئے نہ ہاں کیجئے
کہاں تک کھائے عم کب تک ضبط فغاں کیجئے
عدو کے دم سے تکتا ہوں بزم غیر میں ہر سو

شب فراق میں بھی زندگی پہ مرتا ہوں
کہ گو خوشی نہیں ملنے کی پر ملال تو ہے
عبث ترقی فن کی ہوس ہے مومن کو

زیادہ ہوئے گا کیا اس سے بیشال تو ہے
سے حضرت مومن یہ جو ہر ارشاد بھولے سے بھی اب ذکر بتوں نہ کریں گے

(ق)

تلی دم واپسین ہو چکی ہیں ہو چکے جب نہیں ہو چکی
تلق کشتہ سخت جانی ہے پھر امید اجل آفریں ہو چکی
بلاؤں سیہ روز کو بزم میں شب عیش اسے مرجین ہو چکی
خیال اجل سے قسلی کردں وہ طانت بھی جاں نازین ہو چکی

نہ کٹی ہم سے شب جدائی کی کتنی ہی طاقت آزمائی کی
اشک دشمن بہانہ تھا سچ ہے مینے ہی تم سے بیوفائی کی
دام عاشق ہے دلہی نہ ستم دل کو چھینا تو دلربائی کی
گر نہ بگڑو تو کیسا بگڑتا ہے مجھ میں طاقت نہیں لڑائی کی
گھر تو اُس ماہ و ش کا دور نہ تھا لیک طالع نے نارسائی کی
مرگے پر ہے بے خبر صیاد اب تو قح نہیں رسائی کی
مومن آؤ لکھیں بھی دکھلا دوں سیرت خانے میں خدائی کی

نہ بدر ناصیہ فرسائی سے کیا ہوتا ہے

دہی ہوتا ہے جو قسمت کا لکھا ہوتا ہے
جو کے آذر وہ پشیاں ہوں کہ میں جس سے کہوں
دہی کہوے کوئی ایسے سے خفا ہوتا ہے

ہو نہ بتیاب غم بھرتیاں میں مومن

دیکھ دو دن میں بس اب فضل خدا ہوتا ہے

شب تم جو بزم غیر میں آنکھیں چہرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

کیونکر کہیں منت اعدا نہ کریں گے کیا کیا کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے
ہنس ہنس کے وہ مجھے ہی قتل کی بہا اس طرح سے کرتے ہیں کہ گویا نہ کریں گے
بیاد اجل چارہ گوگر حضرت عیسیٰ اچھا بھی کریں گے تو کچھ اچھا نہ کریں گے
دیوار کے گر پڑتے ہی اٹھنے لگے طوفان اب بیٹھ کے کونہ میں بھی رو یا نہ کریں گے
ناصر کف افسوس نہ مل چل چھو کیا کا پامال کریں گے وہ مجھے یا نہ کریں گے

گر ذکر وفا سے ہی غصہ ہے تو اب گونہ کا وعدہ ہو تو تقاضا نہ کریں گے

توبہ ہے کہ ہم عشق بتوں کا نہ کریں گے وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا نہ کریں گے

بوجھا کسی پہ مرتے ہو اور دم نکل گیا
ہم جان سے عناں بہ عنان صدا گئے
اے آب اشک آتش عنصر ہے دیکھنا
جی ہی گیا اگر نفس شعلہ زائے گئے
واعظ کے ذکر مہر قیامت کو کیا کہوں
عالم شرب وصال کے آنکھوں میں گئے
تا بندہ و جوان تو بخت رقیب تھے

ہم تیرہ روز کیوں غم ہجراں کو بھاگے
اے مومن آپ کب سے ہوئے بندہ بتاں

بارے ہمارے دین میں حضرت بھی آگے

پھر کچھ صدائے پاسے دل مردہ جی اٹھا

پھر جلوہ ریز کون قیامت خرام ہے

خود رفتگی میں چین وہ پایا کہ کیا کہوں
غبت جو مجھ سے پوچھو تو بہتر وطن ہے
کیا کیا جواب شکوہ میں باتیں بنا گیا
لوا ب بھی دل درست اسی لٹکن ہے

پھر دردی بتاں میں نہیں خواب کا خیال

مومن مرے بھی دین میں سونا حرام ہے

یو فانی کا عدد کے ہے گل لطف میں بھی وہ ستارے ہیں مجھے
حیرت حسن سے یہ شکل بنی ہو کہ وہ آئینہ دکھاتے ہیں مجھے
ب یہ صورت ہے کہ اے پردہ نش تجھ سے احباب چھپاتے ہیں مجھے
بھونک دے آتش دل داغ مرے اسکی خویا دلاتے ہیں مجھے
مومن و دیر خدا خیر کرے طور بیڈب نظر آتے ہیں مجھے

مجھے چپ لگی مدعا کہتے کہتے دیکھ میں وہ کیا جانے کیا کہتے کہتے
شب ہجر میں کیا ہجوم بلا ہے زبان تنک گئی مر جاتے کہتے کہتے
چلے تم کہاں میں نے تو دم لیا ہے نشانہ دل زار کا کہتے کہتے کہتے

یون بنا کر حال دل کہنا نہ تھا بات بگڑی میری ہی تقریر سے
لے گئی جاں یا در دل ہلے وصل گھر مرا ویراں ہو ا تعمیر سے
اے صنم مومن ہوں آخر کس طرح مجھ کو تسکین ہو تری تصویر سے

پھر دل ہے داغ مطلع خورشید دیکھ کر

از بسکہ یاد جلوہ بالائے بام ہے
اس آہوے رمیرہ کو پھر ڈھونڈتا ہوں دل

ہم حال کے جائیں گے سنو کہ نہ سنو اتنا ہی تو بیاں صحبت ناصح کا اثر ہو
وہ ذبح کرے اور بیان جان نفا ہو ایسے سے نبھیوں یہ ہمارا ہی جگر ہے
دل کھول کے مل بیچے مومن صنموں اس سال میں گر سوے حرم عزم سفر ہے

رم کردہ شوق وصل پھر اک صید ام ہے
پھر آگیا ہے کون سے بدیاک کا خیال
یہ کیا ہوا کہ رخصت ناموں و نام ہے
پھر کس نے غیر کو نہ دیا ناز سے جواب

دل میں اُس شوخ کے جو راہ نہ کی ہنسنے بھی جان دی پر آہ نہ کی
کون ایسا کہ اس سے پوچھے کیوں پرسش حال داد خواہ نہ کی
تھا بہت شوق وصل تو نے تو کئی اے حسن تاب گاہ نہ کی
تاب کم ظرف کو کہاں تم نے دشمنی کی عدد سے چاہ نہ کی
گریہ آہ بے اثر دد نوں کس نے کشتی مری تباہ نہ کی

پھر خواہش پیام اجل کا پیام ہے
دیکھا نگاہ ناز سے کس شوخ چشم نے
بہر مصطرب نظر کو جہاں نیم گام ہے
پھر کس ستم شعار نے پوچھا ہے میرا حال
پھر ناصحوں کو کیوں خطر اتمام ہے

تھا مقدر میں اُس سے کم ملنا کیوں ملاقات گاہ گاہ نہ کی
دیکھ دشمن کو اُنٹھ گیسابے دید میرے احوال پر نگاہ نہ کی
مومن اس ذہن بے خطا پر حیف فکر آرزو شش گناہ نہ کی

وہ سادہ ایسے کہ سمجھے وفا شعار مجھے
نواب ترک صنم سچ سہی دے مومن
یہ کیا سبب کہ سناتے ہو بار بار مجھے

نہ آسمان کا سُخ پھیر دوں جد ہر چاہوں

دیا ہے کیا پیمش دل نے اختیار مجھے
وہ شام وعدہ جو آنکھ تو تجھ دوسرست
ربا وصال میں بھی وہی انتظار مجھے
نمودہ بات کہ جس سے وفا میں آئے نفل
کہیں نہ کیجیو ناصح سے شرمسار مجھے
بقدر بوشن تڑپنے کو تھا دے پس قتل

وہ بیقرار ہوئے آگیا قرار مجھے
امید مرگ پہ فتنہ راحت جاں ہے
شب فراق میں کیا بیم روزگار مجھے
اگر حساب وفا امتحاں کے بعد نہ ہو

قبول عذر ستمائے بیشمار مجھے
رتیب کھائے قسم تو وفا کا آئے یقین

تو میری جان ہے کیا نیر اعتبار مجھے
پس شکستن خم زجر محتسب معقول

گناہگار نے سمجھا گناہگار مجھے
نہ کام زور سے نکلا نہ غمزد کام آیا

ہیں اب تو چین دے اد شوق ہر نہ کار مجھے
ہر آن آن دگر کا ہوا میں عاشق زار

وہ بلا مقلی شب غم سکون جاں کے لئے

سخن بہانہ ہوا مرگ ناگہاں کے لئے
خلان وعدہ فردا کی ہم کو تاب کہاں
اسید یکشبد ہے یا س جادواں کے لئے
نین نہ آپ تو ہم بواہوس سے حال کہیں
کہ سخت چاہئے دل اپنے راز داں کے لئے
حجاب چرخ بلا ہے ہوا کرے بیتاب

فغاں اثر کے لئے اور اثر فغاں کے لئے
ہے اعتماد مرے بخت خفستہ پر کیا کیا
وگر نہ خواب کہاں چشم پاسبان کے لئے
مزہ یہ شکوے میں آیا کہ بے مزد ہو وہ

میں تلخ کام رہا لذت زبان کے لئے
لے رتیب سے وہ جب سنا وصال ہوا

دریغ جان گئی ایسے بدگماں کے لئے
کہاں وہ عیش اسیری کہاں وہ ہن قفس

ہے بیم برق بلا روز آشیان کے لئے
جنون عشق ازل کیوں نہ خاک راہیں کہ ہم

جہاں میں آئے ہیں دیرانی جہاں کے لئے
بھلا ہوا کہ وفا آزماسم سے موسے

ہیں یہی دینی تھی جہاں اُس کی کمیتاں کے لئے

یہ حالت ہے تو کیا حاصل بیاں سے

کہوں کچھ اور کچھ نکلے زباں سے
شب وصل آپ کا عذر نزاکت
بجائے پر نہ مجھ سے نیم جاں سے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
موسے آغاز الفت میں ہم فسوس
جفا سے تھک گئے تو یہی نہ پوچھا
وہ سوتے بے ججا بانہ رہے اور
کہا اس بت سے مر تاہوں تو موسیٰ

مرے گھر آپ یوں جاتے تھے کُن
وہ آئے ہیں بچیاں لاش پر آب
نہ بولنگا نہ بولنگا کہ میں ہوں
نہ بجلی جلوہ فرما ہے نہ صیاد
بُرا انجام ہے آغاز بد کا
خدا کی بے نیازی ہائے موسیٰ

اٹھانا مدعا ہے آستان سے
تجھے اے زندگی لاڈل کہاں سے
زیادہ بدگمانی اس بدگماں سے
نکل کر کیا کریں ہم آشیاں سے
جفا کی ہو گئی خواستہاں سے
ہم ایساں لائے تھے ناز بتاں سے

نہ لفظ اس سے نہ یاری آسمان سے
جفا بہر عدد ولاڈل کہاں سے

یادہ ناب۔ شہر بارغیات فارسی میرولی المصباح فی عصر
مطالعہ فطرت مجلہ فلسفہ و تحقیق اسلام پر ایک مختصر تصنیف عصر
عروس ادب حضرت ہوش ملائی کے مصنفین کا مجموعہ عمار
سالومی اسکرا املہ کا نہایت مشہور ڈراما ترجمہ مجنون راجپوت
قیمت صرف ۱۲
شمکد ان فصاحت عربی فارسی اردو کے بہترین علمی ادبی
تاریخی لطائف عمر
تذکرہ طبع شاہ نجف نہایت مشہور برگزینہ تاریخی حالات
جہاں آرا سیم ہزاروی جہاں آرا نہایت شاہجہاں کی نہایت
مستند تاریخ قیمت ۸
بندگی امام ابن تیمیہ کی مشہور کتاب ”العبودیت“ کا
بیشل ترجمہ حقائق دینی و تصوف کی بیخبر کتاب قیمت عمار
کاس الکرام عمر خیام کے مفصل حالات زندگی اور مکمل
شرح اس موضوع پر پہلی کتاب ہے قیمت صرف ۵
خلق عظیم یعنی خلائی مضامین پر حادیث نبوی کا ایک مکمل مجموعہ
فتنہ خلق قرآن امام عبدالعزیز بن علی کی کتاب ”الحجۃ“ کا
ترجمہ سکہ قرآن کے متعلق ایک بیخبر محکمہ قیمت صرف ۱۰
لسان الغیب حافظ شیرازی کی سوانح عمری ادب ان کے

بہترین شرح جلد اول سے جلد دوم عمار
یا دگار غالب۔ ترجمہ شمس الما خواجہ الطاف حسین حالی پانچویں
کلیات نظم حالی شمس الما حالی کے تمام منظوم کلام قیمت عمار
نقش از رنگ جلال الدین صاحب کی غزلوں کا مجموعہ عمار
الغفار و قیام کل پر دو حصہ مع نقشہ دیباچہ سلام علامہ سید
سیرت حضرت عمر فاروق پر مشہور کتاب ہے قیمت صرف عمار
شہاب کی مرکز شہرت مولانا نیاں کا بیشل فسانہ عمر
تاریخ دو لیتین عربی زندان کے تاریخ نگار، سلامی کا ترجمہ
قیمت صرف عمار
صحاسیات عہد سعادت کی ۵۰ خواتین کے مستند حالات
قیمت صرف عمار
جدبات بھاشا از مولانا نیاں ہندی شاعری کے بیشل نمونے ۱۲
دیوالی ولی دھنی اردو شاعری کے ابوالبابا کا مجموعہ کلام عمار
کلیات وفا را پیوری اس عہد کے بہترین غزل گو و فکا
اردو فارسی کلام قیمت عمار
ایک شاہ کا انجام حضرت نیاز کا بیشل نہایت قیمت ۱۲
انتخاب ادب و صریح شہادۃ کے اردو صریح کا انتخاب عمار
”مینیچنگار لکھنؤ“

(پہلے صفحہ ۸)

اور کیسے بالکل سادگی پر مشتمل:۔ وہ آئے ہیں پشیمان لاش پر آب تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

پہلے مصرعہ میں لفظ پشیمان سے یہ بات ظاہر کی گئی ہے کہ کہنے والا مرچکا ہے، لفظ اب سے نتیجہ کا بے معنی ہونا ظاہر کیا ہے اور دوسرے مصرعہ سے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ وقت ایسا تھا کہ میں پھر زندہ ہوتا اور تیری پریشانی سے فائدہ اٹھاتا، کیونکہ اس کے بعد ممکن ہے تو میری محبت کی قدر کرتا لیکن اس میں ایک اور لطیف مفہوم مومن نے پوشیدہ رکھا ہے، کتاب ہے ”تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے“ کیونکہ زندگی کی خواہش کیجاتی ہے، اس لئے کہ میری لاش پر پشیمان آیا ہے اور یہ منظر ایسا ہے کہ مجھ کو اس پر اپنی جان نثار کر دینی چاہئے، مومن زندگی اس لئے نہیں چاہتا کہ وہ اُس سے زندگی کا لطف اٹھائے بلکہ محض اس لئے کہ محبوب کی اس ادائے انفعال پر اس کو نثار کر دے مومن کا ایک مخصوص انداز بیان جو غالب کے ہاں کمتر اور دوسرے شعرا کے ہاں بالکل نہیں پایا جاتا، کسی واقعہ کے بیان میں درمیانی کڑیوں کو چھوڑ جاتا ہے۔ وہ تمام حالات یا واقعات کو سلسلہ کے ساتھ نہیں بیان کرتا بلکہ کوئی کوئی بات لیکر انھیں منسلک کر دیتا ہے اور درمیانی کڑیوں کو ملانے کی خدمت ذہن سامع کے سپرد کر دیتے ہیں پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سننے والا نہایت آسانی کے ساتھ اُس خدا کو پر کر کے مفہوم تک پہنچ جاتا ہے جیسے:۔

جیب درست لایق لطف و کرم نہیں ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں

مدعا یہ ہے کہ ناصح کتاب ہے اپنی جیب و گریبان کی حالت درست کر لوں لیکن اس کی دوستی بھی عداوت سے کم نہ کہ اگر اس کے کہنے پر عمل کر کے چاک جیب و داماں میں رفو کر لوں گا تو پھر محبوب کے لطف و کرم کا اہل کیونکر اپنے آپ کو ثابت کر سکوں گا اس شعر میں یہ کھڑا کہ ”ناصح ایسا ایسا کتاب ہے“ بالکل بخیر و فہم ہے۔

اسی زمین کا دوسرا شعر ہے:۔

بے جرم پا مال عدو کو کیا کیا مجھ کو خیال بھی تری سرکشی تم نہیں

اس شعر میں اور زیادہ محذوفات ہیں اور ایک پوری داستان کی داستان بیان کی ہے۔ مومن محبوب کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں نیاز عشق کو پیش کر رہے ہیں، محبوب جس نے عدو کو بے جرم پا مال کر دیا ہے، مومن کی طرف مائل تو ہے لیکن اس خیال سے کہ مومن کو عدو کی بے جرم پامالی کا حال معلوم ہو گیا ہے کچھ رک رک کر مل رہا ہے اس خیال سے کہ مومن اس واقعہ کے علم کے بعد ممکن ہے التفات کی قدر نہ کرے یا بدظن ہو جائے۔ مومن محبوب کی اس کیفیت کا اندازہ کر کے یہ خیال اس کے دل سے نکالتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر میرے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا تو مجھے کوئی پروا نہ ہوگی تم التفات کرو خواہ اس کا نتیجہ وہی کیس نہ ہوں جو عدو کو بے جرم پامالی کی صورت میں برداشت کرنا پڑا۔

دکھاتے آئینہ ہوا در مجھ میں جان نہیں کہو گے بھر بھی کہ میں تجھ کو بدگما نہیں
 اس شعر کا سمجھنا اس علم پر موقوف ہے کہ جب کسی کو سکتہ ہو جاتا ہے یا کسی کی موت کے متعلق پورا یقین کرنا ہوتا ہے تو اس کے
 چہرہ کے قریب آئینہ لگاتے ہیں کہ اگر ذرا بھی سانس ہوگی تو آئینہ پر غم پیدا ہو جائے گا اور اس طرح حال معلوم ہو جائے گا کہ واقعی مر گیا ہے یا نہیں
 کبھی خلا پورا کرنے کے لئے بہت زیادہ غور کامل اور فکر عمیق کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً:-
 کیا رم نہ کرو گے اگر اہرام نہ ہو گا الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہو گا

عدد اس انج پر شاکی شاید غصہ آجائے ملا دے خاک میں یہ تو بھی شکر آسمان کیجئے

کیا گلے ہوتے گرد دروں پہ بھی رحم آجاتا شکر صد شکر کہ میرا ستر ا دل نہ ہوا

کس دن تھی اُس کی دل میں محبت جوابتیا سچ ہے کہ تو عدد سے خفا بے سبب ہوا

تھی کمین غارت بوس ہن ہنگام خواب شب کی بیداری سحر کا خواب ہزن ہو گیا

قلق کشتہ سخت جانی ہے پھر امید اجل آنریں ہو چکی

مومن کبھی کسی بات کو معمولی طریقہ پر ادا نہیں کرتے اور اپنے مدعا کو ایک خاص پُر لطف پیچ سے ظاہر کرتے ہیں اور اس خصوصیت
 سے اُن کا سارا دیوان بھرا پڑا ہے

مثلاً انھیں یہ کہنا تھا کہ ناصح کی نصیحت بالکل بے اثر چیز ہے اس کو اس طرح بیان کیا:-

بات ناصح سے کرتے ڈرتا ہوں کہ نفال بے اثر نہ ہو جائے

مومن کا محبوب بھی انھیں کی طرح ہے کہ جب وہ مومن کو تڑپتے ہوئے دیکھ طعن کرنا چاہتا ہے تو غیر کے صبر و سکون کا ذکر کرتا ہے

شعر ملاحظہ ہو:-

صبح سے تعریف ہی صبر و سکون غیر کی کس نے شب مجھ کو تڑپتے پیش در دکھلادیا

مومن کو یہ کہنا مقصود ہے کہ محبوب انکا ذکر کرنا ہی نہیں چاہتا خواہ وہ برائی سے کیوں نہ ہو اُس کے اظہار کے لئے تلاش مضنون ملاحظہ ہو

ذکر کر بیٹھے بُرائی ہے سے شاید میرا اب وہ اغیار کی صحبت سے حذر کرتا ہوں

ایک جگہ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ شبِ فرقت میں خود اپنے آپ کو ہلاک کر دینا لیکن ملاحظہ ہو اس پامال مضمون کو کس رعنائی کے ساتھ بیان کیا ہے :-

دشمن چھین لگا کیا ہمنشینِ شبِ فرقت آپ جب نہیں اپنے کون میری جان اپنا
اسی زمین کا ایک شعر ہے جس میں یہ ظاہر کیا ہے کہ ہم نے اس کو چہ میں اتنا زمانہ صرف کر دیا کہ شہر کی حالت بالکل بدل گئی :-
بعد مدت اُس کو سے یوں پھر دنگ آ کر جائے جاتے پھرتے ہیں پوچھتے مکانِ پنا
مدعا یہ کہنا ہے کہ ہماری ہر تحریر وہ دشمن کو دکھلا دیتا ہے، اس کو اس طرح ظاہر کیا :-

رازدناں زبانِ غیاث تک پہونچا کیا ایک بھی ہمارا خط یا رتک نہ پہونچا
یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ غیر کی تیشِ دل صحیح نہیں ہے بلکہ وہ صرف اس کی نمائش کرتا ہے اس کو یوں لکھتے ہیں :-
مانے نہ مانے منع تیشِ دل کردوں میں غیر تو نہیں کہ تماشائے دل کردوں
مومن اپنے محبوب سے صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اغیار سے سرگوشیاں نہ کیلیجئے اس کو اس طرح ادا کرتے ہیں :-
غیر سے سرگوشیاں کر لیجئے پھر ہم بھی کچھ آرزو ہائے دل رشک آشنائے کو ہیں

مدعا یہ کہنا ہے کہ تمھاری خود بینی جتنی بڑھتی جاتی ہے اس سے زیادہ میری دار فکلی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اس کے لئے مومن نے جو قیامت خیز انداز بیان اختیار کیا ہے، ملاحظہ ہو :-

خود بینی و بخود دی میں ہے فرق میں تم سے زیادہ کم نما ہوں کو
محبوب کی بے التفاتی یا دشمنی عاشق کی موت ہوتی ہے، کہیں مومن اس کو اپنی زندگی کا سبب بتاتے ہیں، توجیہ ملاحظہ ہو :-
ہیں آرزو سے مرگ کی بے التفاتیاں جینا مرا محال تو دشمن اگر نہ ہو
مومن کے ذہن ہی میں یہ بات نہیں آ سکتی کہ سوائے کاشائے محبوب کے کعبہ کوئی اور ہو سکتا ہے، انداز بیان ملاحظہ ہو :-
مومن سو شرق اس بت کا فر کا تو گھر ہے ہم سجدہ کدہ کرتے ہیں اور کعبہ کدہ ہر
گریباں کے چاک کی وسعت کو ظاہر کرنا تھا تو اس کے لئے یہ انداز بیان اختیار کیا :-

دست جنوں کے جائے صدقہ کہ چین سے بھیلانے پاؤں ہم نے گریباں کے چاک میں

الغرض مومن کا یہ انداز بیان ان کے کلیات میں ہر جگہ نظر آتا ہے اور کوئی غزل اس رنگ سے خالی نہیں ہے۔ مومن فارسی ترکیبیں استعمال کرنے میں بھی خاص ملکہ رکھتے تھے اور اس باب میں جو چیز انھیں غالب سے ممتاز کرتی ہے، وہ ترکیبوں کی نزاکت ہے نہ کہ ان کا اغلاق۔

غالب کی فارسی ترکیبوں میں اشکال لفظی کے ساتھ وقت معنی پیدا ہوتی ہے برخلاف مومن کے کہ ان کے ہاں ترکیبوں کی لطافت کیساتھ مفہوم وسیع ہو جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مومن وغالب دونوں نے فارسی ترکیبوں کے استعمال میں عربی و بیدل کا متبع کیا اور بہت سی ترکیبیں وہی یا اسی نوع کے اختیار کیں جو عربی و بیدل کے ہاں پائی جاتی ہیں، لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ اس باب میں مومن کو نہ صرف ادبیت باکل افضلیت حاصل ہے اور غالب کے نقوش نقش ثانی کا حکم رکھتے ہیں گو ”بہتر ز اول“ نہ ہوں۔ ہر چند غالب کے اردو کلام کا بڑا حصہ محض انہیں ثقیل ترکیبوں کی وجہ سے حذف ہو چکا ہے لیکن موجودہ نسخہ میں بھی جا بجا ان کی مثالیں نظر آتی ہیں۔ مومن کے ہاں یہ ترکیبیں ان کے کلام میں اس قدر حسن و لطافت کے ساتھ ملی ہوئی ہیں کہ نہ خود غالب کی طرح مومن کو ان کے حذف کرنے کی ضرورت پڑی اور نہ دنیا ان کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ ہر چند غالب کے اس شعر سے کہ :-

طرز بیدل میں رنجتہ لکھنا
اسد اختر خان قیامت پر

یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ غالب نے بیدل کو سامنے رکھ کر فارسی ترکیبیں استعمال کیں، لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ اس کی تحریک پیدا ہوئی مومن کے کلام کو دیکھ کر۔ پھر چونکہ غالب اپنی نظرت کی بنا پر یہ نہ چاہتے تھے کہ لوگ مومن کا متبع سمجھیں اس لئے انھوں نے اس میں بہت زیادہ گہرا رنگ پیدا کرنا چاہا اور اس طرح کلام مومن سے امتیاز پیدا کرنے کی کوشش میں اول اول ان کے قلم سے اس قسم کے شعرا کلمے جو باوجود ثقل تراکیب کے کوئی مذمت مفہوم نہ رکھتے تھے مثلاً :-

جراحت تحفہ الماس رخاں اغ جگر ہدیہ
مبارکباد سد غمخوار جان در دمندا یا

جز قیس کوئی اور نہ آیا بر فے کار
صحرا مگر تنگی چشم حسود تھا

دہمکی میں مر گیا جو نہ باب نمبر و تھا
عشق نمبر و پیشہ طلبگار مرد تھا

شمار بچہ مرغوب بت مشکل پیدا یا
تماشائے بیک کف برون دل پیدا یا
بیض بیدی نو میدی جاوید آساں پر
کنشائش کو ہمارا عقدہ مشکل پیدا یا
ہوا سیر گل آئینہ بے مہری قاتل
کہ انداز بخوں غلطیدن بھل پیدا یا

شب شمار شوق ساقی رستخیز اندازہ تھا تاج محیط بادہ صورت خانہ حمیازہ تھا
 یک قدم دشت سے درس دفر امکان کھلا جادہ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا
 مانع دشت خرمیہا کی لیسے کون ہو خانہ مجنون صحر اگر دے دروازہ تھا

لیکن جب انھوں نے محسوس کیا کہ یہ انداز شاعری نہ محمود ہے نہ مقبول تو مجبوراً انھیں پھر مومن ہی کی سطح پر آنا پڑا اور اس میں شک نہیں کہ غالب اس میں بہت کامیاب ہوئے ذیل کے اشعار کو اگر آپ مومن کے اشعار میں ملا دیجئے تو امتیاز دشوار ہو جائے گا:-

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا نہ ہو مرنا تو جینے کا مر کیا
 نواز شہائے بجا دیکھتا ہوں شکایت ہائے رنگیں کا گلا کیا
 نگاہ بے محابا چاہتا ہوں تغافل ہائے تمکین آزا کیا
 دماغ عطر پیرا ہن نہیں ہے غم آوار گیسائے صبا کیا
 یہ قاتل وعدہ صبر آزما کیوں یہ کافر قتلہ طاقت ربا کیا

مومن کے ہاں قسم اول کا اغلاق مفہوم یا ثقل ترکیب تقریباً مفقود ہے ان کے ہاں باکل عرفی کی سی شگفتگی پائی جاتی ہے اور کہیں کہیں وہ عرفی سے پورا استفادہ بھی کرتے ہیں۔ عرفی کے قصیدہ کا ایک شعر ہے:-

دراں دیار بہ سودار و دلم کہ دہند جوے ملال بہ عمر ابد بہ بسیاری

مومن لکھتے ہیں:-

اہل بازار محبت کا بھی کیا سودا ہے عشرت عمر ابد قیمت غم دیتے ہیں
 ذیل کی چند مثالوں سے مومن کی فارسی ترکیبوں کا صحیح رنگ معلوم ہو جائیگا:-
 دیتے تکلیف شب ہجر میں آہ اپنی پاس نقد جاں پیشکش مرگ کے قابل نہ ہوا

یہ عذر امتحان جذب ل کیسا نکل آیا میں الزام اُن کو دیتا تھا قصور اپنا کھل آیا

سرشاک عطر اض عجز نے الماس نیری کی جگر صد پارہ ہوا اندیشہ خوں گشتہ طاقت کا
 عنایت کر مجھے آشوب گاہِ شجر غم ایکدل

خالص زعفران کا رخا نہ صفر علی محمد علی تاجر عطر چوک لکھنؤ سے خرید کیجئے

..... نہ پوچھو گرمی شوقِ شنا کی آتشِ فروری

گرد ہاں بھی یہ خموشی اثرِ افغاں ہوگا حشر میں کون مرے حال کا پر ساں ہوگا

لگی نہیں ہے یہ چپ لذتِ تم سے کہ میں حریفِ کشمکشِ نالہ و فغاں نہ ہوا

کیا مجھ میں دم بھی لینے کی طاقت نہیں ہے کیوں شورِ نالہ ہاے عزا یا ر کم ہوا

پہونچے وہ لوگ مرتبہ کو مجھے شکوہِ بختِ نارسا نہ رہا

کیون جو متصل سے ترے غیر کھنچ گئے میں کیا حریفِ کشمکشِ دمبدم نہ تھا

شعلہٴ دل کو نازِ تابش ہے اپنا جلوہ زرا دکھا دینا

بیکاری اُمید سے فرصتِ ہر راتِ دن وہ کاروبارِ حسرتِ حرماں نہیں رہا

..... از بس دماغِ عطر گریباں نہیں رہا

صبرِ بعدِ آسائش اس قلق پہ مشکل تھا عیشِ جاوداں نکلا سچ جاوداں اپنا

..... شعلہٴ آہِ فلکِ رتبہ کا اعجاز تو دیکھ

..... اظہارِ شوقِ شکوہ اثر اس سے تھا عبث

..... یہ تشنہ کامی نگہ گرم دیکھنا

ہوش میں آ تو مجھ میں جان نہیں غفلتِ جراتِ آزما کب تک

جرمِ معلوم ہے زلیخنا کا طعنہٴ دستِ نارسا کب تک

غیر سے سرگوشیاں کر لیجے پھر ہم ہی کچھ آرزو ہائے دل دردِ آشنا کہنے کو ہیں

جنگِ مری جہشت پہ ہو کیا حضرتِ ناصح طرزِ نگہ چشمِ فصولِ ساز نو دیکھو

اربابِ مہوس ہمارے بھی جان پہ کھیلے کم طالعی عاشقِ جانِ باز تو دیکھو
جنت میں بھی مومن نہ ملا ہاؤ تہوں سے جو راجلِ تفرقہ پر واز تو دیکھو

ان اشعار میں، اندیشہِ خوش گشتہ، آشوبِ گاہِ حشر غم، گرمیِ شوقِ شنا، خموشیِ اثرِ افغان، نازِ تابش، جو متصل، غفلتِ جراتِ آزما، حریفِ کشمکشِ دمِ دم، شوقِ شکوہ، اثر کی ترکیبیں کس قدر پاکیزہ اور رنگِ تفرل میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ بعض بعض جگہ ثقیل و نامانوس ترکیبیں بھی نظر آتی ہیں لیکن کم محبت میں انسان پر دو کیفیتیں طاری ہوتی ہیں، ایک وہ جس کا تعلق اس خیال سے ہوتا ہے کہ مستحقِ الفت ہیں اور اس کیفیت کے ماتحت جو جذبات پیدا ہوتے ہیں ان میں نیازِ عشق سے زیادہ پندارِ عشق پایا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شکوہ و شکایت، طنز و طعن، جلی کٹی، کی کیفیت زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے، دوسری حالت وہ ہے جب الفت میں ارتقا پیدا ہوتا ہے اور مادی احساسات ”ضعیف ہو کر ایک خاص انداز کی دالمانہ شیفگی، بے غرضانہ فتادگی، خود فراموشانہ، بودگی پیدا ہو جاتی ہے اور پھر اس وقت محبت، خیال، شوق، آرزو، بیان، غرض ہر چیز میں ایک بلند قسم کی سادگی پائی جانے لگتی ہے اور اس میں کلام نہیں کہ بلند عیار کی غزل، اسی کیفیت کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔

مومن کی شاعری کا مختصر غالب وہ ہے جو قسم اول کی کیفیت سے متعلق ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی عاشقانہ زندگی کا اکثر حصہ اسی ”عہدِ پندار“ سے وابستہ رہا ہے، لیکن تجسس و تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی ان پر دوسری قسم کی بھی کیفیت طاری ہوئی تھی اور اس کیفیت کے ماتحت جو کچھ انہوں نے لکھا ہے وہ یہاں ہی ہے جیسا اُسے ہونا چاہیے اور اُس کو بڑھنے کے بعد ہم اس فضا میں پہنچ جاتے ہیں جہاں سے تیر و دو کی شاعری کے حدود شروع ہوتے ہیں۔ غالباً ناموزوں نہ ہوگا اگر مثلاً چند اشعار یہاں درج کئے جائیں:-

بھوڑا تھا دل نہ تھا ایہ مود پر خلل گیا جب ٹھیس سانس کی لگی دم ہی نکل گیا
اس کو چپکی ہو تھی کہ میری ہی آہ تھی کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا

دیدہ حیران نے تماشا کیا دیر تک وہ مجھے دیکھا کیا

وہ حال زار ہے میرا کہ گاہِ غیرِ سب بھی مختارے سامنے یہ ماجرا بیاں نہ ہوا

کچھ تہیں اور میں ہی نہیں سب کے سب ہو اچھا تو دردِ عشق کا بیمار کم ہوا

بخت بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانپا ٹھٹھا ہوں تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے

دیوار کے گر پڑتے ہی اٹھنے لگے طوفان اب بیچھ کے کونے میں بھی رو دیا نہ کر سینگے

اب یہ صورت ہے کہ اسے پردہ نشیں تجھ سے احباب چھپاتے ہیں مجھ سے

ہم بھی کچھ خوش نہیں دفا کر کے تم نے اچھا کیا، نباہ نہ کی

بقدر جوش تڑپنے کو تھا دے پس قتل وہ بیقرار ہوئے آگیا قرار مجھے

انتخاب بالا پر سب سے سی نگاہ سے بھی یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ مومن کے ان اشعار میں جن جذبات کا اظہار کیا گیا ہے وہ اُن سے بہت مختلف ہیں جو ان کے دوسرے اشعار میں پائے جاتے ہیں۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ مومن کا اصلی رنگ یہ نہیں ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں ہو سکتا کہ اگر ان کی محبت اگر ذرا اور بلند ہو جاتی تو پھر آج یہ جستجو نہ ہوتی کہ اردو شاعری میں دوسرا میر کون ہو سکتا ہے، مومن کا کلیات مطالعہ کرنے کے بعد ایک شخص اس نتیجہ پر پہنچنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ اُن کی محبت کا ہدف اگر شاہد ان بازاری کا طبقہ نہ تھا تو اس کا استعمال ضرور یہاں ہو سکتا تھا اور ایک عام کیفیت جو کلام مومن کے مطالعہ کے بعد انسان پر طاری ہو سکتی ہے اس کا تعلق کچھ اسی قسم کے جذبات سے ہے۔ یہاں تک کہ اگر واقعی کوئی شخص اس کو چہ سے نابلد ہو تو بھی اس کے اندر اس قسم کی تحریک پیدا ہو سکتی ہے اور اگر نابلد نہ ہو تو پھر وہ اپنی کیفیات کے اندر جس قدر لطف کلام مومن سے پیدا کر سکتا ہے اس کی کوئی حد پایاں نہیں ہے مومن کے ہاں تشبیہات تقریباً مفقود ہیں، استعارات ہیں لیکن زیادہ نہیں کنایہ کی افراط ہے اور پوری تکمیل کے ساتھ، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جو کیفیات تشبیہات کے ذریعہ سے پیدا کی جاسکتی ہیں ان کا بھی فقدان ہے مثلاً محبوب کی آواز کی تعریف ایک جگہ انھوں نے اس طرح کی ہے۔

شام یارب عریں پر گراں نہیں اسے آنفس نزاکت آواز دیکھنا

اس شعر میں کوئی تشبیہ و استعارہ نہیں ہے لیکن نزاکت آواز کا بیان جس انداز سے کیا گیا ہے اس میں وہی بلکہ اس سے زیادہ

اثر موجود ہے جو ایک تشبیہ کے ذریعہ سے پیدا کیا جاسکتا ہے۔ دوسری جگہ اس سے بلند ہو کر انھوں نے تشبیہ بھی دی ہے لیکن وہ تشبیہ بھی کیفیاتی ہے۔

شعلہ سا چمک جائے ہو آواز تو دیکھو

الغرض مومن نے اپنے سارے کلیات میں سوائے حکایات حُسن و عشق کے اور کسی چیز سے سروکار نہیں رکھا اور اس سلسلہ میں جتنے پہلو گفتگو کے محل سکتے ہیں یا جس قدر تلخ و شیریں تجربات حاصل ہو سکتے ہیں وہ سب کے سب کسی نہ کسی صورت سے اُن کے کلام میں پائے جاتے ہیں اور ان کا یہ رنگ تفضل اس قدر گہرا تھا کہ قصاید تک اسی کیفیت سے بہرہ نرہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ اشعار کسی قصیدہ کے ہیں

تم اور حسرت ناز آہ کیا علاج کروں
میں نیم جاں نہ رہا امتحان کے قابل
چلا ہی جاتا ہوں میں گو چلا نہیں جاتا
غضب ہے شوق رسائی و دوری منزل
خدا سے ڈرت بیدرد یہ کیا انصاف
کہ تو جفا سے نہ ہوا اور وفا سے ہوں میں نجل
وہ تند خو کہ اگر جو رسے پشیمال ہو
تو بہر عذر کیسے ناز نہ پاسے تاب گسل

بدگمانی نے دلع سے بھی رکھا محروم آہ
راز دل غیر سے کس طرح میں کرتا اظہار
دہوم ہے تابش خورشید قیامت کی لکڑ
مجھ سے اشار نہ پوچھے گا عذاب شب تار
غیر کو بام پہ آجلوہ دکھایا تم نے
یہ نہ دیکھا کہ پڑا ہے کوئی زیر دیوار
بیم رسوائی و اندیشہ بدنامی سے
کیا کروں کہ نہ سکا و جشتِ دل کا اظہار
شاد شاد آئے عبادت کو دم آخر تم
ایسے بیدرد پہ کرتا ہے کوئی جان نثار
نیک نامی نہ سہی مجھ کو ہر دم سے سروکار
چھوڑ دوں آج وفا گرہ و وفا سے بیزار
وہ جلے محفل دشمن میں جو ہو شمع لقا
مجھ کو چھڑا نہ کرو تم سے کہا ہے سوبار
آپ دیکھا نہ سنا اور سے پر جھرتا نہیں
تیری آنکھیں کھلے دیتی ہیں نہ کرنا انکار

جوش و جشت ہو یہ ناصح نہ پنچا ناز بخیر
دیکھ دیو انہ نہو! میں نہیں پابند رسوم
نوجوان جب کوئی جاتلے جہان بکاشار
تازہ ہوتا ہے تجھے داغ امید مرحوم
کرو یا خواہش بیدار نے احوال تباہ
تو تو ظالم نہیں رہنا رہ میں ہوں مظلوم
جب منایا مجھے اس نے ہی الفت و ہیول
یہ غلط ہے کہ اعادہ نہیں بہر محروم

اسی کے ساتھ جب شوکت الفاظ اور رفعت خیال کی طرف توجہ کرتے ہیں تو بہتر سے بہتر قصیدہ گو شعراء کے صف میں بھی ممتاز نظر آتے ہیں

ملاحظات

بھکار کی یہ اشاعت جیسا کہ اعلان کیا گیا تھا، اشاعت خصوصی ہے مومن و کلام مومن کے لئے اور ہر چند ۶۰ صفحات میں سوا اسی ایک ذکر کے اور کوئی بات موضوع سے الگ نہیں لکھی گئی، لیکن مجھے اب بھی کام ہے کہ مومن کی شاعرانہ خصوصیات کو نمایاں کرنے کی خدمت کسی حد تک ادا ہو سکی ہے یا نہیں۔

مومن کے متعلق کافی مضامین موصول ہوئے، لیکن سوائے ان تین مقالات کے جو شائع کئے جا رہے ہیں اور کوئی قابل اندراج نہ تھا البتہ جناب عشرت رامپوری کا مضمون صرف اس لئے درج نہ ہو سکا کہ جگہ پُر ہو چکی تھی۔ سب سے زیادہ اہم مضمون ہمارے عزیز دوست سید امتیاز احمد بی اے (غلیگ) کا ہے جس میں انھوں نے پوری محنت و کاوش سے مومن کی اردو شاعری کی تمام خصوصیات پر کافی روشنی ڈالی ہے اور وہ ہدیہ محقر جو بہترین مضمون کے لئے بھکار کی طرف پیش کیا جانے والا تھا صاحب موصوف کی خدمت میں پیش کر دیا گیا ہے۔

دوسرا مضمون جناب مرزا جعفر علی خان صاحب بی اے اثر لکھنؤی کا ہے، جو نہ صرف اچھے سخن گو بلکہ بلند نظر سخن فہم بھی ہیں میں مومن ہوں کہ آپ نے باوجود کثرت مشاغل و فقدان فرصت اس بزم میں شرکت منظور فرمائی۔ تیسرا مضمون، صدیق عزیز حضرت آسی کی دماغی جستجو کا نتیجہ ہے آپ نے مومن و غالب کے موازنہ میں بعض اہم جگہ خوب داد و تاویل دی ہے اور مومن کی روح کو خوش کرنے کے لئے ہر امکانی سعی سے کام لیا ہے۔ میں نے اپنے لئے صرف شروع کے آٹھ صفحے خالی رکھے تھے، لیکن بات میں بات بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ملاحظات کے لئے بھی مشکل سے دو صفحہ کی گنجائش نکل سکی۔ چونکہ امتیاز صاحب کا بیض تنقیدی مضمون موجود تھا اس لئے میرا اتمہ ”ایک سرسری نگاہ“ سے زیادہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

تصویر مومن جو شائع کی جا رہی ہے، وہ ہے جو اکتوبر کے رسالہ اردو میں شائع ہو چکی ہے۔ اصل تصویر ایک ایسے شخص کے پاس ہے جو خاندان مومن سے تعلق رکھتے ہیں اور نقاشی ہے خواجہ بد الدین خان عرف خواجہ امان مترجم بدستان خیال کی جو مومن کے نہ صرف عزیز بلکہ ۶۰ بزرگ دوست بھی تھے۔

خواجہ امان دہلی کے مشہور نقاش خاندان محمد فضل کے شاگرد تھے اور خود بھی نہایت مستند نقاش و مصور تھے۔ اس تصویر میں سر سے لیکر سینہ تک کا حصہ بالکل وہی ہے جو اصل تصویر میں پایا جاتا ہے لیکن طریقہ نشست کو بدل دیا گیا ہے کیونکہ دہلی کے مصور تصویر کا

چہرہ لاجواب بناتے تھے، مگر ہات پاؤں ایسے بناتے تھے جیسے لکڑی کے ہوں اس لئے زمانہ موجودہ کے مذاق کا خیال کر کے اُن میں تبدیلی پیدا کر دی گئی ہے۔ یہ بیان ہے جناب مرزا فرحت اللہ بیگ بی لے کا جو مالک ہیں تصویر مومن کے اس لئے تصویر کی صحت میں کلام نہیں ہو سکتا، لیکن میرے نزدیک بہتر ہوتا اگر ہاتھ پاؤں میں بھی کوئی تغیر پیدا نہ کیا جاتا۔

جناب عزیز لکھنوی نے مومن کی جس تصویر کے دینے سے ہکا ر فرمایا تھا، وہ بھی بعد کو دریافت سے معلوم ہوا کہ بالکل یہی ہے، اسلئے مجھے مومن ہونا چاہیے صاحب موصوف کے احتراز کا ورنہ خواہ مخواہ مجھے از سر نو ہلاک ہونے کی رحمت برداشت کرنی پڑتی۔

آئندہ ماد میں جناب آرگس کا ایک مضمون جس میں انھوں نے غالب کو بے نقاب دکھایا ہے قابل ملاحظہ ہوگا۔

جناب امین سلونوی جو اس سے قبل رسالہ نظر لکھنؤ کے فرائض ادارت انجام دے رہے تھے، دسمبر سے نگار کے حلقہ تنظیم میں شامل ہو گئے ہیں اور شروع جنوری سے آپ یہ سلسلہ توسیع اشاعت ہندوستان کے مختلف مقامات کا دورہ کریں گے امید ہے کہ ارباب ذوق اُن کی پزیرائی فراخ دلی کے ساتھ کریں گے۔

میں بے انتہا شرمسار ہوں، ان حضرات سے جن کے مضامین (اور اہم مضامین) اس وقت تک شائع نہیں ہو سکے، خیال کیا یقین تھا کہ اس ماہ کی ضخامت اُن میں بعض کی اشاعت کی متحمل ہو سکیگی، لیکن مومن کی رشک پسند طبیعت نے اجازت نہ دی کہ سوائے اُن کے کسی اور کا ذکر ان کی بزم میں شامل ہو اس لئے میرا وہ ارادہ پورا نہ ہو سکا، تاہم اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ خصوصیت بھی نگار کی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ اس نے اردو کے ایک ایسے شاعر کے متعلق جو باوجود بہترین سخن گو ہونے کے، اس وقت تک حد درجہ کس میرسی کے عالم میں پڑا ہوا تھا، اس قدر معلومات فراہم کر دیں کہ اس سے قبل ایک شیرازہ کے اندر کہیں نظر نہ آ سکتی تھیں۔ کلام مومن کے حصہ غزلیات کا انتخاب بھی اسی لئے دیدیا گیا، کہ ایک شخص کو جنوری کا رسالہ حاصل کرنے کے بعد مومن کے متعلق کسی امر میں تشنگی باقی نہ رہے۔ انتخاب میں ہر ذوق کا لحاظ رکھا گیا ہے اور امید ہے..... کہ پسند کیا جائے گا۔ ہر چند یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ مومن کا ہر اچھا شعر اس میں آگیا ہے، ممکن ہے کہ کوئی رہ گیا ہو لیکن یہ یقینی ہے کہ کوئی خراب شعر انتخاب میں آپ کو نظر نہ آئے گا۔

نیاز فحشوری

۱۹۲۷ء میں اسی جینی کے متعلق ڈیڑھ نگار بادشاہ پسند جینی استعمال فرمائے نے عمدہ دیو کیا تھا۔

جو علاوہ خوش ذائقہ و خوش رنگ ہونے کے دافع امراض عمدہ بھی ہے۔ قیمت فی سیر نمبر و نگار مالک کا رخانہ دارش حسین بادشاہ حسین مارہرہ (ایٹھ) براپنج لکھنؤ۔ کانپور۔ کشن گنج (پورنہ) وغیرہ وغیرہ

دیر پا خوشبو کے عطریات صغریٰ علی محمد علی تاجر عطر چوک لکھنؤ سے خرید کیجئے

دواخانہ شفا فی نظیر آباء و اہل بیت

اپنی کسی دوا کا اشتہار اس وقت تک نہیں دیتا جب تک سیکڑوں مرتبہ اس کا تجربہ نہ ہو چکا ہو اور یہی اعتماد ہے جس کی بنا پر ذرا اعلان کرتا ہے کہ اگر کسی کو تحریر کے مطابق فائدہ نہ ہو تو قیمت واپس ہوگی۔ آپ ہی ذیل کی دواؤں پر غور کیجئے اور اگر ضرورت ہو تو طلب کر کے تجربہ کیجئے اور اپنے دوستوں کو بھی مطلع فرمائے

سفوف اعجاز | صرف نو دن کے استعمال سے تمام ضعیف قوتیں بالکل یقینی طور پر از سر نو واپس آجاتی ہیں اور انسان حیران رہ جاتا ہے قیمت صرف روغن اعجاز | اگر سفوف اعجاز کے ساتھ ۲۱ دن تک اس روغن کا بھی استعمال کر لیا جائے تو بچہ کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ ناقابل بیان ہے صرف اسی روغن کا استعمال بھی اپنی جگہ اکیر کا حکم رکھتا ہے قیمت عمار

خضاب خوردنی | اس وقت بہت سے اشتہارات خضاب خوردنی کے مل رہے ہیں، ہم ان کی سچائی سے بحث نہیں لیکن ہم دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہمارا یہ خضاب صرف ۴ دن استعمال کیا جائے تو ناممکن ہے کہ ایک شخص عمر بھر کے لئے اس کا گردیدہ نہ ہو جائے سیاہ بال نکلنے کے ساتھ ہی اور جو فوٹو اس سے حاصل ہوں گے ان کو ہم لکھ نہیں سکتے قیمت صرف عمار

سفوف نادر | یہ سفوف خاص وقت میں ایک مرتبہ استعمال کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لطف و کیفیت سے غشی کی سی نوبت آجاتی ہے قیمت صرف ۱۲

حبوب شاہی | اس کی ایک گولی کچھ دیر قبل کھا لیجئے اور پھر دیکھئے کہ دواؤں میں کیا کیا طلسمی اثر چھپے ہوئے ہیں ۲۱ گولی شیشی ۶ گولی قیمت عمار

منک اعجاز | یہ بالکل نئی ایجاد ہے اور چودہ دن کے استعمال کے بعد ایک شخص کو معلوم ہو جاتا ہے کہ حقیقتاً جوانی کس چیز کا نام ہے قیمت صرف عمار

الابچی طلسمی | یہ چیز سوائے ہمارے دواخانہ کے کہیں نہیں مل سکتی۔ پان میں معمولی الابچی کی طرح استعمال ہوتی ہے اور چودہ دن کے بعد ایک شخص تمام دواؤں سے بے نیاز ہو جاتا ہے اگر آپ مایوس ہو چکے ہیں تو اس کو منگا کر استعمال کیجئے قیمت عمار

حب بوا سیر | پہلے ہی دن سے فائدہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ بوا سیر خونی ہو یا بادی دونوں کے لئے اکیر ہے صرف بارہ دن استعمال کی جاتی ہے قیمت عمار

منک ہضم | ہر گھر میں اس کا رہنا ضروری ہے۔ کیسا ہی درد شکم ہو، بد ہضمی ہو، اتخم ہو، ذرا سی چٹکی جادو کا کام کرتی ہے چند دن متواتر استعمال سے معدہ کے تمام امراض دور ہو جاتے ہیں اور رنگ نکھر جاتا ہے قیمت فی شیشی ۱۲

روغن سوزاک - پندرہ دن کے استعمال سے کیسا ہی پُرانا مرض ہو دور ہو جاتا ہے اور پہلی ہی خوراک سے ساری تکلیفیں مٹ جاتی ہیں
قیمت صرف پانچ روپیہ - (۱ ص)

جوب آتشک - نہایت موثری مرض ہے لیکن ہمارا دعویٰ ہے کہ اس دوا کا استعمال صرف پندرہ روز میں بالکل صحت حاصل ہو جاتی
ہے قیمت صرف پانچ روپیہ (۱ ص)

جوب دافع قبض - کیسا ہی سخت قبض ہو ایک گولی کھا لیجئے اور تکلیف دو قیمت فی شیشی تیس (۳۲) گولی ایک روپیہ (۱ ص)
لیپ طحال - جگر اور تلی کتنی ہی بڑھ گئی ہو اور دم کتنا ہی پُرانا کیوں نہ ہو صرف تین دن کے استعمال سے دور ہو جاتا ہے قیمت ۱ ص
سفوفت بوا میر اس سفوفت سے ایک ہفتہ میں بوا سیر خونی ہو یا باری جاتی رہتی ہے چاہے کتنی ہی عرصہ کی ہو اس کے مسوں کے لئے
علیحدہ مرہم استعمال کیجئے قیمت ۱ ص

روغن کٹھیا - بالکل بیکار مریض پندرہ دن میں اس دوا کے استعمال سے خوب چلنے پھرنے لگے اور پھر کبھی اس مرض کا حملہ نہ ہو
قیمت صرف ۱ ص

المشہر
منیجر دوا خانہ شفا فی نظیر آباد لکھنؤ

دامی خبثا

بال بڑھانے میں لا جواب دیگر روغن جات کے استعمال
سے جو نقصانات بالوں کو پہونچتے ان کو رفع کرنے والا نظر اور
دماغ کو قوت بخشنے والا صرف روغن کامل دراز
ہے تعریف ممکن نہیں آزمائش شرط ہے قیمت فی شیشی ۱ ص
تین شیشی پر محصول معاف

ملنے کا پتہ

ایس کے شاہ اینڈ سنز نو گانون
(بوئندیلکھنڈ)



اگر آپ کو بہترین قسم کے ایسے ہارمونیم درکار ہوں جو آپ کی زندگی کا ساتھ دیں
تو صرف ہم سے خط و کتابت کیجئے
ہمارے بندے سوئے ہارمونیم اس قدر شیریں سروں کے ہیں کہ کہیں اور مل ہی نہیں
سکتے صرف ہمیں ایسے ہارمونیم بناتے ہیں قیمتیں مختلف - فہرست مفت

CHAITSINGH GURBAKSINGH & BROS.

293 N, SANDHURST ROAD,

BOMBAY ۰۶۰

دیکھو! کارآمد تائیں صلیت کھیت

زبان میں لکھی گئی ہیں قیمت فی جلد ۱۲ روپے
خطابت و تقریر - فنِ تقریر - فنِ تقریر - فنِ تقریر
جس میں اس کے اصول و فنون لطیفہ وغیرہ کو
فلسفی مباحث کے ساتھ سلیس اور آسان بیان
کیا گیا ہے۔ دیکھیں و لکھیں اور دیکھیں
کو بیحد مفید ہے۔ ۲
شکر گلشن ہند - ہند کی ایک جامع و مختصر
تاریخ ۳
واقعات و تاریخ - ہند - دنیا بھر کی تاریخ مع بعض
جنوری صد سالہ - از ابتداء ۱۸۵۷ء تا
۱۹۵۷ء مع تشریحات و تبیین و ترجمہ ہند
دوران غالب - پاکٹ ایڈیشن نو روپے
قیمت صرف ۲ روپے
اسرار باغبانی - فن باغبانی میں شب و روز
بجواب کتاب روضہ ازرباغبانوں کے کارآمد
واقعات و تاریخ ہزار سالہ - اپنے رنگ میں باغ
جدید تاریخ بہت باریک و خوب اور اس میں تاریخ
ہزار برس کی تاریخ ہے ۱۰
تذکرۃ الالاکامین - حکمرانوں و شاہان و ملوک
دیراز اور نامی گرامی شعرا کی مختصر اور
دیکھ سو انجمنوں اور ان کی تصاویر ۸
مخزن حکمت - حکماء اور بادشاہوں کی تاریخ
اور ان کے ذریعہ اقبال ۶
تاریخ انبیا و اہل بیت ہند - غور و فکر کے
دل ملا دینے والے واقعات کی مستند اور
مکمل تاریخ ۴
خواندگاران - اس کتاب میں تمام انجمنیں
اور بادشاہوں کے بچانے کی تاریخیں عام فہم

المشہر ”مفتی“ محمد عامر بھٹی (اٹالیا)

حکیرت نگار و سرعیت

پندرہ روپے کی تین گھڑیاں
صرف دس روپے میں
محصولہ اک اور پکینگ بھی معاف

آپ کے لئے + آپ کے کمر کے لئے + یومی کے لئے +

مندرجہ ذیل دونوں گھڑیاں ٹائم پیس
تینوں گھڑیوں کو آپ کی مشق طلب فرمائیں تو صرف مبلغ
دس روپے میں بھی جائیں گی یہ رعایت محض مال کی بچاوی
اور فرم کی شہرت کی وجہ سے ہوا یہ رعایت بہت وقت تک رہے گی
جبکہ یہ گھڑیاں شاکیں ہیں اس کے بعد ہم نہیں کے لئے ہوں گے
آپ فوراً ہی آکر بیچیں لیں یا نہیں کہ اسٹاک ختم ہو جائے
اور آپ کی سسٹمز کی تعمیل نہ ہو سکے +

مشہور لمپی ٹائم پیس میں دیکھنے میں خوبصورت۔ چال کا اچھا پرنزوں کا مضبوط ٹائم کا تجاویز ہر قسم کی قیمت دور روپے محصولہ اک پکینگ بنی آرڈر فیس ۸	 ۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱	ریپریٹو لیٹر پاکستان و لاج محاسبہ نوکریں خوبصورت و مضبوط تمام نہایت صحیح بننے والی وقت معہ چین پانچ روپے پکینگ موصول ڈاک - پکینگ بنی آرڈر فیس ۸	 ۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱	قابلینڈ گولڈن رینج نئے نئے ڈیزائن کی خوشنمیزی پاکستان ٹائم بیک کی قیمت مع استراپ سات روپے پکینگ محصولہ ڈاک - پکینگ بنی آرڈر فیس ۸	 ۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱
--	---	--	---	--	---

نوٹ: پاکستان گولڈن رینج کے لئے کوئی قیمت نہیں ہے۔ پوری قیمت منہ پر پہنچ جائے گی۔ اور محصول ڈاک پکینگ وغیرہ بھی ان کو ادا کرنا ہوگا +

ملنے کا: امریکن و لاج ہوس - سٹاکسٹ و سٹاکسٹ اینڈ و لاج کمپنی - مقامی ہسٹری

فائدہ نہ ہو تو قیمت الپس

مبلغ التـہزار کا
طلائے خاص!
نقد انعام

—

”وئیائے ایجاد کا ایک بے نظیر تحفہ“

مفسر ناظرین! یہ طلا کوئی معمولی یا بازاری طلا نہیں ہے جو ہلکا آپ سے اس کے زیادہ روشناس کرانے کی ضرورت ہو۔ بلکہ یہ وہی طلا ہے جسکو اُس زمانہ کے حاذق اطباء نے بادشاہِ نادر شاہِ ایرانی کے لئے اختراع و ایجاد کیا تھا۔ اور اب اس کی تیاری کا فخر ایک ایسے دواخانہ کو جسکی شہرتِ اظہر من الشمس ہے حاصل ہے، اس کے مفید و مجرب ہونیکا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ملک کے بڑے بڑے حکیم، دیدا اور ڈاکٹر صاحبان بھی بار بار اس کو منگاتے اور اس نیکنامی، شہرت اور بعض اوقات ایک ایک شیشی کے پچاس روپے تک اپنے مریضوں سے وصول کرتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اُس کے سامنے برقی آلہ نامردی یا کوئی طلا کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا۔ اس کی تعریف میں ہزاروں سٹریکٹ موجود ہیں اور اخبار چار چار کر اس کی خریداری کی سفارش کر رہے ہیں۔ دور کیوں جائیے پہلے نمونہ طلب کیجئے اگر مفید ثابت ہو تو پھر پوری شیشی۔ اس کے علاوہ دس سال کے اندر دوا کا اثر اُٹل ہو جانے یا حسبِ تحریر فائدہ مند نہ ہونے کی صورت میں

راہی قیمت کا اقرار، کیونکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ اس کے صرف ایک ہی
مرتبہ کے استعمال سے عمر بھر آپ کو بھرپور عطا کی حاجت نہ ہوگی۔ اور اسی لئے
ہم اس کا ایک علیحدہ اور باقاعدہ دستخطی معاہدہ بھی لکھ دیے ہیں جو ہر پارسل کے
ہمراہ روانہ ہوتا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ مرض نامردی کے دور کرنے میں اس سے بہتر تو کیا، اس کا
مثیل بھی کوئی ملتا آج تک میرے سے دنیا میں ایجاد ہی نہیں ہوا اور شاید
یہی وہ پہلا علاج ہے کہ جس کے اول ہی روز سے فائدہ معلوم ہونے لگتا ہے
اور چند روز کے استعمال سے توجہ شکایات سُستی، کمزوری، کجی اور لاغری
وغیرہ وغیرہ قطعی اور یقینی طور پر دور ہو جاتی ہیں۔ طاقت و توانائی اس درجہ
آ جاتی ہے کہ اس کا تحمل حد امکان سے باہر ہو جاتا ہے؛ خارجی کیساتھ داخلی
علاج لازم ہے۔ اور اس کے لئے سفوف جبریان، جو بھوک کی کمی، معدہ
کی خرابی، سرعت..... اور کثرت..... وغیرہ اکثر امراض میں اکیس کی خاصیت
رکھتا ہے۔ بہت مفید دوا ہے۔ اگر آپ شبابِ زندگی کا واقعی کوئی لطف اٹھانا
چاہتے ہیں تو اس طلا کو "جو ایک بے ضرر شے ہے" ضرور استعمال کیجئے اور ہماری کوششوں
کی داد دیجئے قیمت اصلی اور برقی طلا کے خاص مع سفوف جبریان لحد نمونہ کی قیمت

نوٹ: - سوائے ادویات مندرکوا صدر کے ہر مرض درہم قسم کی دوائیں محالاً مرض کے معلوم ہونے پر پہنچی جاسکتی ہیں طبی مشورہ اور دوا خانہ کی فہرست مفت۔

المشتهر :- آب کا خیر طلب میجر اعلیٰ قابلیت بہند وستانی دار الشفا " میجر آفرن بکھنو (اندیا)

معرکہ الاراء علاج

آج کل کے اشتہارات کی پرکاری۔ اور ادویہ کی گرم بازاری ہر سچے سچے معالج کو بھی چھوڑنے دو دیاروں کی صف میں بھانسنے کے لئے تیار ہے۔ اسی سے ان لوگوں کی بھی جنہوں نے اپنی عزیز عمریں اسی فن شریف کے حاصل کرنے میں گزاری ہیں ہمیں ڈرت کی ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے ایک ایک نایاب نسخے کے حاصل کرنے میں نہ صرف مالی قربانی ہی کی ہے بلکہ مدتوں دوڑے پرے ہیں تکلیفیں اٹھائی ہیں ادنیٰ ادنیٰ آؤں غریب خیر شامین کی ہیں آج مدعیان دوسرے گروہ کے دعویٰ کے سامنے سنا زخم کھلے ہوئے ہیں مگر مجبوری ہے تو یہ کہ آواز نیک نامی کا انحصار۔ اور شہرت صادق کا ذریعہ اشتہار اور صرف اشتہار ہے انہیں سب سے مجبور ہو کر ہم بھی اپنے چند مجربات بذریعہ اشتہار آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ آپ ان ہم پر کچھ شہرست۔ یا شاید ان ہم از جلد دزدان اشتہار پر عمل کرتے ہوئے ہوں گے بھی انہیں لاف و گزاف کے بندوں میں شمار کریں۔ اس کا آپ کو اختیار ہے مگر اتنا جفا دینا ہمارا بھی فرض اولین ہے کہ مدتوں سے ہماری یہ دواؤں لکھنے کے ایک ایک گوشہ میں پھیل چکی ہیں۔ اور ایسے افراد بہت کم ہیں کہ ان کے منہ منگائے کے بعد دس مرتبہ آرڈر نہ دیکھے ہوں بہر حال دواؤں کے حال و زام سن لیجئے۔ یاد رکھیے۔ اور ضرورت ہوئے پر آج۔ یا بعد کو ہکو یاد کیجئے۔ شاید ہمارے قول کی تصدیق کرنے پر آپ مجبور ہو جائیں۔

ظلال سیاہ

کیا ہے۔ صرف ایک کالا کالائیل۔ مگر کیسا چل ایسا کہ کچھ اعضائے مخصوص رنگا یا۔ تھوڑی دیر بالمش کی اوپر سے گرم کر کے پان باندھا۔ اور کل ان شرمناک بیماریوں کا ازالہ شروع ہو گیا۔ جو آغاز جوانی میں یا تو اپنے ہاتھوں بول لی گئی ہیں یا شوق مصیبت کی کورانہ تقلید کی بدولت ہاتھ آئی ہیں یا کثرت ہوس پرستی کے جذبات نے عمر بھر کے بطور تمغا آپ کو نذر کر دی ہیں شکستی۔ لاغری۔ کجی۔ کثرت مجامعت کے نقصانات۔ بچپن کی وقتی اور غیر فطری غلط کاریوں کا بہترین علاج ہے تو یہی ہے باقی ہمہ نیرنگی باقی ہمہ افسانہ۔ قیمت فی شیشی۔ تین روپیہ اگر کمین۔

سفر جوہر

بہی سات۔ ۱۳۔ یا ۱۵ دن اسکے استعمال کیا تھو کھا لیجئے۔ تو یقین اور بالکل یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ کمی خواہش رجولیت۔ ثلث باہ۔ ضعف اسباب مروجی تو جبر ہی کیا ہیں۔ مملکت جسم حکمران عضو یعنی قلب۔ دماغ معدہ بگر۔ وغیرہ استقدر مضبوط اور صحیح ہو جائیں کہ آپ کی لاتعدادہ قوتوں کو دیکھ کر۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ آپ بھی ایک ضعیف الخلق انسان ہیں انسان کہنے کی جرات نہ کرے۔ سنا ذرا ہم نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جنہوں نے اپنی کم فرصتی کی وجہ سے اس سفر کو اقل مدت تک بقاء حدی کے ساتھ کھا یا ہے اور اس صورت میں بھی ان کا مریض یا ہوا ہے محل تار کی طرح سُرخ۔ ان کی قوت نامیہ نو مدیدہ کہیں ملے گی ہے انہوں نے متواتر ۲۴ چوبیس چوبیس گھنٹے کام کر کے بھی کوئی تھکن محسوس نہیں کی ہے۔ وہ اپنے سے زیادہ قوت والے لوگوں سے لڑے اور ان پر فتیاب ہوئے انہوں نے غیر معمولی خطروں میں اپنے آپ کو

پھنسا یا اور ذل میں خوف نہ آیا۔ اونکو دیکھ کر لوگوں کو گمان ہوا کہ کسی مضبوط طاقت نے انکے جسم میں کایا پلٹ کر دی ہے۔ اسی فائدہ عام کو دیکھتے ہوئے کوئی زیادہ قیمت مقرر نہیں کی گئی ہر شش ماہی روپیہ محصول ۲۰

دوا لولہ

ناشاد۔ نامراد۔ سینہ فگار۔ بد نصیب۔ گنام زندگی برباد۔ ہیں وہ میاں بیوی جنکے یہاں دین ہے دولت ہے۔ اسباب سے جائداد ہے۔ روپیہ پیسہ ہے۔ زلیور ہے۔ اولاد نہیں ہے۔ اونکی زندگی موت۔ اور موت لاوارثی موت ہے۔ اگر وہ اس رنج اس بدنامی کے داغ کو اپنے دامن سے دور کرنا چاہیں۔ تو کوئی حل نہیں۔ جیسے ہی اس اشتہار کو پڑھیں ایک گز لکھ کر دوائے تولید منگا کر استعمال کریں اسی مہینہ اگر امید کا درخت بارور نہ ہو تو ہمارا ذمہ باوجود ہزاروں تجربوں کے اس سے زیادہ کوئی نسخہ ثابت نہیں ہوا۔ قیمت اللعہ ۲۰ آپ کو معلوم ہے کہ اس ملک کے ہر فرد و شہر نے اتنی کڑی ترقی کی ہے صرف دماغ سے۔ آپ کیا ایسے ترقی

جرتی ترقی کا

ترقی کی ہے صرف دماغ سے۔ آپ کیا ایسے ترقی

جرتی ترقی کا دماغ سے ترقی کی ہے صرف دماغ سے۔ آپ کیا ایسے ترقی

کیا آپ کا کتب خانہ ان کتابوں کی خالی ہے

اگر

یہ واقعے تو فوراً ہی

جھوٹی حوشی

ایک ناول ہے۔ مگر کیسا ناول ہے اس کا صحیح
 اندازہ صرف اُس وقت آپ کو ہو سکتا ہے جب
 آپ اول سے آخر تک کم از کم ایک مرتبہ اسکو ملاحظہ فرمائیں گے۔ زیور کی
 طرح کے لئے ایک نادار نوجوان خاتون کا خود بھی آفت میں پھنسا اور
 دوسروں کو بھی آفت میں پھنسا دینا۔ شوہر کا ایک دائمی تکلیف رنج
 موصیبت کا شکار ہو جانا۔ عشق و محبت کی خوشنما اور دل فریب تصویریں
 جذبات دلی کے مرقع ہر سطر بلکہ ہر حرف میں نظر آئیں گے۔ یہ ممکن ہی
 نہیں ہے کہ اسکو پڑھ کر کسی لا ابالی سے لا ابالی دلپس ہی گمراہ اثر نہ پڑے
 اور مباحثہ آہ کرنے پر مجبور نہ ہو جائے۔ قیمت ۸
 آپ نے چرکین کا نام تو یقینی سنا ہوگا
 اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہ کون سا ہے
 یہ دیوان نایاب قصاب نہایت اہم
 اور کوثر شمشیر ہے اس کو طبع کرایا گیا ہے۔ قیمت ۴

دیوان حکیم

اور کو شمشیر ہے اس کو طبع کرایا گیا ہے۔ قیمت ۱۰
 مسمریزم کے وہ حیرت انگیز
 کارنامے جو برے سے بڑے عقلمندوں
 کو بھی دم بھر کے لئے حیرت میں ڈالتے
 ہیں ایک قصہ کے مخفی میں بیان کئے گئے ہیں اور قصہ کے ذریعہ
 سے ازاول تا آخر اس قدر دلچسپ ہو گئے ہیں کہ پہلا صفحہ پڑھنے
 کے بعد جس وقت تک تمام و کمال کتاب کو دیکھ نہ جائے کبھی سیر
 نہیں کر سکتی۔ قیمت ۸

فری عاشق

ہاں ایک قصہ کے مختصر میں بیان کئے گئے ہیں اور قصہ کے ذریعہ
سے از اول تا آخر اس قدر وچسپ ہو گئے ہیں کہ پہلا صفحہ پڑھنے
کے بعد جہوت تک تمام و کمال کتاب کو دیکھ نہ جائے کبھی سیر
نہیں ہو سکتی۔ قیمت ۵۰

بیگناہ قاتل

سیکناہ قاتل

ایک دفعہ آواز بلند داستان حیرت سنا رہا ہے۔ عجیب

اگر آپ چاہیں کہ یہ راز معلوم کریں کہ

نود و نون کی جیب میں روپیہ کیسے

تواب

نواب احمد

اگر آپ چاہیں کہ یہ راز معلوم کریں کہ
خود دلتون کی جیب میں روپیہ کیسے کیسے

ملک ہنگامے برپا کرتا ہے تو ایک مرتبہ اس ناول کو ضرور پڑھ لیجئے۔ یہ
ناول اول سے آخر تک اوس کے رنگ میں لکھا گیا ہے جس کی بدولت
نشی سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ نے دنیا میں اپنے زوق قلم کی دہاک
بٹھا دی اس کے ساتھ ہی انتہائی نتیجہ خیز ہے۔ قیمت ۸/-

اصرو

ہندوستان کی رسوم منگنی - ناراضی کی شادی -
کو نہایت دلچسپ قصہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔
واقعات کے ضمن میں ہجو و معیبت کے بہت سے
دلچسپ مناظر بھی پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ ایک قابل غاتوں نے اس
میں وہ زور قلم دکھایا ہے کہ آپ حیران ہوں گے۔ قیمت ایک روپیہ
ایک مجرم ہے ان اشعار اور ان شعراء کے ذکر اور مختصر
محل کا جنگ دم سے طرافت کا باغ سرسبز و شاداب ہے
اول شعراء کے نام کی فہرست ہی اس کی خوبی کی ضمانت
ہے اس میں اور کچھ لکھنا بیگناہ ہے اکبر الہ آبادی ظریف لکھنوی - انشا - ملین
ہمان - چرکین - نظیر - خمیر - راض - ذکی - جوکر - ہر ہر الشعراء - بدم
وغیرہ وغیرہ۔ غالباً اپنے رنگ کا پہلا مجرم ہی جو نہایت قدر دانی سے دیکھا
جا رہا ہے۔ قیمت

تبریز

ایک مجموعہ ہے ان اشعار اور ان شعرا کے ذکر اور مختصر
حال کا جنکے دم سے طرافت کا باغ سرسبز و شاداب ہے
اول شعرا کے نام کی فہرست ہی اسکی خوبی کی ضمانت
ہے اس واسطے اور کچھ لکھنا بیکار ہے اکبر الہ آبادی ظریف لکھنوی - الشاعرین
ہمان - چرکین - نظیر - خمیر - راض - ذکی - جوکر - ہر ہر الشعراء - بدم
وغیرہ وغیرہ غالباً اپنے رنگ کا پہلا مجموعہ ہے جو نہایت قدر دانی سے دیکھا
جا رہا ہے - قیمت ۵۰

کیمیا

اسکون کیسیا کی ایک مفید کتاب سمجھیے۔ یا یہ خیال فرمائیے کہ اس حسن و خوبی سے اس زمانہ کی نیر و نگاری اور تباہی کا علاج ہے جسلاجرا نہیں۔ نہ صرف سونا اور چاندی بنائیکے سیکڑوں نسخے جمع کر دئے ہیں بلکہ ان چاندی کا یا بطلیم و فوسفر یعنی کیسیا۔ سیماہیمیا۔ رسیا کا مفصل تذکرہ کیا ہے جسکے دجہ کے اکثر قائل ہی نہیں اور اکثر یہ کہتے ہیں کہ ابن نباشہ جزہ بذات ادلیا۔ تمام ترکیبوں اور نسخوں کی محنت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ یہ الفاظ دیگر سونے اور چاندی کو مفید کر دیا ہے قیمت ص ۴

ولیان جا

دیوان چان صاحب

پارخون

جتنا سب نام ہی سقدر در دے بھرا ہوا ناول جسکے ہر فقرے میں درد ہر جگہ میں نشتر چھپے ہوئے ہیں ایک سخری فقرہ ہر جے ہندوستانی جاسے میں پیش کیا گیا ہے۔ قیمت ۸۰

آج سے دو دہریں پہلے کے ہندوستان کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنا ہو تو یہ ناول پڑھ لیجئے اس قدر حیرت سے بہرے ہوئے ناول شاید آپ کی نظر سے نہ گزرے ہوں۔ قیمت ۸۰

خوبی جنگل

وہ فقرہ جسے ارباب شاط کا خطاب دیا گیا ہے اسی کے زور و کمر فربہ بھاری کلمات زبردست خاکہ ہے کہ آجنگ دعوے کے باوجود بڑی بڑی اہل قلم بھی نہ کھینچ سکے۔

بات بات میں عیاریاں۔ فقرہ فقرہ میں مکاریاں منصف یہی لگا ایک جتنا جاگتا دل دو ماغ رکھنے والے انسان کے جوابات۔ اور ہر فقرہ عورتے راہ موسیقی کے مناظر غنڈہ عیش حسن۔ محبت۔ مرثیت۔ عیاری۔ بدکاری۔ اور زور قلم کا مجموعہ ہے۔ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ قیمت ۸۰

دام فربہ

دام فربہ کا دوسرا حصہ ہے وہ ناظرہ عصمت کش طاہرہ جگدیو کا لکھا ہوا ہے۔

کابل کا حصہ ہے اور یہی عبرتناک زندگی کا دوسرا حصہ جو زندگی کے انقلابات کی ایک جیتی جلتی تصویر ہے دیکھنے سے دل سیریز ہوتا ہے اس سے بے ساختہ آہ نکلی جاتی ہے سووی نہ بیاہد کے رنگ کا ناول کی قیمت صرف ۸۰

طاہرہ کی دوسری زندگی

سنی کلارہ

وہ خوش نصیب شہباز لسانی زندگی کا یہ قول ہے کہ خوش نصیب ہے کہ زندگی گئی ہے اس سے کتنا بے خبر ہو جاتا ہے۔

کہہ سکتا ہے کہ ایک لطیفہ میں زندہ دل کی اور مردار کی جابوہ کر دی گئی ہے لیکن یہ نہیں کہ کوئی غمگین غمگین دل رکھو والا کہہ لیکر ہتھوڑی پر لکھو تو قہقروں پر مجبور نہ ہو جائے۔ قیمت صرف ۸۰

صالح خاتون

ایک ایسی ہی ناول حسین عرس کا روم۔ ترکی قوم کی کہانی اور خیر کو نہایت دلچسپ و خوش کن انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

ایک ایسی ہی ناول ہے۔ ۸۰ اپنا ناول قیمت ۸۰

خانی ایدہ

ایک ایسی ہی ناول ہے۔ ۸۰ اپنا ناول قیمت ۸۰

ایک ایسی ہی ناول ہے۔ ۸۰ اپنا ناول قیمت ۸۰

بد نصیب

والدین کا اپنی اولاد پر جو کتنا زیادہ سخت گیر ہو سکتا ہے اس کی تعلیم سنو ان کا بدترین انجام غم میں ہے۔ ناول قابل ہے کہ قیمت صرف ۸۰

اب فلسفی کسی

لیجئے کیا سچ کچھ کیا جیتا اس میں سب کو جانتا ہے علم سے عقلی زندگی ہی اس طرح گھسیٹا ہے کہ معمولی معمولی ادنیٰ بھی بوجھ بھگتا۔ کوئی نکتہ کوئی راز کوئی اصطلاح اس میں چھوری نہیں گئی ہے کیا کسی اہستہ ضروری تو امداد ضروری ہے۔ علم اس کے خاص مطالعہ میں۔ وہ تیز اس بنانے جسے کیا بنانے میں مدد ملتی ہے۔ سرتال کو غور کرنا اور اس کے متعدد نسخے کیا کیائی عمل تانبے کو چاندی کی طرح بنانا تانبے کو سونے کی صورت میں لانا طوطیاں کو صاف کرنا چاندی کا سونا بنانا اور اس کے مختلف طریقے۔ کیمیا کا بیان اور اس کے شہل الوجود کے نسخے جیٹو آزا کر سونا بنانا یا چاندی تیار کرنا کوئی مشکل نہیں۔ لطیف یہ کہ وہ اس میں جو ہر رنگہ مل سکتی ہیں۔ علم کیمیا کا بیان اور اس کے عجائبا علم کیمیا کا بیان اور اس کے عجائبا دیوانہ بنانا۔ کسی کو عقلمند بنانا۔ پانی پر چلنا۔ ہر زمین کو اچھا کرنا۔ دوسرے کے دل کا حال معلوم جنت کا کلام سننا۔ تمام جانوروں کو مطیع کرنا۔ سب زحمت کو خشک کرنا۔ اپنے اختیار سے ہر شے کے موافق نہ برسانا۔ فوراً جنت اگانا اور سبزیوں وغیرہ لگانا۔ ہر شے کا بیدار معلوم کرنا۔ ہر شے کا کار کا عمل خراج کے طور پر یہ خود پسند آنا۔ غیظ نہ آنا۔ محبت کا عجیب عجیب عمل شہر کو بڑھ کر دینا۔ ملائک کو سحر کرنا ورنہ دن کو مطیع کرنا۔ مرد و عورتی کے خواہش عجیب عجیب نسخے مینا بنیم یعنی علم نظر کا بیان عرفین کہ یہ کتاب ایک ایسا عجوبہ ہے جس کا کوئی معمولی سے معمولی نسخہ نہ اردن لاکھوں روپیہ زیادہ کی قیمت سے فروخت ہو رہا ہے۔

طالع نامے ورنہ شاید کچھ بہت عمدہ کتاب انتظار کرنا چاہیے اور یہ کتاب ایک کے قیمت ۸۰

باد جو ذاتی خوبوں کے صرف ایک روپیہ محصول ۴۰ روپیہ حلیہ (دیکھو)

وہ مشورہ صبا جا کے خریداروں کو پتا آج ہوئی و شفا درد کی بیماری کو

آمین کہ ہر من آج درد ان کمال کے

کا غدیہ رکھ دیا ہے کچھ نکال کے

دینا سر گردان کی کہ دیکھ جانتا دیکھتا ہے وہ اور

نوجوانوں

میں بیٹے یا بوس رمضان باہ کے دیے ہوئے عکسوں اگر لے کر یہاں لے جاتے ہیں عظیمی پیش کرے میں جہین بڑے بڑے تجویس عکسوں و بدن اور بیٹوں کی آمد خوش اور طرح طرح کی حکمت علیوں یہ عجیب آگے کیے گئے ہیں لطیف یہ کہ کوئی نسخہ انہیں لکھا کہ جو کم از کم بچاں میں رہے یہ نسخہ خبر یہ کہ مفید نہ پایا گیا ہو۔ نسخہ ایسے ہیں کہ نہایت آسان اور فزائد میں آجیتانے برابر ہیں یہ نسخہ کی دوا میں ہر جگہ آسانی مل سکتی ہیں جیسا کہ اسلام نعرہ کی۔ دوسرے دل کی دھڑکن ضعف دل و راع و مدد کی خواہش و فقر کا نقصان دیکھ لی جان۔ انکی شناخت انکے بیدار ہو سکے سبب اور قوت اور پھر تیز تیز بیظان کم خرچ جادو و اثر دیکھ اور انانی۔ نسخہ یہ قوی دوا ہیں۔ سفوف بھی ہیں۔ گویا ان حلوے جو ارشادات۔ ردغن۔ طلا۔ بیٹی۔ لیب۔ بینک۔ اور کور و غیر کے ایسے نسخے جو انکی کے موجودہ طب کا بچاں میں پتہ راہ دینے پر بھی وہ اپنے خاندانی اور اسانی نسخے میں مل جاتے

ضعف نے سیکھو ان روپیہ خرچ کر کے حاصل کے اور بڑے فائدہ عام درج کر دیا گیا ہے

بدھے جوان بن گئے

ساش روپیہ آٹھ آنہ

منہ حصول ڈاکہ
پینکٹ وغیرہ

صرف خوردنی خضاب کیسے

اگرچہ کھانے والے خضاب کے نسخہ بہت ہیں مگر سقدرد شواربن کہ جسکا استعمال طاعت
بشری سے باہر ہے لیکن بخین کرات پر نظر رکھ کر مینے ایسا خوردنی خضاب بدھے
بھی نہیں ہے جس کے صرف بیسٹا یوم کے متواتر کھانے سے اندر راند ۲۴ یوم
یا زائد سے زائد تین ماہ میں صرف بال ہی ہمیشہ کیلئے سیاہ و ملائم ہو جاتے
ہیں بلکہ جیرہ کا رنگ و غن بھی جوانوں کی طرح دیکھنے لگتا ہے نیز یہ کہ ہمیشہ کیلئے
تھوڑا ہی آنکھوں میں تلت۔ دماغ میں تراوٹ ہو جاتا ہے۔ بال کیسے ہی ہو
پہلے یا وقت پر سفید ہو گئے ہوں وہ سب اس سر نو سیاہ ہو جاویں گے بیانی کو
مقدور تیز کرتی ہے کہ زائد سے زائد ۲۴ یوم اندر عینک تک کی عادت جاتی رہی
تو حافطہ کو بڑھاتا ہے اور وعدہ کی حالت ہوتی ہے جو کھائیے وہی مضمر تو ت باہ
مقدور بڑھاتا ہے کہ سکا کھانا والا بعد استعمال اپنے کو قابل فخر جو جوانوں میں شمار کرنے
لگتا ہے جو غفلت کے کھانے حقیقی معنوں میں شباب قربان ہوتا ہو نظر آنے
لگتا ہے۔ اسلئے اسد آپ آؤر کھد خضابوں کی شنشیان توڑ کر پھینک دیجئے
اور اسے استعمال کیجئے ٹپے سند یا ذہن حکیم ڈاکٹر وید وغیرہ کثیر تعداد میں
شکا کر شہرت حاصل کرتے اور صد ہا روپیہ پیدا کر رہے ہیں جس میں نصیب
کا کوئی حصہ نہ سکا ایک ڈاکٹر اسل پوچھ جاتا ہے۔ ہر کس حیرت انگیز فوائد کو دیکھ کر
بے بالکل ہی بے ضرر ہونے کی وجہ سے معمولی معمولی گاؤں سے دھنوں
اور آگے میں لپٹتے ہو کہ ہر عمر ہر مزاج والا ہمیشہ ہر جگہ حتی کہ سفر تک
میں بھی استعمال کر سکتا ہے۔ پرچہ ترکیب استعمال پتھر ڈاکٹر اسل ملیکا قییت
کمل پکس خوردنی خضاب کی صرف ساش روپیہ آٹھ آنہ معہ حصول
پینکٹ وغیرہ

شیخ کارخانہ خوردنی خضاب حکمی شفا لکھنؤ

سارٹیفکٹ ملاحظہ ہو

عالیجناب رفیع احمد صاحب سکریٹری کانگریس و خلافت کمیٹی ہونہ تحریر فرماتے ہیں کہ
اپکا مرسلہ خضاب خوردنی کا استعمال کیا گیا میرے کچھ بال جو بوجہ نزلہ عالم شباب
ہی میں سفید ہو گئے تھے بفضلہ اسکے استعمال سے بالکل سیاہ ہو گئے۔
براہ مہربانی دوستوں کے لئے دو بکس اور بھیج دیجئے۔
مقامی اخبار شیعہ کالج نیوڑنے ۱۱ جون ۱۹۲۷ء کے پرچہ میں ریلو کیلئے
کہ میں خضاب خوردنی کا تجربہ کر آیا تو واقعی سفید بالوں کے سیاہ کرنے میں عجیب
ثابت ہوا علاوہ اسکے دلف نزلہ یقوتی باہ یقوتی بصر اور باضمہ وغیرہ کے حق میں تو
اکسیر ہے۔

عالیجناب منیر صاحب خانہ فقیری پھول پور پوسٹ جگرہ ضلع پرتابگڑھا
تحریر فرماتے ہیں کہ اپکا خضاب خوردنی بہت مفید ثابت ہوا اسل طراف میں اسکی
دعوم چاہی ہے۔ لہذا جلد سے جلد بکس دلچہ وی۔ بی۔ اور بھیج دیجئے۔
ایڈیٹر صاحب کٹ نامہ ہند ۲۵ جون ۱۹۲۷ء کے پرچہ میں
خضاب خوردنی کے اجزاء کے متعلق ریلو فرماتے ہیں کہ اسکے اجزاء نظام انسانی خصوصاً
عصبانی پر نہایت اثر کرتے ہیں۔ معدہ کو تقویت دیتے ہیں۔ غذا جو بدن
بنجانی ہے اسے عصبانی ہی بناتے ہیں۔ امراض باہرہ کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ ابھی جنہ
علاوہ اسکے آگے اطمینان کے یہ صدھائیں سے چند خط
مقدمین کی رائیں درج کرتا ہوں جنکی نکالی ہوئی شاہراہوں پر آج ایک ناچل رہا
ہماری ادویہ کے متعلق مصنف مقالہ احسانی و مصنف مخزن المفردات
مصنف الفان الادویہ نیز کوکانہ و مصنف خزانہ الادویہ غیرہ اسکے اعلیٰ خواص اور
پورے پور فوائد کے مدعی ہیں مصنف مجربا اعلیٰ سینا کا بھی دعویٰ ہے کہ بالکل
سیاہ ہو جاویں گے۔ تمام عمر سفید نہ ہوں گے۔ بیانی تیز ہو جسم کی دن بدن طاقت
بڑھے جنین نر و کثافت آئے۔ غرض اب ہر قدر سفید ہونے پر بھی آپ قدر
نہ فرمائیں تو تعجب ہے۔

منکا نیکا پتہ
کارخانہ روح شمیم
لکھنؤ

لکھنؤ کا بہترین عطر و عطر کا



کارخانہ روح شمیم لکھنؤ

اگر آپ کو شگاہ ہو تو سب سے پہلے کارخانہ روح شمیم لکھنؤ کو یاد فرمائیے جسکی نمایان خصوصیت یہ ہے کہ ہر سے دلیان ملک، نواب، راجہ، رئیس، رئیسین، املاک، بیو، باری، حقہ، سنا، نعلقہ، داران اور دھرم دار و بیویں مال اسی کارخانہ سے ہمیشہ طلب فرماتے ہیں کیونکہ ہمارا کارخانہ کا اصول یہ ہے کہ نفع بہت کم رکھا جاتا ہے جسکی وجہ سے گہری بہت زیادہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ جو صاحب ایک بار بھی آزمائش کے طور پر کسی چیز کے لئے آرڈر بھیجتے ہیں وہ ہمیشہ کے لئے مستقل خریدار بن جاتے ہیں اگر آپ کو لکھنؤ کے فاضل خاص اور شامی عطریات کے شگاہے کا شوق ہو جو باہر والوں کو بہت کم نصیب ہے تو آپ ہر امتحاناً ہمارا بیان چار روپیہ تولد کا عطر لیکر کسی ہر سے سے ہر سے کارخانہ کے چور روپیہ تولد والے عطر سے مقابلہ کر کے دیکھ لیجئے۔ اگر ہمارا عطر اس سے عمدہ ثابت ہو تو علاوہ قیمت ہم پچاس روپیہ انعام دینگے ذیل میں نام عطر و قیمت درج ہے جتنے دام زیادہ ہوں گے اتنا ہی مال اچھا ہوگا غرض قیمت کی کمی بیشی مال کی عمدگی پر ہوتی ہے یہی اصول ہے کہ ہم نے خریدار ہوگا کوئی بھی چیز طلب فرماتے وقت کم سے کم محصولہ اک کی رقم پیشگی بھیجئے۔ اگر ریلوے سے مال شگاہا ہو تو قریب کاریلو سے اسٹیشن ضرور لکھئے۔ ہمارا کارخانہ کاروانہ پورہ ۱۱۱۔

نام عطر	قیمت فی تولد	نام عطر	قیمت فی تولد	نام روغن	قیمت فی سیر
روح گلاب فاضل	۱۰ روپے	عطر خمر	۱۰ روپے	روغن چنبیلی	۱۰ روپے
روح حسن	۱۰ روپے	عطر کبوتر	۱۰ روپے	الضا درجہ اعلیٰ	۱۰ روپے
روح بانڈی	۱۰ روپے	عطر حبیب	۱۰ روپے	روغن جیلہ	۱۰ روپے
عطر جمیلی	۱۰ روپے	عطر بیلمہ	۱۰ روپے	گلاب	۱۰ روپے
عطر نائیر کنہ	۱۰ روپے	عطر حسنا	۱۰ روپے	کیورہ	۱۰ روپے
عطر گلاب دیسی	۱۰ روپے	عطر شہزادہ امیر	۱۰ روپے	حنا	۱۰ روپے
عطر موتیا	۱۰ روپے	عطر آگر عانی	۱۰ روپے	آبلہ	۱۰ روپے
عطر نجومہ	۱۰ روپے	عطر فلوڈ عبیری	۱۰ روپے	کود	۱۰ روپے
عطر گل	۱۰ روپے	عطر بدن است	۱۰ روپے	کابو	۱۰ روپے
عطر نقتہ	۱۰ روپے	عطر گل حنا	۱۰ روپے		
عطر سناگ	۱۰ روپے	عطر شک حنا	۱۰ روپے		
عطر مصالحہ	۱۰ روپے	عطر عروس	۱۰ روپے		
		عطر سید علی	۱۰ روپے		

کارخانہ روح شمیم لکھنؤ

عشق کے مبتلا

اپنے حکام کے مظلوم دشمن کو پسپا کر دینے خواہشمند کسی محبت پیدا کرنے یا کسی کے دل پر اپنا قبضہ کرنے یا غرض سے معذور اور جفا شعار معشوق کو بھی اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا کر اپنی محبت میں دیر انداز فریقہ کرنے لائق اور خود اسے اپنا عاشق بنانے کے خواہش مند حضرات اگر چاہتے ہیں تو مبلغ دو روپیہ آٹھ آنہ ذریعہ نی آرڈر بھیج کر ہر نام محبوب اگر معلوم ہو سکے ورنہ کچھ متناہین لکھ کر تعویذ اور سفوف عطیہ فقیر جس کے ذریعہ ہم انہیں لکھ کر نام اور حضرت راہی مراد کو پہنچ سکے ہیں طلب فرما کر کلام الہی کا معجزہ دیکھئے۔ تعویذ کو بازو پر باندھئے اور سفوف یعنی پھول کا موالیان کی رحمتی دیکھئے کچھ کھسکے نہ لکھئے نہ سنئے نہ کوشش نہ کیجئے خود ہی بقرار ہر کہ انشاء اللہ تعالیٰ عمل کر لیتے وہ آپ کا غلام بن جائیگا اور خوشی سے ہر کام کرے گئے آمادہ ہوا گیا اس تعویذ کا پاس رکھئے والا اگر کسی وقت دن میں یا شب میں ازلیہ خواب کسی بزرگ کی حسین نورانی شکل دیکھتے تو خائف نہ ہونا چاہئے علاوہ اسکے ہر ضرورت اور ہر مرض میں لے کر تعویذ بھیجا جائیگا یہی ہر جگہ ہر جگہ بلا قید مذہب و ملت ہر شخص سے نانہ اٹھا سکتا ہے ایک تو یہ ایک ہی محبوب لے کر کام آ سکتا ہے۔

منکا نے کا پتہ لا۔ پیر جی مشہور محامل لکھنؤ

جوبہر
شاب

مقوی باہ دوا بالکل مفت ہو سکتی ہے

طلابہ جوہر
شاب

سیدنا دعا دعویٰ اور اسکا ثبوت

نائبی بری

روانی کا جوہر - فراوانی
 وراثت تین بھائی ہیں
 جاننے والے اور مردہ
 انصاف کے از سر نو زندہ
 نے والا اگر عظیم کو لیا
 میں جس کے چند رکھنے
 استعمال سے نادری
 سستی - کمزوری
 بیان کرتا احتلام
 عورت انزال کی باہ
 سفوف دل و دماغ مود
 کی خرابیاں امراض
 ہمیشہ کے لیے دور
 جو جائز ہے اور زائل
 تمام طاقتیں جائز ہوں
 عود کر آئیں اور
 چہرہ مثل کندک کے
 چکنے لگے گا
 قیمت للحد

لوں تو جویش میں ہر فصل بنے مال کے پیچھے اور اپنے لفع اٹھانے کے لیے وہ بائیں کہہ گذرتا ہو جسکا کہہ بھی ثبوت نہیں دے سکتا۔ دنیا میں ہر جگہ ہی دھوم ہو دور نہ جائے انھیں مقوی باہ دواؤں کی بات دیکھیے۔ بلا مبالغہ ان دواؤں کے اشتہارات میں کثرت سے لکھ رہے ہیں کہ کوئی شخص یہ تمیز نہیں کر سکتا کہ واقعی کس کی دوا مفید ہو اور کس کی غیر مفید۔ کوئی حلفیہ بیان لکھ کر یقین دلاتا ہے کوئی اپنے نام کے ساتھ فرضی حکیم یا سنیاسی وغیرہ کا معزز نام لگا کر خریداروں کو اپنے دام فریب میں لانا چاہتا ہے۔ کوئی پانچ و چھ خرچ کر کے دوا کا نام جبراً کر اگر موجود ہو نیکاد دعویٰ کرتا ہے۔ غرض ایک طوفان چھا رہا ہے جو طارا ہے وہ شاہی جو نسخہ ہے وہ نادر جو دوا ہے وہ شرطی۔ غرض ایک ایک بفضلا بڑھ چڑھ کر اپنی تعریف کرتا ہے۔ مگر یہ ممکن نہیں ہے کہ بغیر قیمت لیے عہدہ کیلئے بھی دو خوراک کوئی دے سکے۔ لہذا تجربہ پر وہی بات ثابت ہوتی ہے جو معلوم یعنی تمام تباہ شدہ رگوں سے جو دم برداشتہ مادہ برآمد الا مضمون ہوتا ہے۔ مگر کم از کم ان لوگوں کی رطبہ لسانی سے یہ نقصان ہو چکا ہے کہ سچے اور جھوٹے سب یکساں نظر آتے ہیں۔ میرے پاس تو اکبر شاہی برقی طارا کا نسخہ ہے اور نہ نیپالی فیری جڑی بوٹیوں کی گولی۔ البتہ اشتہار ہذا کے دانے بائیں جس طارا اور جوبہر کی خاصیت آپ نے ملاحظہ فرمائی ہے اسکی بلحاظ فوائد جس قدر تعریف کی جاوے یقینی کم ہے جلق۔ نامردی۔ ضعف باہ۔ تمام طاقتیں جائز ہوں۔ دماغ اور دل کی کمزوری وغیرہ امراض کیلئے خواہ وہ کسی طبیعت کے پیدا ہوئی ہو۔ اکسیر بے بہا ہے مگر نہ بکھوٹے اور نہ چوکا اسن مانہ میں کوئی امتیاز نہیں رہا ہے۔ اسلیے اس فرق امتیازی کو مٹانے اور اپنی دوا کے مفید ہونے کے ثبوت دعویٰ میں ہم نے قصہ کیا ہے کہ اپنے کارخانہ کا طارا جوہر شباب اور جوبہر جوبہر شباب قیمتی آٹھ روپیہ مفت تقسیم کریں مگر افسوس کہ اوپر کے متفرق اخراجات ہمارے حوصلہ کو پورا نہیں ہوتے جیتے ہم پکنگ کا خرچہ اشتہار کا صرفہ محصولہ ایک اور خرچہ دفتر وغیرہ کہاں سے لائیں لہذا اگر جناب اسکو ازانا چاہیں تو ہم صرف خرچہ اشتہارہ۔ محصولہ ایک ۴۔ پکنگ ۲۔ خرچ دفتر ۲ قیمت پیشی تحواہ ملازمین وغیرہ جو زیادہ تعداد میں صرف ہوتا ہے جسے وصول کیے بغیر ہم اسکے فوائد کو مستقل جاری اور متفرق خرچوں کی برداشت نہیں کر سکتے۔ جملہ ایک روپیہ کے آئے۔ اوی۔ بی کی اجازت لینے پر یہ دوا لین کا کل خوراک میں روانہ ہوگا مگر ساتھ ہی آپ کو قسم دلاتے ہیں کہ بعد استعمال دوا اگر شافی مطلق شفا دے تو کم از کم ایک سارٹیفکیٹ اسکے مفید ہونیکا عنایت فرمائیے اور ایمان کا خیال رکھ کر خدا کو حاضر و ناظر جان کر سب کو کمال قیمت آٹھ روپیہ بدرجہ آرڈر لکشت یا پیسہ۔ مجبوری دو دو چار چار روپیہ کر کے دو تین مرتبہ میں پھر فرمائیے۔ ہاں اگر خدا بخو استہ ہمارا طارا اور جوبہر شباب ایسا نہیں ہو جیسا کہ اسکی تعریف کی گئی ہے تو اپنے دوستوں اور ملنے والوں۔ ہم نشینوں میں اسکا ذکر کرو دیجئے تاکہ خلق خدا کے دام مفت فرائع ہونے سے بچیں۔ ہاں اگر میرے لکھنے سے زیادہ مفید ہو تو خلق خدا کو ضرور اس سے فائدہ حاصل کرتا چاہیے۔ یہ خیال دل میں قائم کیا ہے کہ خدا بیچ انگشت یکساں کرد + دینا کبھی سچوں سے خالی نہیں رہتی۔ اچھے برے دنیا میں سمجھی ہوتے ہیں۔

جن ناعاقبت اندیش
 لوگوں نے بچپن کی ناجائز
 حرکتوں یا جوانی کی بے وقوف
 حالت میں اپنے ہاتھوں
 اپنا ستیا ناس کیا ہے
 تو ان کے لیے یہ طارا
 سنگ پاس کی طرح
 اگر عظیم ہو جسکی انیم
 کی برونی مالش سے
 تمام تباہ شدہ رگوں
 پھولوں کی سستی
 خمی۔ کجی۔ ناہواری
 امراض آنا فنا دور
 ہو جاتے ہیں کہ استعمال
 کرنے والا حیران بھرا
 ہے اور شوقیہ استعمال
 کرنے والے قابل فخر
 مرد بن جائیں گے
 قیمت فی شیشی ۱۰

منسکانے کا پتہ شیخ عین الشفا میڈیکل ہال لکھنؤ سرکل ۲۸